CHECKED 1969.
NOT TO BE ISSUED

ذکر الاولیاء حکمۃ للقلوب کفارۃ للذنوب

روضۃ الاقطاب

المعروف بہ

مظہر آصفی

۱۳۲۶ھ

جس مین روضہ عرف خلدآباد کی وجہ تسمیہ اور خلدآباد کے بزرگون
کے حالات اور اُن کے اعراس کا مفصل ذکر ہے

مؤلفہ

خاکسار رونق علی صدر مدرس مدرسہ خلدآباد شریف
ضلع اورنگ آباد

باہتمام منشی عبدالسلام صاحب نقلنویس ضلع اورنگ آباد

مطبع معین دکن اورنگ آباد مین چھپی

کاتب کتاب بندہ [illegible] عفی عنہ دہلوی

HYDERABAD STATE LIBRARY
Checked
195

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ؁

سبب تالیف

ناظرین کے سامنے تالیف کے یہ چند اجزا پیش کرنے کے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے اسباب تالیف بھی تھوڑے سے بیان کر دین اگرچہ اُس کے تحریر کرنے مین نہ کوئی خوبی ہے اور نہ کسی قسم کی دلچسپی لیکن اسقدر ضرور ہے کہ بزرگون کے نام نامی کے ساتھ اُن سرپرست احباب کے نام بھی یادگار رہ جائینگے جو کتاب کے سبب ہین۔ درحقیقت اسباب تالیف قلمبند کرنا اُن کا شکریہ ادا کرنا ہے۔

قدرتی قانون سے انسانی طبیعت کا خاصّہ ہے کہ وہ کسی وقت بیکار رہنا پسند نہین کرتی۔ کسی نہ کسی شغل مین رہا کرتی ہے۔ اسی بنا پر میری طبیعت بھی عرصے تک تعلیم کی طرف مائل رہی۔ معمولی پڑھائی ختم ہو چکی تھی اور اعلیٰ جماعت مین نام داخل ہوا تھا کہ دفعتاً اسباب حائل آئے کہ تعلیم کا سلسلہ ہی موقوف ہو گیا۔ باب تعلیم ایسے منحوس [illegible]

بند ہوا کہ پھر ہزار کوشش کی اور لازمی طریقے اس قسم کے اختیار کئے کہ جس سے سلسلہ چلتا ہے لیکن کامیابی نہوئی۔

اس ناکامیابی پر دوسری طرف سے خانگی افکار اور زمینداری کا گران بار سر پر ایسا آن پڑا کہ اس ناقابل برداشت بوجھہ کا تحمل نہوا۔ عام خیال مین زمینداری کے تعلقات اگر مفید نہ تھے تو مضر بھی نہ تھے۔ لیکن یہ بھی اس قدرتی قانون کا اثر تھا کہ شروع ہی سے طبیعت کو اسطرف لگاؤ نہ تھا۔ بلکہ الجھن اور وحشت تھی۔

علاوہ برین اسطرف سے بیدلی کی وجہہ یہ اور پیدا ہوئی کہ مین نے جن لوگون کو اسمین مبتلا پایا۔ اُن کی اندرونی حالت چاہے اچھی ہو مگر بظاہر نہایت ذلیل اور خستہ دیکھی۔ طبیعت کی بے تعلقی۔ لوگون کی خستہ حالت سے خیالات مین روز بروز تغیر ہوتا گیا۔ یہان تک کہ اس سے قطع تعلق کر کے ملازمت کا ارادہ کیا۔ اِس مقصد سے ہمکناری کے لیئے منشی محمد ابراہیم صاحب ناظر محمد داری ضلع اورنگ آباد سے خط و کتابت کی۔ محمد ابراہیم صاحب اگرچہ خود اعلےٰ عہدہ دار اور صاحب اختیار نہ تھے لیکن اُنکا ذریعہ ملازمت کیواسطے اس لیئے کافی تھا۔ کہ عالیجناب حاجی منشی قنبر علیصاحب مرحوم ناظر صاحب کے حقیقی چچا اور خسر اور کمشنری قسمت اورنگ آباد کے مددگار مال تھے۔

ناظر صاحب سے پخت و پز کرنے کے بعد جب پورا اطمینان ہوگیا تب سفر کا سامان کیا۔

بتانا باقی رہگئی کہ ترک تعلیم کے بعد خانگی کامون سے جب کبھی فرصت ہوتی تھی مولانا مولوی حضرت محمد عبدالحیؒ شاہ صاحب قبلہ مدظلہٗ کی خدمت بابرکت

مین حاضر ہوا کرتا تہا۔ برسون کے تجربے سے آج مین کہہ سکتا ہون کہ جسقدر وہ میرا وقت جناب ممدوح کی خدمت مین گزرا وہ اسوقت کے گذشتہ اوقات سے بدرجہا اچھا تھا۔ اُس تھوڑے سے وقت مین مینے آنجناب سے قرآن پاک کے چند پارے حفظ کئے اور قرأت کے کچھ قواعد سیکھے۔ صد افسوس کہ اب وہ محفوظ نہین ہین البتہ شاگردی باعث فخر ہے ۔

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

سفر کا سامان مُہیا ہی ہوچکا تھا کہ صفر ۱۳۱۱ھ ہجری کی چوبیس کو پنجشنبہ کے دن گھر سے چل کھڑا ہوا۔ ہر چند عزیزون اور دوستون نے اس غیر معمولی سفر سے روکا اور سمجھایا، لیکن طبیعت کی بیفاشگی سے کسی کا سمجھانا خیال مین نہ آیا روانگی سے چند روز پہلے اپنے ارادے سے ایک دوست کو جو اجمیر شریف مین ملازم تھے خط کے ذریعہ سے اطلاع دیدی تھی اور لکھدیا تھا کہ انشاءاللہ عنقریب آپ سے ملتا ہوا اورنگ آباد جاؤنگا۔ بدینوجہ لکھنؤ سے آگرے کا ٹکٹ حاصل کیا۔ رات کے دو تین بجے ہون گے کہ آگرے پہونچا دوسری گاڑی جو اجمیر شریف جانیوالی تہی اوسمین نُو دس گھنٹے کی دیر تھی اسلیئے

حاشیہ صفحہ ۲۔ آپ نسبًا سید مشہور قصبے مرہان کے رہنے والے ہین۔ پندرہ سولہ برس کے سن سے وطن چہوڑ کر قصبہ جگور مین آئے۔ چند روز تعلیم و تعلم مین بسر کئے۔ حاجی شاہ وارث علی صاحب سے ارادت کے بعد دنیاوی تعلقات سے آزاد ہوکر مسجد مین گوشہ نشین ہوگئے۔ اُسی زمانے مین پاپیادہ حج بھی کیا حرمین شریفین زاد اللہ شرفًا و تعظیمًا سے شرفیابی کے بعد پھر جگور تشریف لائے۔ اسوقت تک جگور کو آپکی ذات مجمع صفات سے شرف ہے۔ جملہ صفات خیر سے موصوف ہین۔ آپ سا برگزیدہ شخص اس زمانے مین میری نظر سے نہین گزرا عمر ستر اسّی کے درمیان ہے۔

بقیہ وقت شاہجہان بادشاہ کی پیاری بیگم کے مقبرہ (تاج گنج) دیکھنے مین صرف کیا۔ فی الواقع یہ مقبرہ دنیا کے عجائبات مین بے نظیر نمونہ ہے۔ تنہائی کیوجہ سے قلعہ نہ دیکھ سکا۔

آگرے سے جس گاڑی پر مین سوار ہوا وہ خوب یاد نہین کہ اسی روز لیکن غالباً دوسرے روز اجمیر شریف پہنچی۔ عجب اتفاق جس روز مین اجمیر شریف داخل ہوا اُسی روز شہر سے باہر ہندوؤن کا کوئی تیوہار تھا اور شہر کے تمام گاڑی اور گھوڑے وہین گئے ہوئے تھے جسکی وجہ سے اُس دوست کے مکان تک (جسکو آنیکی اطلاع دی تھی) پہنچنے مین دقت ہوئی بہت تلاش کی اور معمولی کرایہ سے زیادہ دینا چاہا لیکن کوئی سواری میسر نہ آئی مجبوراً افتان و خیزان مقام مقصود تک پہونچا۔

ہمارے اس معزز میزبان کا مکان جہان ہم جاکر ٹھیرے تھے شہر سے اندازاً تین میل اور ریلوے دفتر سے قریب تھا۔

مہمان نواز دوست اجمیر شریف کے ریلوے دفتر مین مدت سے ملازم ہین ان کا مولد لکھنؤ۔ آدمی خوشرو یار باش۔ نیز اور اخلاق کی مجسم تصویر ہین۔ اخلاق ہی کا سبب تھا کہ مجھے اوقات معینہ سے زیادہ ان کے یہان مہمان رہنا پڑا۔ اجمیر شریف کے ریلوے کارخانجات کی سیر انہین کے سبب سے خوب دیکھنے مین آئی۔ چونکہ اس قسم کے کارخانجات دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا اسوجہ سے بعض بعض چیزون پر نظر پڑنے سے اُسوقت حیرت ہوتی تھی۔ اسکا افسوس رہا کہ بعد مسافت سے خواجہ صاحب کی بارگاہ فلک پایگاہ مین حاضری کی نوبت ایک ہی مرتبہ آئی۔

اجمیر شریف سے ناندگانون تک ریل کے سفر مین گو نہ تکلیف رہی لیکن نہ ایسی کہ

تاندگانون سے اورنگ آباد تک تانگے کی سواری مین پیش آئی۔ تاندگانون ایک چھوٹا سا گانون ہے۔ اسٹیشن کیوجہہ سے اُسکو شہرت ہوگئی ہے یہان سے اورنگ آباد تیس کوس ہے۔ سڑک ناہموار۔ تانگون کے گھوڑے سُست۔ مریل۔ زخمی تھے اگرچہ پانچ پانچ چھہ چھہ کوس پر بدلے جاتے تھے تاہم منزل پر دشواری سے پہنچتے تھے۔ خدا کا شکر ہے جب سے ریل ہوگئی ہے یہہ شکایت دور ہوگئی ہے۔ جس تانگہ پر مین سوار تھا۔ وہ رات کے نو بجے مددگار صاحب کے مکان پر پہنچا۔ میرے اس ناگہانی وُرود سے مددگار صاحب پہلے بہت متعجب اور متفکر ہوئے۔ لیکن جب محمد ابراہیم صاحب نے اصل واقعات کہدئے تو وہ مطمئن ہوگئے۔ مرحوم و مغفور کے پاس جب تک مین رہا اُنکا برتاؤ عزیزانہ اور بزرگانہ رہا۔

مرحوم و مغفور حقیقت مین باوضع۔ کنبہ پرور۔ محتاط۔ ثقہ اور نثار تھے۔ نثاری کی خاص صفت نے ہمیشہ اُنہین منشی ہی کے القاب سے ممتاز رکھا۔

منشی صاحب اعلٰے عہدے دارون مین بھی نہایت معزز تھے اور اون کے فیصلہ جات حکام بالا کے نزدیک بہت مقبول ہوتے تھے۔ کُتب بینی کا بہُت شوق تھا۔ فرصت کے وقت کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ فرماتے رہتے تھے اس وصف نے اُن کے پاس مطبوعہ کُتب کے علاوہ قلمی کتابونکا ذخیرہ بھی بہت جمع کر رکھا تھا۔ یہ نہین تھا کہ وہ خود ہی اُس سے فایدہ اُٹھاتے تھے بلکہ اکثر صاحب ذوق فیضیاب ہوتے رہتے تھے مولوی یعقوب علیصاحب جو قصبے کاکوری کے رہنے والے اور اورنگ آباد مین وکالت کا پیشہ کرتے تھے۔ منشی صاحب کے ہم جلیس اور اُس ذخیرے کے ترقی دینے والے تھے بیکاری مین میری بھی اُس سے دلبستگی ہوتی تھی۔ اتفاق سے

ایک روز بزرگان دین خلد آباد کا ایک رسالہ قلمی بزبان فارسی مسمی روضۃ الاولیا مولفہ حاجی غلام علی صاحب آزاد بلگرامی جو طبع ہو کر شایع ہو چکا تھا نظر سے گذرا - چونکہ مولانا مولوی عبدالحی شاہ صاحب قبلہ کی چند روزہ صحبت نے بزرگون کے حالات سے دلچسپی پیدا کر دی تھی لہذا رسالۂ مذکورہ تمام وکمال کئی بار دیکھا - انتہائے دلچسپی نے وہ اُمنگ پیدا کی کہ طبیعت کو بے اختیار زیارت کا شوق ہوا - خوبی تقدیر سے وہ زمانہ حضرت منتجب الدین صاحب کے عرس کا تھا - منشی صاحب غفرہ اللہ ذنوبہ بغرض شرکت عرس خلد آباد آنے لگے اور مجھہ سے فرمایا کہ تو بھی چل مین تو اس موقع کا منتظر تھا اور خدا سے چاہتا تھا کہ کوئی سبب ایسا ہو کہ مجھے اُن بزرگون کی زیارت ہو فوراً پابرکاب ہو گیا -

خلد آباد پہنچتے ہی پہلے حضرت منتجب الدین صاحب کی زیارت کی اُس کے بعد دو تین روز کے قیام مین مشہور مشہور بزرگون کے مزارات پر فاتحہ پڑھا اور نیز خدامون سے جستہ جستہ واقعات بھی دریافت کئے - خدامان درگاہ سے اکثر حالات ایسے معلوم ہوئے جن کے ذکر سے روضۃ الاولیا مُعرا تھی - یہ بھی سُنا گیا کہ اِس بستی مین متعدد قلمی ملفوظ ہین - لیکن اُن کا ہم دست ہونا غیر شخص کو دشوار ہے اِس جُملے سے مایوسی تو ہو گئی - تاہم موہوم اُمید پر منشی صاحب کے ذریعہ سے ملفوظات کی بہت تلاش کی - لیکن غربت نے اُسوقت تلاش اور جستجو کا نتیجہ نیک نہ نکالا -

حسن اتفاق واپسی پر حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے تذکرے مین دو تین اجزا ہاتھ آگئے - شوق کے مقابلے مین یہ اوراق بہت نہ تھے اورنگ آباد پہنچتے پہنچتے سب دیکھہ لیئے - کچھہ دنون پیشتر بزرگون کے حالات ہی دیکھنے کا

شوق تھا۔ اب یہ خیال ہوا کہ اگر بیکاری کے قید سے رہائی ہو اور اطمینان کی زیبا صورت خدا دکھائے تو ضرور خلد آباد کے اہل کمال کی سوانح عمری جو اُردو مین مُرتب نہین ہوئی ہے۔ لکھون۔ سچ پوچھیے تو یہی اوراق اس کتاب کے تالیف کے باعث ہوئے ملازمت کے انتظار مین اب جو زمانہ گزرا وہ خلد آباد کے بزرگون کے واقعات کی تفتیش مین گزرا۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ایک دل دو طرف کیسے ہو سکتا تھا۔ بیکاری کی پریشانی نے غالب ہو کر میرے اُس وسیع خیال کو دبا دیا۔ لیکن پریشانی پر تالیف کی بیتابی تھی۔ وہ تازیانہ کا کام دے رہی تھی۔ ملازمت کی ریشہ دوانی جاری ہی تھی کہ جناب مولوی **میر[1] عابد حسین صاحب** ناظر تعلیمات (جو اُس وقت مُنصرم مہتمم تھے) اور جناب منشی **میر[2] سعادت علی صاحب** میر منشی دفتر مہتممی کی توجہ سے خاص اورنگ آباد مین تقرر ہو گیا یہ تقرر بلحاظ بیکاری تو اچھا ہوا لیکن تالیف کے لیے مُفید نہوا۔ کیونکہ بہت سی مجبوریان ایسی پیدا ہو گئین۔ جنکا تحریر کرنا عبث ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ایکطرف تالیف کی خلش بیچین کر رہی تھی اور دوسری طرف بہت سے اتفاقات مانع آ رہے تھے کہ اس مین کئی سال کا توقف ہو گیا۔ اور یہ بھی ہوا کہ درمیان مین ملازمت کے تغیر و تبدل[3] نے غرض مطلب سے کوسون دور کر دیا۔

---

[1] میر صاحب ممدوح قصبہ امروہے کے رہنے والے ہین۔ تجربہ کار۔ مستعد۔ خلیق۔ لایق۔ لیاقت مسلمہ ہے۔ اور اسیوجہ سے ممالک محروسہ کے تمام ناظرون سے ممتاز اور مستثنیٰ ہین۔

[2] کارگزار۔ محنتی۔ دیانت دار ہین۔ سچ یہ ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے سررشتہ تعلیمات کے عملون مین اس لیاقت اور حافظہ اور تدبر اور معلومات کے اشخاص کم ہونگے۔ قابل قدر ہین۔

[3] دوران تبدل مین مؤلف چند روز سائیگانون تعلقہ مومن آباد ضلع بیڑ مین رہا۔ وہان ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷) رسول شاہی بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ چونکہ اُن کی ذات حمیدہ صفات سے ہے لہذا ہم اون کے مختصر حالات بیان کیے دیتے ہین۔

شاہ صاحب کا نام سید صادق علیشاہ ہے حضرت اخلاق حسین شاہ صاحب کے خلیفہ ہین اخلاق حسین شاہ صاحب کے مُرشد فدا حسین شاہ صاحب اور فدا حسین شاہ صاحب کے پیر محمد حنیف شاہ صاحب تھے۔ محمد حنیف شاہ صاحب کو حضرت رسول شاہ صاحب سے بیعت تھی جو کوہستان الور مین رہا کرتے تھے۔ رسول شاہ صاحب کا سلسلہ حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔

اِسوقت شاہ صاحب کی عُمر اندازاً (۹۵) سال کی ہوگی۔ سائیگانون مین آئے ہوئے پورے پچاس برس ہوتے ہین۔ شاہ صاحب نے خاص سائیگانون مین عمر کا بڑا حصہ ایک جھوپڑی مین گزارا ابتدا سے اسوقت تک محدود احاطہ سے قدم باہر نہین نکالا۔ سلوک پر جذب غالب رہتا ہے اِسوجہ سے تکالیف شرعیہ آپ سے ساقط ہین۔ جسوقت بدن پر راکھ ملکر بیٹھتے ہین معلوم ہوتا ہے کہ ایک شیر بیٹھا ہوا ہے۔ شیر بھی کیسا شیر حق۔

میرے سامنے مسمی نور علیشاہ صاحب۔ شاہ صاحب کیخدمت مین تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کو خود اُن کی خدمت کرنا پڑتی تھی۔ اور جو ناز برداریان شاہ صاحب اُٹھاتے تھے۔ اِس زمانے مین شاید ہی کوئی پیر اپنے لائق مُرید اور کوئی باپ اپنے سعید بیٹے اور کوئی اُستاد اپنے رشید شاگرد کی اُٹھاتا ہوگا۔

نور علیشاہ ابتدا مین وارستہ مزاج تھے اور لوگ اُن کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ نور علیشاہ قوم کے ہندو ذات کے برہمن۔ اور بلحاظ دولتمندی ہزارون کے مالک اور بنظر معلومات مذہبی بڑے ہی پنڈت اور شاستری تھے۔ اسلام کی برکت اور شاہ صاحب کی توجہ باطنی نے اُن کے دل سے دنیا

بزرگون کی کشش کہنی چاہیئے کہ دفعتاً خلدآباد کے مدرسے مین تبادلہ ہوگیا۔ اب کیا تھا خدمت کا جایزہ ہوتے ہی کتاب کے سربرآوردہ بزرگون کے حالات جمع کرنا شروع کردئے واقعات کی تفتیش اور اجتماع مین بہت سا وقت صرف ہوا۔ اور زمانے دراز کے بعد تھوڑا سا سرمایہ بہم ہوا۔ خدا کا احسان سمجھنا چاہیئے کہ اُسی دوران مین جناب مولانا مولوی عبدالہادی صاحب خلدآباد تشریف لائے۔ اور جب میرے ارادے سے اُنہین خبر ہوئی تو اُنہون نے سرمایے کے بہم کرنے مین کوشش فرمائی۔ مولویصاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) زنگ کو بالکل صاف کرکے تصوف کے رنگ مین رنگ دیا ہے۔ اب تو قدم بقدم شاہ صاحب کے طریقے پر چل رہے ہین شاہ صاحب نے زندگی ہی مین اپنا پختہ مقبرہ بنوایا ہے اور عرس بھی کرانے لگے ہین۔ عرس کی تاریخ (۱۰) جمادی الثانی قرار دی ہے۔ مولانا مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے معتمد اُمور عامہ کی سعی و کوشش سے شاہ صاحب کے نام سنہ ۱۳۱۲ فصلی سے مـ۹ روپیہ ماہانہ وظیفہ یا منصب مُقرر ہوگیا ہے۔ مسجد کے پورب اور مقبرے کے متصل جسقدر قطعہ زمین شاہ صاحب کے تصرف مین ہے اُسمین کولے سنگترے وغیرہ کے درخت نصب ہین خوب پھلتے ہین روز بروز اس باغ کو ترقی ہے۔

شاہ صاحب کے تفصیلی حالات اگر بیان کیئے جائین تو تھوڑا بہت اُن کے کمال اور مجاہدے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس اختصار مین اسکی گنجایش نہین۔ اسیلئے بنظر اختصار ہم اسی پر اکتفا کرتے ہین۔

؎ فصیح۔ بلیغ۔ عالم باعمل۔ حق گو۔ وانم باڑی ضلع سیلم احاطہ مدراس کے رہنے والے ہین مجلس وعظ مین اُن کی شیرین زبانی اور رنگین کلامی عجب لطف پیدا کرتی ہے۔ تقریر ایسی خوش اور بیان ایسا محبوب ہوتا ہے کہ لوگ خود بخود گرویدہ ہوجاتے ہین۔

ممدوح کی سحر بیانی اور تالیف قلوب نے بعض اہل سرمایہ کے دلون مین ایسا گھر کیا کہ اُمید سے زیادہ سرمایہ اکٹھا ہو گیا۔

ارادہ یہ تھا کہ اِس کتاب کو صرف بزرگون کے حالات سے ترتیب دون لیکن مولویصاحب نے فرمایا کہ روضۃ الاقطاب اِس ڈھنگ سے لکھنی چاہیئے کہ اگر کوئی صاحب خلد آباد کے پورے حالات سے آگاہ ہونا چاہین تو اسکے دیکھنے کے بعد پھر اُنکو کسی قسم کی دقت نہ اُٹھانی پڑے۔ یہ شرائط تالیف کے لیئے ایک نوع سے دُشوار تھے کیونکہ اس طرز تحریر مین بزرگون کے زیر سایہ شاہان سلف کے گنبد اور قبور تھے جنکے حالات لکھنے مین تاریخہائے دکن کی ضرورت تھی ایسی کتابونکا بہم ہونا محض بیسرو سامانی مین مشکل تھا۔ لیکن یہ کمی یون پوری ہوئی کہ مکرمی جناب منشی محمد امیر حمزہ صاحب نائب سررشتہ دار ناظم ٹپہ خانجات سرکار عالی مدظلہ العالی بتقریب دورہ خلد آباد آئے۔ چونکہ تاریخ تمدنہاے دکن اُن کے زیر تالیف تھی جسکی وجہ سے بہت سا سرمایہ اونکے پاس موجود تھا۔ لہذا حسب ضرورت دو ایک نسخے اُنہون نے مرحمت فرمائے۔

منشی صاحب ممدوح الصدر کے سوا مکرمی جناب مولوی رضی الدین[1] صاحب خلف الرشید جناب حکیم محمد رشید صاحب مرحوم دوم تعلقدار بیجاپور نے اپنے کتبخانہ سے دو ایک جلدین عنایت فرمائین۔ احباب کی سعی و کوشش سے تالیف کا سرمایہ جسقدر بہم ہوا اور جس سے روضۃ الاقطاب مرتب ہوئی ہم اوسکی فہرست ذیل مین درج کرتے ہین۔

---

[1] متین- خلیق- جوان صالح- آپ کے والد حکیم محمد رشید صاحب ذی علم- متقی- پرہیزگار- حاذق [illegible] بیجاپور کے رہنے والے تھے۔

فہرست اُن کتابون کی جن سے روضۃ الاقطاب مُرتب کیگئی۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم صاحب	مشہور کتاب ہے۔
،، ماثرالامرا	صمصام الدولہ شاہ نواز خان	،،
جامع التواریخ	قاضی فقیر محمد صاحب	اختصار سے لکھی گئی ہے۔
حدیقۃ العالم	ابو القاسم المخاطب بمیر عالم۔	.... اسکے دو حصہ ہین مطبع سیدی واقع حیدرآباد مین طبع ہوئی ہے
تاریخ قندہار دکن	محمد امیر حمزہ صاحب	حال مین طبع ہوئی ہے۔ مؤلف نے نہایت عرقریزی اور جانفشانی سے ترتیب دی ہے قندھار دکن کے حالات اس سے زیادہ دوسری کتاب مین نہین ملسکتے۔
،، قطب شاہی	قادر خانصاحب	تاناشاہ کے حالات اسی سے اخذ کئے گئے ہین
سیر الاولیار	سید محمد صاحب کرانی	سُلطان المشائخ نظام الدین اولیار صاحب کے حالات ہین۔
سیر الاولیار	شاہزادہ داراشکوہ	مشہور کتاب ہے۔
سیر گلبرگہ	سلطان الدین صاحب	حال مین چھپی ہے۔
خزینۃ الاصفیا	غلام سرور صاحب	مشہور کتاب دو جلدون مین ہے
جغرافیہ دکن	عبدالرحیم خانصاحب	مطبوعہ سہیل دکن۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
روضتہ الاولیاء شمائل اتقیاء	غلام علی صاحب آزاد رکن الدین صاحب کاشانی المتخلص بہ دبیر	خلدآباد کے بزرگون کے واقعات مین چھپ گئی ہے یہ قلمی نسخہ۔ تصوف سے پر ہے۔ آیات اور احادیث اور امامون اور بزرگون کے اقوال سے کام لیا ہے چار قسم اور اکانوے بیانون پر تقسیم ہے مصنف کی قابلیت کا اندازہ کتاب دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بیان مین نہین آسکتا۔ قابل طبع ہے۔

ملہ سُنا گیا ہے کہ حضرت شاہ خیرات حسین صاحب نے اس بے بہا اور لاجواب نسخہ کے طبع کرانیکا ارادہ کیا ہے خدا کرے کہ یہ کار خیر ان ہی کے ہاتھون انجام پائے۔ حضرت ممدوح شاہ امین الدین صاحب قبلہ بہاری کے خلیفہ اور اپنے پیر کی نشانی ہین۔ آپ کی معلومات وسیع۔ اخلاق عام۔ سیرت و صورت دونون سے شان مشائخی عیان ہے۔ آپ کے اوصاف لکھنے کی حاجت نہین صرف یہی کافی ہے کہ فخر خاندان ابوالعلائیہ فردوسیہ منعمیہ مین آپکی مجلس سماع باثر مجلسون سے ہوتی ہے۔ زمانہ حال مین ایسی صورتین کمیاب بلکہ نایاب ہین مختصر کلام یہ ہے کہ جسطرح سالکون مین حضرت مولانا محمد عبدالحی شاہ صاحب جگوری اور سالک مجذوبون مین سید صادق علیشاہ سائیگانوی مغتنمات سے ہین۔ اسیطرح مشائخین مین شاہ خیرات حسین صاحب بہت غنیمت ہین۔ طالبان حق کو ایسے ہی بزرگون سے سبق اور سالکان راہ طریقت و حقیقت کو ان ہی حضرات سے مریدی کا فخر حاصل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالے ایسے لوگون کو سلامت باکرامت رکھے۔ آمین۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
نفایس الانفاس	رکن الدین کاشانی المتخلص بہ دبیر	فوایدالفواد کے طریقے پر لکھی گئی ہے۔ اسکی ابتدا سنہ ۷۳۲ ہجری سے ہوئی۔
احسن الاقوال	حماد الدین کاشانی	تالیف کی ابتدا سنہ ۷۶۱ ہجری سے ہوئی۔
غرایب الکرامات	مجد الدین 〃	یہ دونون نسخے برہان الدین اولیاء صاحب کے حالات مین ہین۔
بقیۃ الغرایب	〃	
سیر محمدی	سید محمد صاحب سامانی	حضرت بندہ نواز گیسو دراز صاحب کے حالات ہین
ہدایۃ القلوب	میر حسن صاحب	سید زین الدین صاحب کے اقوال سے یہ کتاب پُر ہے۔
دلیل السالکین	.	مؤلف کا نام دریافت نہو سکا ہدایت القلوب کا خلاصہ ہے
فتوح الاولیاء	.	یہ نسخہ جہانگیر شاہ کیوقت مین لکھا گیا اسمین برہانپور کے اولیاؤنکا بہت ذکر ہے۔
عشق ربانی	.	مصنف کے نام سے یہ کتاب بھی خالی تھی مفید حالات متعلقہ روضۃ الاقطاب اسمین بہت پائے گئے۔
چشتیہ بہشتیہ	.	یہ رسالہ ناتمام ہاتھ آیا خواجگان چشت کے حالات ہین۔

فہرست کتب مذکورہ بالا کے علاوہ بہت سے بوسیدہ اور کہنہ اوراق سے بعض بعض
مضامین اس کتاب مین بجنسہ نقل کر دیے گئے ہین۔

یہ اوراق اگرچہ کتاب کی حیثیت مین تھے لیکن اول اور آخر کے [illegible] روضۃ موافق روضہ
کتاب کا نام دریافت ہوسکا اور نہ مولف کا پتہ معلوم ہوا۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب زین الدین صاحب کے اقوال ہین جو کسی نے جمع کر دئے ہین۔ فہرست مذکورہ بالا مین ابتدا سے (۱۲) نشان تک کتابین اُن احباب کے ذریعہ سے (جنکا اوپر ذکر ہوا ہے) اکٹھے ہوگئین لیکن (۱۳) سے آخر تک کی تصانیف مین بہت سے نسخے حاجی محمد[لہ] صادق علیخان صاحب امین بلغور اور محمد ولی اللہ صاحب خادم درگاہ عدکلان کی امداد سے ہاتھہ آئے۔ شبہہ نہین کہ اگر ان دونون صاحبون کی امداد نہوتی تو روضۃ الاقطاب کی تالیف مین قدرے کیا بہت دُشواری ہوتی۔ کیونکہ اِس کتاب کا زیادہ تر حصہ اُنہین سے اخذ ہوا ہے اور مشاہیر بزرگون کے اکثر فضائل او خصائل اُنہین سے لکھے گئے ہین۔

احباب ممدوح الصدر کی ہمدردی سے سرمایہ بہم ہونے مین کوئی کمی نہین ہوئی۔ لیکن پھر بھی شیخ منتجب الدین اور حضرت جلال الدین صاحب کے ملفوظات ہمدست ہونیسے جیسی کامیابی ہونی چاہیئے نہین ہوئی اور اسی لیے اِن حضرات کے حالات ادھورے کیا معنی بہت ہی کم قلمبند ہوئے ہین۔

حضرت جلال الدینصاحب کی سوانح عمری کی نسبت تو ہم کہہ سکتے ہین کہ معرض تلف مین آگئی کیونکہ غلام علی صاحب آزاد نے پہلے سے اور اسوقت بھی خلد آباد کے معزز لوگ اِس کے تلف ہونیکی شہادت دے رہے ہین۔ لیکن حضرت منتجب الدینصاحب ملفوظ کا پتہ یقینی ہے۔ اس ثبوت سے کہ جیسا حضرت جلال الدینصاحب کی سوانح تلف ہونیکی شہادت ملتی ہے ویساہی اُس کے محفوظ ہونیکا یقین دلایا نیال سے کہ حضرت منتجب الدین اور جلال الدین صاحب خلد آباد نیا۔ اِن کے حالات وضاحت کیساتھہ نہونے سے کتاب کا

[لہ] حاجیصاحب کے والد محمد عمر صاحب کسی زمانہ مین خلد آباد کے تحصیلدار تھے - اور اونہون نے اپنے زمانہ تحصیلداری مین معتد بہ سرمایہ بزرگون

زیادہ ہم اُن کے دل سے مشکور ہین ۔۱۲

کسیقدر حصہ ناقص اور دلچسپی سے خالی رہجائیگا۔ یہان کے معزز اصحاب اور خاصکر اُن حضرات سے جنکی الماریون سے اُمید وابستہ تھی۔ التجا کی اور مکرر سہ کرر عرض کی کہ خاص خاص تصانیف سے جو دستیاب نہین ہوتی ہین ہماری مدد کرین۔ لیکن بجائے اِس کے کہ وہ اعانت کا بار اپنے سر پر لین۔ اُنہون نے صاف صاف الفاظ مین اُمید کے خلاف جواب دیدیا۔ مجبوراً ہمنے موجودہ سرمائے سے واقعات اخذ کرنا شروع کیئے اور ہر ایک بزرگون کے حالات جہان تک ملتے گئے لکھتے گئے۔

یہ تمام واقعات جو کتاب کی حیثیت مین اکٹھے کرکے ناظرین کے سامنے پیش ہین بیشتر روضہ ہی کے بزرگون کے ہین۔ روضے مین مشاہیر بزرگون کے سوا بہت سے حضرات ایسے آسودہ ہین جنکا شمار اقطابون مین ہے۔ پس اسی مناسبت سے اِس کتاب کا نام روضۃ الاقطاب المعروف بہ مظہر آصفی ہے۔

روضۃ الاقطاب کے واقعات اور مضامین حتی المقدور نہایت جانچ سے لکھے گئے ہین مبالغہ آمیز روایات جو عوام مین مشہور ہین اُن سے پرہیز کیا گیا ہے۔ حاشیہ پر جو نوٹ ہین وہ چشم دید یا کتب معتبرہ سے ہین۔ بعض حالات یا بدیہی اور نظری واقعات کے متعلق اگر کوئی روایت زبان زد ہے اور کتاب سے اُس کی سند حاصل نہین ہوئی تو لکھدیا گیا ہے کہ مشہور ہے۔

روضے کی عمارت پر جو کتابے کندہ ہین وہ اکثر مٹ گئے اور بعض کے حرف اُڑ گئے ہین دو ہی تین ایسے ہون گے جو تمام و کمال پڑھ لیے گئے۔ کتبے پورے پڑھ لیئے گئے یا جسقدر مٹ کر باقی رہ گئے لکھدئے گئے۔

حضرات شائقین اور ناظرین پُرتمکین کے اخلاق و کرم سے اُمید ہے کہ مؤلف کی ناچیز محنت کو قدر اور وقعت سے دیکھینگے اور جزئیات کی تلاش مین اگر کوئی امر فروگذاشت اور واقعات کی صحت مین کچھہ غلطی ہوگئی ہے اُسے درست فرمالینگے فقط

رونق علی صدر مدرس خلدآباد عُرف روضہ
متوطن بھٹولی ضلع بارہ بنکی ......

روضہ اور خلدآباد کی وجہ تسمیہ

اِسکی وجہ تسمیہ دریافت کرنے کے لیئے ہمنے تاریخ کے بہت سے ورق اُلٹے اور خلدآباد کے بزرگان دین کے ملفوظون کے علاوہ اور بہت سی کتب مطبوعہ اور قلمی نسخے جو بہم ہو سکے دیکھے لیکن تاریخ یا کسی ملفوظ سے ہمکو اِس عنوان کے متعلق کچھہ دیکھنے مین نہین آیا۔ ہان خارجًا بہت سی حکایات اور قصص جو قرین قیاس اور اعتبار کے قریب قریب ہین سنے گئے۔ اسلیے ہم اُن قصص اور حکایات پر جو قریب الاعتبار ہین اور کچھہ کچھہ تاریخ فرشتہ اور ماثر الامرا کی عبارت سے ملتے جُلتے ہین روضے اور خلدآباد وجہ تسمیہ بیان کرتے ہین جس سے ناظرین کو معلوم ہوجائیگا کہ ہماری تحقیقات کس صحیح اور کہانتک قابل تسلیم ہے

حد تک صحیح

صحیح یہ ہے کہ روضہ

اور خلدآباد کی وجہ تسمیہ کا پتہ قدما کی تاریخ یا بزرگون کے ملفوظ سے کیونکر
ــے گذشتہ ہجری کے قبل تک اس پہاڑی پر آبادی کا

معلوم ہو سکتا ہے اس

نشان ہی نہ تھا اور یہ پہاڑ دولت آباد کے قربت سے کوہ دولت آباد کہلاتے تھے۔

اگرچہ آبادی یہان کے جنوبی پہاڑون پر تھی وہ دولت آباد کی خداداد شہرت کو دولت آباد ہی کیطرف منسوب تھی۔ روضے یا خلد آباد کیطرف کہ اُسوقت گمنامی کے پردے مین چھپا ہوا تھا نہین تھی۔ دولت آباد اُسوقت دکن کی ریاست مین اول درجے پر تھا اور اسی پر نظر کرتے ہوئے وہان پر ہر قسم کے دنیاوی باکمال اور دینی نامور پیشوا موجود تھے اُنہین نامور بزرگون کو لا۔ صوفیاے کرام مین ایک حضرت مومن عارف صاحب باللہ اور دوسرے حضرت جلال الدین صاحب گنج روان سہروردی تھے۔ مومن عارف صاحب وفات کے بعد دولت آباد کے قریب شرقی پہاڑون کے دامن مین دفن کئے گئے اور حضرت جلال الدین صاحب دولت آباد کے شمالی آبادی کے انتہائے حدود مین ایک ٹیکڑی پر مدفون ہوئے۔

اگرچہ ان دونون مقامون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی سے بھرے ہوئے تھے لیکن دولت آباد کے زوال کے ساتھ ہی نہ شرقی آبادی کا نشان رہا اور نہ شمالی کا اثر باقی رہا۔ صرف دونون نیکنام بزرگون کے مزار یادگار رہگئے۔ مومن عارف صاحب کا مزار چونکہ دولت آباد سے قریب تھا اس لیئے آپ کا شمار دولت آباد کے بزرگون مین ہوا۔ رہے حضرت جلال الدین صاحب اگرچہ اُسوقت وہ دولت آباد کے بزرگون مین گنے گئے ہون لیکن انقلاب زمانے سے جب وہ قطعہ زمین کا جو دولت آباد کی شمالی آبادی مین سمجھا جاتا تھا۔ روضے یا خلد آباد اراضی مین آگیا اُسوقت سے حضرت جلال الدین صاحب کا شمار روضہ کے بزرگون مین ہوا۔

یہ امر مسلم ہے کہ روضے کی زمین پر جیسا کہ ہم لکھہ آئے ہین ۔ سب سے پہلے حضرت جلال الدین صاحب تشریف لائے لیکن آپکی ذات بابرکات کا اثر روضے یا خلد آباد کی آبادی پر نہین پڑا اور کیونکر پڑ سکتا تھا روز ازل مین جسکی قسمت مین اس ناموری کا حاصل ہونا لکھا تھا وہ خاندان چشت کا ایک ممتاز بزرگ ہے جسکا نام منتجب الدین اور خطاب زربخش یا زرزری زربخش ہے اگرچہ منتجب الدین صاحب کے حالات بوجہ تاراجی ملفوظات ہماری معلومات مین محدود ہین تاہم چونکہ روضے کی آبادی کا پایہ آپ کی ذات سے پڑا ہے ۔ لہذا وجہ تسمیہ وغیرہ کے ختم پر اس کتاب کو پہلے آپ ہی کے حالات سے شروع کرین گے ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ روضے کی ابتدا حضرت منتجب الدین صاحب سے کیسے اور کسطرح سے ہوئی اور روضہ بعد کو خلد آباد کیون موسوم ہوا جب سلطان المشائخ نظام الدین اولیا صاحب نے منتجب الدین صاحب کو صاحبِ ولایت مقرر کرکے کثیر جماعت سے دکن روانہ کیا اور حضرت منتجب الدین دہلی سے یہان پہنچے اور زمین کا موقع و منظر ملاحظہ کیا تو یہ جگہہ بہت پسند آئی ۔ اور ہمسفرون سمیت اوسی مقام پر ہمیشہ کے لیئے مقیم ہو گئے ۔ گویا اُسیوقت سے روضے کی داغ بیل پڑ گئی ۔

جب منتجب الدین صاحب کا جام حیات بادۂ ممات سے لبریز ہوا ۔ مریدون اور ارادتمندون نے تجہیز اور تکفین کے بعد قبر پر گنبد اور اُس کے حوالی مین کچھہ عمارت تیار کرائی ۔

ین اگر کسی نبی ۔ یا امام یا ولی کی قبر پر گنبد بنایا جاتا ہے تو اوسکو روضے سے تعبیر

لہذا اُس اعتبار سے یہ گنبد روضہ کہلایا ۔

ت نو تعمیر شدہ نے اطراف و اکناف مین اِسقدر جلد شہرت حاصل کی

کہ چند ہی روز مین کثرت استعمال سے وہ مقام ہی روضہ مشہور ہوگیا۔

ہم نہایت افسوس کرتے ہین کہ حضرت منتجب الدین صاحب کی سوانح عمری کی کوئی جلد ہم تک نہین پہونچی اور نہ کسی دوسری تاریخ سے معلوم ہوا کہ منتجب الدین صاحب کس سنہ اور کس تاریخ مین روضے تشریف لائے۔ اگر سنہ اور تاریخ کا پورا پتہ دریافت ہو جاتا تو اوسی تاریخ اور سنہ سے روضے کی آبادی سمجھی جاتی تاہم سنہ وفات سے ہم اسقدر کہہ سکتے ہین کہ روضے کی آبادی کی ابتدا سنہ ۷۰۹ ہجری کے چند سال قبل سے ہوئی جسکو آج چھہ سو برس سے چند سال زاید ہو چکے ہین۔

مذکورہ بالا بیان کو جو ہمنے نقل کیا ہے وہ روضے کی آبادی کا پہلا دیباچہ ہے اب آگے چلکر جو مقامی تغیر ہوا اوسکے متعلق بھی کثرت سے روایات ہین ہم اختصاراً بیان کرتے ہین۔

منتجب الدین صاحب کی وفات کے بعد جب برہان الدین اولیا صاحب بحکم حضرت شیخ نظام الدین اولیا صاحب برادران طریقت کے ساتھہ دولت آباد آئے اور منتجب الدین صاحب کی زیارت کی تو بہ لحاظ تقدس اور نیز آب و ہوا کے خیال سے وہ جگہہ پسند فرمائی۔ باایں ہمہ بعض مصالح سے وہان کا رہنا[1] نامناسب سمجھکر اوس سے جنوب تھوڑا ہٹ کر

---

[1] برہان الدین اولیا صاحب کے اوس مقام پر قیام نہ کرنے کے بہت سے اسباب مشہور ہین منجملہ اونکے یہ ہین (۱) آبادی کو وہ غیر مسطح پہاڑی کافی نہ دیکھی (۲) اس مقام پر پانی کا کوئی چشمہ فیاض نہ تھا۔ (۳) عام روایت یہ ہے کہ حضرت منتجب الدین صاحب حیات مین جلالی صفت سے موصوف آپنے زیارت کی وہی عظمت اور جلال ہر ایک آثار سے ملاحظہ کئے خیال فرمایا کہ اگر مبادا کوئی امر خلاف ادب کسی سے ظہور مین آیا تو باعثِ بربادی اور

قیام فرمایا۔

اول تو برہان الدین اولیا صاحب کے ساتھہ والی جماعت کسی مقام کے آباد کرنے کو کافی تھی دوسرے وہ لوگ بھی کہ حضرت منتجب الدین صاحب کے ساتھہ آئے تھے اور آزادانہ زندگی گزران رہے تھے اور جنکی تعداد بھی حضرت برہان الدین اولیا صاحب کی جماعت سے کچھہ کم نہ تھی۔ برہان الدین اولیا صاحب کے پاس آگئے اور دونون جماعتون کے ملجانے سے اُسوقت آبادی کی حیثیت قصبے کے مانند ہوگئی۔

اِس آبادی نے بہت جلد ترقی کی اور جیون جیون زمانہ گزرتا گیا روزافزون ترقی ہوتی گئی۔ لیکن مقامی تغیر سے اُسوقت تک روضے کے نام مین کوئی تغیر نہین ہوا۔

روضے کے مقامی تغیرات پر نظر کرتے ہوئے یہ آبادی اگرچہ حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے کارنامون مین داخل ہونے کے قابل ہے۔ لیکن اس کے بانی مبانی چونکہ منتجب الدین صاحب خیال کئے جاتے ہین لہذا یہ دوسرا دیباچہ بھی منتجب الدین صاحب کے کارنامون مین شمار کیا جاتا ہے۔

باغ روضہ

تاریخ فرشتہ کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ منتجب الدین صاحب کے روضے (گنبد) کے اطراف کی زمین نظام شاہیون کے عہد سلطنت مین (باغ روضے) سے شہرت پائی ہے کیونکہ محمد قاسم نے نظام شاہیون کے اکثر تاجدارون کے مزار باغ روضے مین بنائے اگرچہ اسوقت باغ کے کچھہ نشان پائے نہین جاتے لیکن نظام الملک بحری اور آنکسخان باغ روضے کی پوری شہادت دیتے ہین نظام الملک بحری اور آنکسخان کے اور بھی گنبد اور مزارات نظام شاہیون کے ابھی قایم ہین لیکن

عدم معلومات سے ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ فلان امیدار کا گنبد ہے اور یہ فلان کا مزار ہے نظام الملک بحری کا گنبد عام وخاص مین مشہور ہے اور آلکسخان کے گنبد کی جو ہمنے نشاندہی کی ہے وہ اُسکے کتبے سے کی ہے یہ تمام امور جنکا اوپر ذکر ہوا ہے وہ صرف روضے کی وجہ تسمیہ سے تعلق رکھتے ہین اب آخر مین خلد آباد کی حقیقت کو چند سطرون مین لکھتے ہین ۔

وجہ تسمیہ خلد آباد

تاریخ ماثر الامرا مین حمید الدین خان پسر سردار خان نبیرہ باقیخان کے ذکر مین لکھا ہے کہ جب شاہ محمد محی الدین اورنگ زیب غازی انار اللہ برہانہ نے احمد نگر مین (۲۸) ذیقعدہ سنہ ۱۱۱۸ ہجری جمعہ کی صبح پچاس برس دو ماہ اٹھائیس روز سلطنت کرکے (۹۱) برس (۱۳) روز کی عمر مین دنیا سے کوچ کیا۔ تو ارکان سلطنت نے نعش کو کفنا کے اُس روز خوابگاہ مین محفوظ رکھا۔ دوسرے روز شاہزادہ محمد اعظم شاہ بہادر کہ صوبۂ مالوہ پر جا رہا تھا اس خبر کو سنکر (۲۵) کوس لشکر سے واپس آیا اور مراسم تعزیت کے بعد مشایعت امر النعش کو کندھے پر رکھکر ایوان عدالت سے باہر لاکر روضۂ مقدسہ کو کہ اورنگ آباد سے (۸) کوس اور دولت آباد سے تین کوس ہے روانہ کیا۔

مرحوم ومغفور وصیت[1] کے بموجب حضرت سید زین الدین صاحب کے مقبرے کے صحن مین دفن کئے گئے اور خلد مکان سے ملقب ہوئے اور اُسیوقت سے روضہ خلد آباد موسوم ہوا۔

---

[1] صاحب ماثر الامرا نے اس کے سوا کہ اورنگ زیب کو وصیت کے موافق روضہ مین دفن کیا کوئی وصیت نہین لکھی ہے ۔

روضہ یا خلد آباد کی طبعی حالت

سرکار نظام خلد اللہ ملکہ وغیرہ کی عملداری انتظاماً پانچ حصون پر منقسم ہے ان مین سے چار حصہ صوبے کے نام سے مشہور ہین جو شمالی اور شرقی - جنوبی اور غربی کہلاتے ہین پانچوان حصہ عملداری سرپور تانڈور کہلاتا ہے غربی صوبے مین اورنگ آباد ہے اورنگ آباد بہر اعتبار سے ممالک محروسہ مین حیدر آباد کے بعد ہے - اورنگ آباد مین چار ضلع ہین خاص اورنگ آباد - بیڑ - پربھنی - ناندیڑ -

ضلع اورنگ آباد مین (۸) تعلقات دیوانی[1] اور (۲) تعلقے صرفخاص[2] کے ہین جنمین روضہ یا خلد آباد تعلقہ صرفخاص ہے -

خلد آباد کی مردم شماری سنہ ۱۳۱۱ فصلی مطابق سنہ ۱۳۱۰ ہجری (۳۴۸۲) ہے غیر آباد مکانون کو سوا (۵۴۶) مکان آباد ہین - آباد مکانون مین درگاہجات اور مساجد اور بنگلہجات سرکاری اور بیرون فصیل کے دو محلے موسومہ کنبیالی خورد اور کنبیالی کلان بھی داخل ہین -

خلد آباد کی زیادہ تر آبادی خدامون کی ہے - خدامون کی تقسیم تین طرح پر ہے - خدام درگاہ حد کلان - خدام درگاہ حد خورد - خدام درگاہ گنجروان -

خدام درگاہ حد کلان وہ ہین جنکو حضرت **منتجب الدین** صاحب زرزری بخش اور خواجہ حضرت **برہان الدین اولیا** صاحب کی درگاہ سے نذر و نیاز کا حصہ ملتا ہے

---

[1] دیوانی وہ تعلقات ہین جو حضور نظام کے دیوان یعنی مدار المہام یا وزیر اعظم کے زیر انتظام ہین -

[2] صرف خاص وہ تعلقات ہین جنکا انتظام بذریعہ ایک معتمد خود بنفس نفیس حضور نظام فرماتے ہین اور اوسکی آمدنی صرف خاص ہوتی ہے -

شمار مین وہ سب (۷۰۰) سے کچھ زاید ہین۔

خدام حد خورد وہ ہین جنکو حضرت سید زین الدین صاحب قدس سرہ کی درگاہ سے تعلق ہے تخمیناً وہ (۴۰۰) سے دو ایک کم یا زاید ہونگے۔

خدام درگاہ گنجروان وہ ہین جنکو حضرت جلال الدین صاحب سہروردی سے واسطہ ہے انکی تعداد بھی (۱۵۰) کے قریب ہے۔

درگاہ حد کلان اور حد خورد کے مصارف کے لیئے چند گانون قدیم سے جاگیر ہین۔ بعد خرچ درگاہ و ادائے مالگزاری سرکار دو حصے خدامان حد کلان اور ایک حصہ خدامان حد خورد کو ملتا ہے۔

حضرت جلال الدین صاحب سہروردی کی درگاہ کے اخراجات کے لیئے بھی دو موضع موسوم سوفی سیجن اور نادر آباد ہین جنکی بچت بعد اخراجات درگاہ اور ادائے اقساط سرکاری خدام آپس مین تقسیم کر لیتے ہین۔

تقسیم درگاہجات اور جاگیرات کے لحاظ سے ہر سہ درگاہ کے خدام علیحدہ علیحدہ تصور کیئے جاتے ہین۔ لیکن قرابتاً وہ سب ایک ہین یگانگت کا سلسلہ ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔

محلات۔ کنبیالی خورد اور کنبیالی کلان فصیل کے باہر اور (۱۶) محلے قصبے کے اندر ہین۔ اعظم شاہی پورہ۔ بڑکی آلی۔ قصاب واڑہ۔ ٹکارواڑی۔ موس واڑہ۔ بمبھن واڑی۔ (برہمن واڑی) النگ۔ گٹھرون والا محلہ۔ چھوٹی باولی۔ حمال واڑی۔ پٹیلونکا محلہ پرانی کچہری۔ بازار۔ گنج۔ قاضی پورہ۔ کمان۔

اعظم شاہی پورہ۔ قاضی پورہ۔ بمبھن واڑی بالکل ویران۔ صرف ایک ایک دو دو مکان

ہین۔ اعظم شاہی پورہ مین ایک مسجد حافظ محمد حسین صاحب کے جد حافظ مینا کی یادگار ہے باقی اور محلے بدرجہ اوسط البتہ پکی گلی اور بازار خوب آباد ہین۔

اقوام

خدامون کے سوا دوسری قومین یہ ہین۔ مسلمان پٹیل۔ چاؤش۔ باغبان۔ مومن چھپری ساز۔ نقارچی۔ تاشہ نواز۔ آتشباز۔ بزقصاب گاؤ قصاب۔ باورچی۔ مسلمان بڑہئی۔ فقیر۔ نداف۔ معمار۔ مسلمان حجام۔

برہمن۔ حلوائی۔ رنگریز۔ مارواڑی۔ لہار۔ سُنار۔ درزی۔ لاڑ (بقال) کنبی (زراعت پیشہ ہندو) سالی۔ تیلی۔ کمہار۔ بھیل۔ ہندو حجام۔ دہوبی۔ ڈھور۔ چمار۔ دھیڈ مانگ۔ خاکروب۔

ملازم[1] پیشہ لوگ بھی قصبے مین رہتے ہین۔ دو تین گھر شاہ عالمگیر کے چوبدارون کے اور ایک گھر بوہرے[2] کا ہے۔

بلحاظ آبادی ضروری پیشہ ورون کی تعداد کم ہے۔ مسلمانون مین ایک ہی گھر حجام کا ہے علی ہذا مہتر بھی کنہیا ہے۔ ان دونون کی کمی چندان تکلیف دہ نہین ہے مصیبت یہ ہے کہ مہربان دھوبی بھی فرد مین اپنا ثانی نہین رکھتے۔

عمارات اور باغات

درگاہجات اور بنگلجات سرکاری کے سوا خلد آباد کے مشہور باغات مین۔ باغ منعم۔

---

[1] ملازم پیشہ وہ لوگ ہین جو تحصیل۔ تہانہ۔ مدرسہ وغیرہ مین ملازم ہین۔ [2] یہ قوم اہل التشیع سے ہے شمالی ہند مین خال خال اور گجرات احمد آباد مین کثرت سے ہین۔

باغ بنی بیگم - لال باغ (مقبرہ خان جہان) اور عمارات مین سرا (کٹرہ) حویلی خان بہادر ہین -

باغات

باغ منعم

پانگرے دروازے سے باہر شمال طرف منعم کا باغ ہے اُس مین چند قبرین اور ایک مسجد کے سوا کوئی عمارت نہین ہے - چار دیواری کے ہر چہار گوشون پر ایک ایک حجرہ اور ہر حجرے پر ایک ایک برج ہے - باغ کا دروازہ شرق رویہ ہے دروازے پر کتبہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باغ کے اندر رحمان قلی کی قبر ہے -

کتبہ بر دروازۂ باغ منعم

یارب چو رحمان قلی خان برحمت تو پیوست از خرد تاریخ او فردوس منزلش شد ۱۰۸۱

دروازے کے دونون طرف پانچ پانچ حجرے ہین - باغ ویران ہے قدرتی شریفے کے خود رو درختون سے آباد ہے - باغ کا متعلقہ مکان جو جنوب طرف ہے عرصہ دراز سے ویران تھا حضرت سید میران شاہ صاحب قادری کے بابرکت قدوم سے آباد ہو گیا ہے -

باغ بنی بیگم

باغ بنی بیگم نہایت خوشنما اور قطعدار ہے - تالاب حوض خاص اِسکے جنوب طرف اور گوشہ غرب اور شمال مین دہرم تالاب ہے - فی الحال انہین تالابون سے اِسکی سیرابی ہوتی ہے - پہلے نہر خاکسار سے ہوا کرتی تھی وسط باغ مین جہان بانو بیگم المشہور بہ بنی بیگم شاہزادہ محمد بیدار بخت فرزند کلان شاہزادۂ اعظم شاہ کی بیوی کی قبر ہے - بیگم مرحومہ کی قبر گویا ایک مُربع حوض مین بنی ہوئی ہے قبر اور اوس کے چبوترے کے سوا اس فرضی حوض کا کل فرش سنگ سُرخ کا ہے قبر کے چبوترے سے

گز ڈیڑھ گز کے فاصلے پر ہر چہار طرف چھوٹی چھوٹی کیاریان بیضاوی مدور شکل کی پھولدار درخت لگانے کے لیئے بنائی گئی ہین اور انہین کیاریون کے وسط مین ایک حوض بھی کیاریون جیسا ہے اور ہر حوض مین پانی کا نل لگا ہوا ہے جسکا خزانہ قبر کی چار دیواری سے باہر پچھم طرف ہے۔

چار دیواری کی سنگ سُرخ کی محرابین اور قبر کے چبوترے کا سنگ مرمر۔ صوبۂ اورنگ آباد کے کسی سابق صوبیدار کے زمانے مین خدا جانے کیا مصلحت سمجھکر اوکھاڑ لیا گیا ہے۔ صرف قبر کا تعویذ چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ غنیمت ہوا کہ چبوترے کا سنگ مرمر نکالکر اوسپر چونے کی استرکاری کردی گئی۔ محرابین جو نکالی گئی ہین اوس کے نشان اب تک ہین۔

مقبرے کے سوا اِس باغ کا سنگ سُرخ جہانتک نکل سکا اکثر جگہہ سے نکال لیا ہے جس سے عمارت کی خوبی اور استحکام مین بڑا فرق ہوگیا ہے غضب یہ ہوا کہ باغ کی متعلقہ مسجد کے سامنے جو حوض ہے اوسکا پتھر بھی بڑی بے رحمی اور سنگدلی سے اوکھیڑا گیا ہے۔

چو کُفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مُسلمانی

مقبرے کی چار دیواری سنگ سُرخ کی محرابون ہی سے محدود نہ تھی۔ اوسکے ہر چہار طرف وسط مین شہ نشین لدادی ہین۔ شہ نشینون کا لداؤ اور استحکام اِس زمانے کے اون کاریگرون کی جنکو اپنی صناعی پر دعویٰ ہے۔ متحیر اور سر بگریبان کرتا ہے۔

اِس مختصر مقبرے مین بعض بعض صناعیان بلاشک ہر شخص کو نقش بدیوار بنانیوالی ہین۔ ہر چہار شہ نشینون کے فرش کے نیچے پانی نکلنے کا جو راستہ بنایا گیا ہے

حیرت انگیز ہے چارون شہ نشینون کے نیچے مختصر سے خوبصورت سنگ سُرخ کے سہ درے ہین۔ مقبرے کا دروازہ جنوب طرف ہے مسجد متعلقہ باغ مقبرے سے پچھم طرف بہت خوبصورت تین درجے پانچ محرابون کی ہے۔ صحن مسجد (حوض) کے جنوب طرف چند قبرین ہین اور اسی مقام پر باغ کے پچھم کیطرف دیوار مین ایک برآمدہ ہے برآمدے کا بھی سنگ سُرخ ندارد ہے۔ باغ کی شرقی حد مین مسجد کے مقابل اور جواب مین ایک مکان تین درجے کا تھا۔ اگلا درجہ میرے سامنے گر گیا پچھلے دو باقی ہین۔

پچھلے درجے کی چھت پر پانی کا خزانہ ہے۔ خزانے کی دیوار دو گز کے قریب بلند ہوگی۔ اس خزانے کے استحکام مین بہت کوشش کی گئی ہوگی۔ کیونکہ برسون گزرنے پر اسوقت تک اسمین کوئی دراز یا جوڑ کھلا معلوم نہین ہوتا۔

خزانے مین (۲۲) نل ہین انھین سے کیاریون اور حوضون وغیرہ مین پانی پہونچایا جاتا تھا۔ اسکا نظارہ تو اوسیوقت خوب بھلا معلوم ہوتا ہوگا جسوقت یہ نہر خاکسار سے بھرا رہتا ہوگا۔

باغ کے شمال عالیشان دروازہ دو منزلہ ہے اور جنوب اسکے جواب مین دو درجے کی عمارت ہے جسکے پچھلے درجے مین دو حجرے ہین۔

باغ کے ہر چہار گوشون مین ایک ایک حجرہ اور ہر حجرے کے سامنے سہ درہ اور اوپر ایک ایک برج ہے۔ گوشہ جنوب اور شرق کا برج گر گیا ہے اور گوشہ شمال اور غرب کے حجرے سے بذریعہ چرخ دہرم تالاب سے پانی لیا جاتا ہے۔

ہر چہار حجرون کے دونون طرف اور بڑے دروازے کے ادہر اودہر اور جنوبی عمارت

کے پچھم ایک ایک زینہ فصیل اور عمارت پر جانے کیواسطے ہے۔ اور جنوبی ہی عمارت کے باہر دونون طرف دو حجرے ہین پچھم والا حجرہ پاخانہ اور پورب والا باورچیخانہ ہے مسجد۔ اور شرقی اور جنوبی حدود کی عمارتون کے سامنے ایک ایک حوض ہے جو فی الحال بند کردیے گئے ہین۔

شمالی دروازے کے سوا باقی سمتون مین باہر جانے کیلئے چھوٹے چھوٹے تین دروازے ہین۔ دکن والا دروازہ باورچیخانے کے حجرے سے نکالا گیا ہے باغ کی فصیل ابتک مضبوط ہے۔ احاطے باغ مین (۲۰) کیاریان ہین مقبرے سے تہوڑی فاصلے پر ہر چہار گوشون پر ایک ایک چبوترہ ہے۔

مدت سے یہ باغ ویران تھا۔ مولوی سخاوت حسین صاحب متوطن امروہہ سابق تحصیلدار خلدآباد کے زمانے سے آبادی کیطرف توجہ کیگئی ہے۔ کیلے۔ نارنگی۔ لیمو۔ سنگترے انجیر۔ قلمی آم۔ رنڈ خربوزہ۔ انار۔ امرود۔ سرو۔ اور نیز بہت سے جنگلی اور باغی درختون سے آباد ہوگیا ہے۔ ماہانہ مصارف تنتیس ۳۳ روپیہ منظور ہین لیکن اندازاً اونیس ۱۹ بیس ۲۰ روپیہ خرچ ہوتے ہین آمدنی اور خرچ مین تھوڑا ہی فرق ہے۔

میر امجد علی صاحب داروغہ صفائی کی نگرانی سے روز بروز آبادی اور آمدنی ترقی کرتی جاتی ہے۔

مذکورہ باغ کی پشت پر جانب جنوب لب حوض ایک سہ درہ چار دیواری سمیت نہایت خوشنما اور اوسکی پشت پر نشستگاہ ہے۔ حوض خاص کے لبریز ہونے پر بیچاری مکین کو بہت لطف آتا ہوگا۔ حوض خاص سے پچھم کھڑکی سے باہر باغ کے اور چند قطعات ہین۔ ان قطعات کی چار دیواری کہین کہین سے ڈھا گئی ہین۔ اگلے قطعے مین ایک حوض

ہے باقی اور قطعات مین بہت سی قبرین ہین ایک قطعے کی قبر کسی شاہزادی کی مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔ ان قطعات کی پشت پر سید معظم شاہ (شاہ عالمگیر کے زمانے مین باکمال درویش تھے) کی قبر ہے۔ ریشم باولی یہان سے قریب ہے۔ اور اوس کے پچھم کئی پختہ چار دیواریان اور جنوب ایک مسجد شاہ صادق صاحب کی ہے جسپر یہ دو شعر جلی حرفون مین کندہ ہین۔ غالباً یہ وہی صادق شاہ ہونگے جنہون نے منگل پیٹ دروازے کے سامنے تخمیناً ڈہائی تین سو گز کے فاصلے پر باولی بنوائی ہے۔

کتبہ مسجد متصل ریشم باولی

نیت صادقی چنین مسجد　ساخت بہر ثواب بر سر راہ
یافت تاریخ از خرد فی الحال　کرد صادق صفائی بیت اللہ

ان اشعار کے کنارے دو طرف باریک حرفون مین تھوڑی سی عبارت اور بھی کندہ ہے پڑھی نہین جاتی۔

مقبرہ خان جہان معروف بہ لال باغ

فرامین شاہی مین مینے لال باغ کو خان جہان کا مقبرہ لکھا ہوا دیکھا ہے بعض لوگ اسکو شہنشاہ اورنگ زیب کے کوکا کا مقبرہ سمجھتے ہین۔ لال باغ کے تین حصے ہر سہ حصے کا رقبہ بی بیگم صاحبہ کے باغ سے بظاہر زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

پہلا حصہ پستی مین ہے۔ ہر چہار طرف مختصر سی عمارت اور بیچ مین حوض مربع اور مربع حوض کے چارون سمت ایک ایک حوض مستطیل ہے اور ان سب مین متعدد نل ہین چار دیواری کے چارون کونون پر حجرے اور ہر حجرے پر برج ہے گوشہ غرب اور جنوب کے حجرے مین ایک دروازہ ہے جسکے قریب ہی حوض خاص کی باولی ہے

اِس حصے کی سیرابی نہر خاکسار صاحب کے علاوہ باولی مذکور سے ہوا کرتی ہوگی باغ کی سیرابی ہی کیلئے یہ دروازہ رکھا گیا ہے۔ جس نالی کے ذریعہ سے پانی باغ مین آتا تھا اوسکا نشان اب تک باقی ہے۔ اس حجرے کا برج گر گیا ہے۔

باغ کی شمالی حد مین عمارت کے دونون طرف زینے دوسرے حصے مین جانے کے لئے ہین باقی گوشہ شمال اور شرق کے حجرے اور صدر دروازے کے (جو پورب طرف ہے) دونون طرف دو زینے ہین۔ صدر دروازے پر اوسی زمانے کا رنگ نیلا و پیلا بہت پختہ کہین کہین اب تک جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ باغ کی حیثیت سے دروازہ چھوٹا ہے دوسرے حصے مین خان جہان کا مقبرہ اور ایک شکستہ مسجد ہے شمال مین ایک دروازہ شرق مین برآمدہ اور مسجد کے قریب غرب مین دوسرا دروازہ ہے تیسرے حصے مین اسی سے جاتے ہین۔

تیسرے حصے مین ایک گنبد اور ایک مسجد ہے۔ گنبد مین میر دلاور علی میر تقی اور میر نقی کے قبور ہین۔ اسی حصے کی مغربی دیوار کے پائے مین باہر طرف مولانا رکن الدین مجدالدین۔ برہان الدین پسران عمادالدین صاحب کے مزارات ہین اور اوسی کے قریب عمادالدین صاحب کے چوتھے صاحبزادے حمادالدین[ل] صاحب کا گنبد ہے برہان الدین کے سوا تینون بھائی صاحب تصنیف گذرے ہین۔ مولانا عمادالدین صاحب کے اہلبیت حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے مُرید اور ہر چہار فرزند رشید سید زین الدین صاحب کے لایق شاگردون مین تھے۔

حصے مذکورہ کی جنوبی دیوار مین ایک دروازہ اور ایک برآمدہ اور شمال طرف ایک

[ل] ان کا عرس ۱۳ صفر کو ہوتا ہے۔

قطعے مین دو دالان ایک دوسرے کے مقابل شرقاً وغرباً ہین جسمین ایک حجرہ ہے لال باغ کے متعلق پہلے حصے سے پورب شاہراہ عام پر ایک باغ اور بھی ہے جسکے دو طرف کی چار دیواری گر گئی ہے۔ درمیان مین گنبد ہے۔

لال باغ کے تمام قطعے ویران تھے۔ اب زراعت ہونے لگی ہے مرزا کریم بیگ صاحب کے بیٹون کا ان پر قبضہ ہے مقبرۂ خان جہان کے متعلق تھوڑی زمین موضع پلسواڑی مین ہے جسپر مرزا صاحب مرحوم کے لڑکے قابض ودخیل ہین لال باغ کے پہلے ہی حصے کے جنوب نقار خانے دروازے سے قریب دو پختہ اور شکستہ چار دیواریان ہین۔ شمالی چار دیواری مین ایک گنبد اور ایک مسجد بالکل شکست اور جنوبی مین دو گنبد ہین۔ محمد انور صاحب چوبدار شاہ عالمگیر کے بیان سے معلوم ہوا کہ ان گنبدون کیلئے بھی اراضی کے چند قطعات انعام ہین۔

عمارات

سرا معروف بہ کٹرہ

قدیم عمارتون مین سرا یعنی کٹرہ نہایت شاندار عمارت ہے۔ لیکن شکست ہو چلی ہے اس کی آبادی اور مرمت مقتدر حکامون کی توجہ پر منحصر ہے۔

سرا کے اندر ہر چہار طرف متعدد حجرے ہین وسط مین ایک حوض ہے جو اپنی تشنہ دہانی پر رو رہا ہے مغربی حجرون کے وسط مین ایک مسجد اور اوسی کے جواب مین شرقی حجرون کے درمیان دو درچے کا سہ درہ اور شمالاً وجنوباً دو دروازے ہین شمالی دروازے کی دونون طرف زینے اور زینون کے ادہر ادہر تھوڑا آگے ہٹکر چار چار حجرے ہین۔ شمالی دروازے پر سرا کی تاریخ ابھرے ہوئے حرفون مین کندہ ہے جسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اورنگ زیب غازی کی وفات کے بعد تیار ہوئی ہے اور

خدمتگار خان نے بنوائی تھی۔ پتھر کی خامی سے تاریخ کے (۷) اشعار مین چوتھا شعر پورا اور آخر شعر کا مادہ تاریخ اوڑ گیا۔ جس سے ہم نہین کہہ سکتے کہ یہ سرا کس سنہ مین تیار ہوئی بقیہ کتبہ یہ ہے۔

تاریخ سرا (کٹھرہ)

نذر درگاہ شہ مغفور حق	شاہ عالمگیر علیین مقام
ساخت خدمتگار خان این کٹھرا	تا ازان فیضے بود ہر خاص و عام
وقف کردہ حاصلش در راہِ حق	تا بود این دارِ فانی را قیام
.... شکست و ریختش	....
بر فقیران و غریبان جہان	ہم یتامی و مساکین انام
یا الٰہی ہمچو حسنِ فیض تو	ساز مقبولش بحسنِ اختتام
سال تاریخ بنایش گفت عقل	....

حویلی خان بہادر

حویلی خان بہادر وسعت مین باغ بی بیگم صاحبہ اور خان جہان (لال باغ) کے مقبرہ سے کم اور وقتاً فوقتاً شکست و ریخت ہونے سے درست ہے۔ شرقاً و غرباً دو حصے ہین۔ شرقی حصے مین تحصیل اور غربی مین بلغور کچہری ہے۔

بلغور والے حصے کا عرض و طول تحصیل والے حصے سے زائد ہے اِس زیادتی کے علاوہ اوسکے دوسرے احاطے مین ایک باولی ایک حوض اور ایک مسجد ہے۔ یہ مسجد نہایت خوبصورت چھوٹی سی ہے۔ اِدہر اُدہر دو حجرے ہین صحن مسجد کے شمال و جنوب لنگر خانے کے مکان ہین۔ محمد صادق علیخان صاحب امین بلغور کیوجہ سے مسجد کی صفائی۔ فرش اور پانی وغیرہ کا انتظام خوب رہتا ہے۔

حاجی ولی[1] محمد صاحب مہاجر جب تک اس مین رہے خوب آباد رہی۔

محکمہ جات

قصبۂ ہذا مین سردست تحصیل۔ امین کچہری۔ تھانہ۔ ٹپہ خانہ۔ (ڈاکخانہ) بلغور اور مدرسہ ہے۔

تحصیل کے متعلق (۳۴) گانون خالصہ اور (۹) گانون جاگیر کے ہین خالصہ مواضعات مین چار موضع بے چراغ[2] ہین۔ خالصہ مواضعات کی مالگزاری سرکاری تینتالیس ہزار سے کچھ زاید ہے تحصیل کے مواضعات بے ترتیب واقع ہوئے ہین قابل ترمیم ہین۔

امین کچہری سرا کے باہر شمالی دروازے کے شرقی حجرون مین ہے۔ افسر سررشتہ انسپکٹر (امین) ایک تھانیدار۔ ایک دفعدار۔ ایک محرر۔ (۱۲) جوان ہین۔

تعلقہ خلدآباد مین دو تھانہ ہین۔ خلدآباد خاص۔ جڑ گانون۔ تھانہ خلدآباد لنگر کے ملّا کے دروازے مین ہے۔ ایک تھانیدار۔ ایک دفعدار۔ ایک نویسندہ۔ ۱۲ جوان ہین۔ خلدآباد مین عرصہ سے ٹپہ[3] خانہ (ڈاکخانہ) قایم ہے۔ موجودہ حالت مین ایک

---

[1] حاجی صاحب درگاہ حد کلان کے خادم۔ اوقات کے پابند۔ شب بیدار قایم اللیل اور اکثر صایم الدہر رہتے ہین۔ خلدآباد مین ان کی ذات مغتنمات سے تھی۔

[2] اون مواضعات کا نام ہے جو کسی وقت آباد تھے اب ویران ہین۔

[3] یون تو ہر سررشتہ ٹپہ خانجات سرکار عالی بلحاظ اپنے کام کے برا نہ تھا لیکن جناب محمد صدیق صاحب مددگار نظامت کی منصرمی کے زمانہ مین بہت کچھ اصلاح ہوگئی ہے۔

متصدی۔ دو ہرکارے۔ دو خطوط رساں ہین۔ لعہ کے قریب خرچ ماہانہ ہے۔

بلغور

اس سے پہلے کہ ہم بلغور کے اجمالی واقعات لکھین اسقدر بیان کرنا ضرور ہے کہ شاہ عالمگیر (خلد مکان) نواب آصفجاہ (نواب مغفرت مآب) اور نواب ناصر جنگ شہید کے مزارات ہر سہ مقبرے کے نام سے مشہور ہین اور ان کے اخراجات مشمول ہوتے رہتے ہین۔

بلغور لفظ ترکی بروزن پُرزور۔ اس کے معنے گیہون اور جو کا دلیا جسکو پکا کر کھاتے ہین شاہ اورنگ زیب کا لنگر یہین سے دل پسا کر غربا کو تقسیم ہوتا ہے اسی مناسبت سے اسکا نام بلغور رکھا گیا ہے افسر سررشتہ امین صاحب۔ معہ عمال ہین بخشی۔ مشرف اور ایک جائزہ نویس۔ باقی ملازم فہرست ذیل سے معلوم ہونگے۔

فہرست ملازمان بلغور

خدمت	تعداد ملازم	ماہوار	کیفیت
حفاظ وصلوۃ خوان	۴۰	مالعہ	ہر سہ مقبرون پر روزانہ قرآن پاک ختم کرتے ہین مسجد چہار دہ صد اولیا مین ہر پنجشنبہ کو حفاظون کی شرکت ضرور ہے۔ صلوۃ خوانی کی خدمت علیحدہ ہے لیکن ماہوار مالعہ مین داخل ہے۔
دعاگو	۸	لعہ	رئیس کی سلامتی اور ریاست قایم رہنے کی دعا کرتے رہتے ہین۔
فراش	۳	لدعہ	ہر سہ مقبرے کی جاروبی کرتے ہین۔
آبدار	۱	عہ	اسکا تعلق خاص خلد مکان سے ہے۔

خدمت	تعداد ملازم	ماہوار	کیفیت
چوبدار	۴	[illegible]	اس کا تعلق خاص خلد مکان سے ہے۔
حوالدار	۱	ــ	ہر سہ مقبرے کی روشنی متعلق ہے۔
گلفروش	۴	[illegible]	ہر سہ مقبرے سے تعلق ہے۔
اگربتی والا	۱		
موم بتی والا	۱		
دربان	۳	[illegible]	قصبے کی فصیل کے دروازے بند کرنیکا کام سپرد تھا۔
نقارچی	۴	[illegible]	
داروغہ	۱		
گھنٹہ نواز	۳		
جوانان کوٹھہ	۵	[illegible] ۱۰؍	کوٹھے کی حفاظت متعلق ہے۔
وغیرہ	۱		
جوانان پہرہ	۵	[illegible] ۱۰؍	
جمعدار	۱		
ملازمان لنگر			
داروغہ	۳	[illegible]	
باورچی	۲		
بہشتی	۱		
ہیزم کش	۲		

متفرقات

خدمت	تعداد ملازم	ماہوار	کیفیت
سینگ نواز	ا	عـعـہ	ان ملازمین کو کبھی کبھی کام پڑتا ہے - اعراس مین البتہ زیادہ ضرورت ہوتی ہے -
تاشہ نواز	ا	عـعـہ	
دفنواز	ا	۸ر	
نلکار	ا	للعہ	
خاکروب	ا	عـعـہ	

روزانہ لنگر

لنگر کا روزانہ غلہ ایک من اٹھتیس سیر تین چھٹانک مقرر ہے کچھ خشک اور باقی پک کر تقسیم ہوتا ہی روزانہ معمولی لنگر کے علاوہ ماہ صیام مین ساڑھے بائیس سیر اور عشرہ شریف مین ساڑھے دس سیر زیادہ پکتا ہے - اور یہ لنگر ایک روز شیرین اور ایک روز نمکین ہوتا ہے نمکین لنگر مین گوشت بھی ڈالا جاتا ہے - ہر سہ مقبرون کے علاوہ حضرت منتجب الدین خواجہ برہان الدین - سید زین الدین صاحبان کے اعراس پر پچیس پچیس روپئے کے تخمینے کی پخت بلغور ہی سے ہوا کرتی ہے - باقی خلد آباد کے دوسرے بزرگون کے عرسون پر شیرینی اور پھول وغیرہ کچہری موصوف سے جاتے ہین -

عیدین مین قاضی اور خطیب وغیرہ کا انعام اور ماہ صیام مین ختم تراویح پر حفاظون کا معمول - بعض مساجد کی صفائی - تیل بتی - خاص بلغور کی تعزیہ داری اور روشنی کے لیئے ایک خاص مقدار معین ہے - غرض کل ماہانہ خرچ ایکہزار سے کم ہے قحط مین جبکہ غلہ گران ہو جاتا ہے ایکہزار سے بڑھ جاتا ہے -

کچہری بلغور کا انتظام ہر نوع سے بظاہر بہتر پایا جاتا ہے - خدائے عزّ و جل اس ریاست

اور اُس کے رئیس کو دشمنون اور بدخواہون کے گزند سے محفوظ اور ہمیشہ قایم رکہے بہت کچہہ خیرات ہوتی ہے۔ مساکین اور صد ہا غربا (حضور نظام خلد اللہ عمرہ و دولتہ و سلطنتہ کے صدقے مین پرورش پاتے ہین اندرونی دفتری و انتظامی حالت کی نسبت تو ہم اسوجہہ سے کہ پوری واقفیت نہین ہے کچہہ کہہ نہین سکتے لیکن ظاہرا جہانتک دیکہا گیا کوئی امر بلغور مین قابل شکایت نظر نہین آیا صرف لنگرخانے کے ظروف جس مین لنگر پکتا ہے البتہ شکستہ ہوگئے ہین جنکے سبب سے لنگر ضایع ہوجاتا ہے۔ ہمکو امین صاحب بلغور اور بخشی صاحب کے حُسن انتظام سے اُمید ہے کہ ہماری اس تحریر پر[1] شکایت جلد رفع کرینگے اور شکستہ ظروف کی درستی کے لیئے دفتر معتمدی پیشی حضوری مین ضروری یادداشت پیش کرین گے۔ کچہری کا مکان حال مین ترمیم ہوا ہے۔ نواب عبد السلام خان صاحب سابق صوبیدار اورنگ آباد کے زمانہ سے منجانب سرکار حضرت منتجب الدین صاحب کے مزار پر جو صندل اور غلاف بچہایا جاتا ہے وہ بلغور ہی سے بڑے شان و شوکت سے جاتا ہے پولیس اور نظامت کی جمعیت حکامانِ ضلع اورنگ آباد کی شرکت امین صاحب بلغور اور بخشی صاحب کا انتظام اور خلقت کا اژدھام قابلِ دید ہوتا ہے۔

مدرسہ

۵ آبان سنہ ۱۲۹۶ فصلی مطابق ۲۶ ذالحجہ سنہ ۱۳۰۴ ہجری مین لورڈل کے نام سے مدرسہ افتتاح کیا گیا۔ ابتدائً اِس کے مصارف ماہانہ ایک سو چہہتر روپیہ تہے مدرّسون کی

---

[1] جس زمانہ مین مین بلغور کے واقعات قلمبند کر رہا تہا اوسوقت ظروف شکستہ تہے بعد کو درست کرائے گئے اور یہ بخشی صاحب کے حُسن انتظام کی بیّن دلیل ہے۔

تعداد بھی اسوقت سے زیادہ تھی - اُردو فارسی - مرہٹی درجون کے سوا ایک درجہ انگریزی کا بھی تھا - بلحاظ آبادی طلبا کی تعداد ہمیشہ کم اور خرچ زیادہ - ہا اسوجہ سے سنہ ۱۳۰۳ فصلی مطابق سنہ ۱۳۱۱ ہجری مین لوئر مڈل کے شکست کر دینے کی تحریک ہوئی - اگرچہ مجوزہ تحریک کا عمل سنہ ۱۳۰۳ فصلی ہی سے شروع کر دیا گیا تھا اور اپر پرائمری کی تعلیم جاری کر دی گئی تھی لیکن پوری پابندی بحکم صدر سنہ ۱۳۰۶ فصلی مطابق سنہ ۱۳۱۳ ہجری سے ہوئی مصارف ماہانہ مین بھی ترپن روپیہ کی کمی ہو گئی - اُسوقت سے ابتک ایک سو بائیس روپیہ ماہانہ خرچ ہوتے آئے ہین -

مدرسہ ہذا مین درجے وسطی اور فارسی صیغے مین چار - اور مرہٹی مین دو مدرس ہین طلبا کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب رہتی ہے -

خلد آباد کے مسلمان جن مین زیادہ تر خدام ہین مدرسے کی تعلیم کو چندان مفید اور پسند نہین کرتے اور چونکہ سبھون نے اپنی معاش کا ذریعہ قرآن خوانی پر رکھا ہے اسوجہ سے قرآن پاک کا حفظ اور ضبط کرنا لازمی خیال کر لیا ہے خلد آباد مین خانگی مکاتب کئی ایک تھے جن مین قرآن مجید کے سوا (وہ بھی بے قاعدہ) دوسری کوئی تعلیم نہین ہوتی تھی نور شاہ میان صاحب مرحوم کے مکتب مین البتہ چند لڑکے حافظ قران ہوئے باقی دوسرے مکتبون مین میرے سامنے کوئی حافظ نہین ہوا - اور اب تو جب سے مکتب اُٹھ گئے حافظ ہونا درکنار ناظرہ خوان بھی کم ہونے لگے ہین - مدرسے کی شکست و تقرر کے بعد صرف اِس خیال سے کہ یہان کے لوگ قرآن پاک کی تعلیم کو لازمی خیال کرتے ہین ایک درجہ قرارت کا بھی رکھا گیا تھا - لیکن افسوس کہ اسوقت تک کوئی طالب علم قرارت کی تعلیم کا خواہان نہوا -

اختیاری تعلیم (مدرسے کی تعلیم) اس سے بڑھی ہوئی ہے مگر ابتدائے تقرر سے جبکہ مڈل کا نام خلد آباد کے مدرسے کی تاریخ کے صفحے سے حرف غلط کی طرح چھین دیا گیا آج تک صرف دو لڑکے مڈل مین اور چند طلبا اپر پرائمری مین کامیاب ہو چکے ہین جو حکام بالا کے خیال مین صرف اسوجہ سے (کہ خلد آباد کے طلبا اور اُن کے ورثا انتہا کے کم شوق ہین) غنیمت سمجھے جاتے ہین۔ لیکن درحقیقت یہ اختیاری تعلیم بدرجہ غایت پستی مین ہے۔

از روئے مردم شماری سنہ ۱۳۲۱ فصلی مطابق سنہ ۱۳۲۹ ہجری خلد آباد کی مردم شماری۔ (۲۸۴۳) ہے۔ فیصدی (۷) طلبا کے حساب سے (۲۰۰) لڑکے مدرسے مین ضرور داخل ہونا چاہیئے۔ لیکن ہزار کوشش کیجائے ڈیڑھ سو سے زیادہ تعداد نہین بڑھتی۔

طلبا کی فیس معاف ہے۔ پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ تحریصی ہے۔ فیس کی معافی ماہانہ وظیفے کا ملنا اُسپر طلبا کی قلت اور بدشوقی کسقدر افسوس کے قابل ہے سنہ ۱۳۱۸ ہجری مین قصبے کی مردم شماری کا کام میرے سپرد تھا اور اُسی تجربے سے مین کہہ سکتا ہون کہ خلد آباد کے مسلمان لڑکون کی تعداد قریب قریب تین سو کے ہو گی لیکن ان مین فیصدی پچاس کو گانے بجانے کا کمبخت مرض ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ تعلیم کی طرف بالکل توجہ نہین کرتے روضۃ الاقطاب لکھتے وقت مجھے جسقدر یہان کے طلبا کی تعلیم پر افسوس ہوا کسی چیز پر نہین ہوا۔

مکان مدرسہ پانچ روپیہ ماہانہ کرایے سے ہے۔ فرش و فرنیچر[1] و کتب مستعملہ نہونے سے

---

[1] مدرسہ کے حالات کتاب مین درج کرتے وقت مذکورہ سامان بالکل نہ تھا۔ مُدت (باقی صفحہ آئندہ)

معلمین اور متعلمین دونون کو تکلیف ہے۔ ناظر صاحب ضلع کے ہمراہ مہتمم[۲] صاحب صوبہ سالانہ تنقیح کرتے رہتے ہین۔

روضہ (خلدآباد) اورنگ آباد سے گوشۂ غرب و شمال مین (۱۴) میل اور دولت آباد سے خاص شمال (۶) میل ہے۔

روضے کی آب و ہوا خوشگوار۔ دکن مین یہ قصبہ باعتبار لطافت آب و ہوا کوہ شملہ ہے

اہل قصبہ کا لباس و اخلاق۔

معمر لوگون مین دو ہی ایک صاحب باقی رہ گئے ہین۔ جنکا لباس پُرانی وضع کا ہے کلی دار لانبا چوڑا بہت گھیر کا چھینٹ پڑا ہوا انگرکھا۔ ڈھیلی مُہری کی ازار۔ سر پر عمامہ یا ناندیڑی وضع کا رومال اور پیرون مین سادی وضع کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹ ۔ درازکے بعد جناب ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب ناظم تعلیمات کی توجہ سے ضروری سامان ملگیا ہے۔ جسقدر کمی ہے۔ اُس کے ملنے کی اُمید قوی ہے۔ مدرسہ سرکاری بھی تعمیر ہو رہا ہے۔ مدرسین اور طلبائے مدرسہ خلدآباد کو ڈاکٹر صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے۔ صاحب ممدوح۔ رحمدل۔ غریب پرور۔ شریف الخاندان اور اعلےٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہین۔ ایشیائی اور مغربی علوم مین پوری دستگاہ رکھتے ہین۔ مغربی تعلیم مین جسقدر ڈگریان آپ نے حاصل کی ہین۔ ہندوستانیون مین کم کسی نے کی ہونگی۔ آپکے والد ضلع بیڑ کے اول تعلقدار اور اکثر اعزا ممالک محروسہ سرکار عالی مین اعلیٰ خدمتون پر ممتاز رہے ہین۔

[۲] سنہ ۱۳۰۴ فصلی سے جبکہ مؤلف کا تقرر مدرسہ خلدآباد مین ہوا۔ اسوقت تک کئی صاحب مہتمم ہوچکے ہین۔ فی الحال جناب مسٹر رامچندر صاحب بی۔ اے۔ اس خدمت کو بڑی مستعدی سے انجام دے رہے ہین۔ میرا جہانتک تجربہ ہے۔ صاحب مُعز۔ متدین۔ کارگُزار۔ محنتی۔ لایق ہین۔ اور اورنگ آباد کالج مین جبتک رہے۔ نمایان ترقی رہی۔

جوتیان ہوتی ہین۔

اب اسوقت بمبئی کے لوگون کا سا لباس زیادہ پہنا جاتا ہے۔ نیچا کرتا اسپر صدری ٹخنون تک پائجامہ سر پر عمامہ البتہ جوان اور نئے فیشن والے پتلون نما پاجامہ قمیص اسپر جاکٹ اور جاکٹ پر بے کلی کی شیروانی اور سر پر ایرانی یا ترکی ٹوپی اور بوٹ پہننے لگے ہین۔ بعضون نے شیروانی کے بدلے کوٹ پہننا شروع کیا ہے۔

عورتون کا لباس اچھا ہے۔ تنگ مہری کا پاجامہ۔ نیچا کرتہ اسپر دوپٹہ اور برقع پہنتی ہین۔ برقع تھوڑا اصلاح طلب ہے جو جدت اس مین پیدا کیگئی ہے اسکو دور کر دینی چاہیئے۔

ان لوگون کے طبایع مختلف (جو از روئے صانع باری تعالی ہونے چاہیئے) واقع ہوئے ہین۔ بعضے سر بر آوردہ متین۔ خلیق با مروت انسانیت کے جامے سے آراستہ ہین بہتون مین اگرچہ یہہ صفات نہین ہین تاہم غنیمت ہین۔ دو چار صاحب اس خوبی کے ہین کہ روضے مین بے مثل ہین۔ بخلاف اس کے ہمارے عنایت فرماؤن مین چند صاحب ایسے ہین جنکی طبعیتین تمام اہل روضے سے برعکس وضع ہوئی ہین۔ باعتبار اختلاف طبیعت ایسے لوگون کا ہونا کوئی تعجب خیز بات نہین ہے۔

حدود اربعہ

روضے کے شمال مین کوہ ست کنڈہ اور کوہ بھینسمال شرق مین موضع سرا اور کھڑلی اور موضع مو سالہ۔ جنوب مین نادر آباد۔ سولی بھنجن۔ غرب مین شاہ خاکسار صاحب کی درگاہ سے غارہائے ایلورہ تک پہاڑونکا سلسلہ چلا گیا ہے شاہ عالم بہادر نے قصبے کے گرد سنگی فصیل تعمیر کرائی۔ اسوقت جگہہ جگہہ سے شکست ہے۔

فصیل مین (۶) دروازے اور دو کھڑکیان ہین۔ دو دروازے جانب شمال۔ دو جانب

شرق۔ دو جانب جنوب ہین۔ جنوبی دروازون مین سے ایک کو نقار خانے کا دروازہ اور دوسرے کو منگل پیٹ کا دروازہ اور شرقی دروازون مین سے ایک کو لنگڑے مُلا کا دروازہ اور دوسرے کو کنبالی دروازہ اور شمالی دروازون سے ایک کو ہوڑہی دروازہ اور دوسرے کو پانگرہ دروازہ کہتے ہین۔ باقی دو کھڑکیان ایک جانب شمال پانگرے دروازہ سے پچھم اور دوسری جانب غرب متصل بالعوض خاص ہے۔ پانگرے دروازے سے شمال حصار سے باہر اندازاً ہزار بارہ سو گز کے فاصلے پر حضرت منتجب الدین صاحب زرزری زربخش کی درگاہ ہے۔

ذکر حضرت شیخ منتجب الدین صاحب قدس سرہٗ

شیخ منتجب الدین کا سلسلہ نسبی (۱۱) واسطے سے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ تک اور شجرۂ مشیخت (۲۱) واسطے سے حضرت رسول کریم سید المرسلین تاج المحققین محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ تک حسب تفصیل ذیل ملتا ہے۔

سلسلۂ نسب	شجرۂ مشیخت
منتجب الدین۔ بن محمود۔ بن ناصر الہانسوی بن سلطان مظفر۔ بن سلطان ابراہیم۔ بن شیخ ابابکر۔ بن شیخ عبد الصمد۔ بن شیخ عبد الرشید بن شیخ عبد الصمد۔ بن عبد السلام۔ بن امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ۔	منتجب الدین۔ خواجہ نظام الدین اولیا رح۔ خواجہ فرید الدین گنجشکر رح۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح۔ خواجہ عثمان ہارونی رح۔ خواجہ حاجی شریف زندنی رح خواجہ مودود چشتی رح خواجہ ابو یوسف چشتی رح

خواجہ ابو محمد چشتی رح۔ خواجہ احمد ابدال چشتی رح۔

سلسلۂ نسب	شجرۂ مشیخت
صاحب عشق ربانی نے سلسلۂ نسبی (۱۴) واسطے سے لکھا ہے دس پشت تک سلسلہ مذکور کے موافق ہے لیکن گیارہوین پشت پر آبا ورثہ اور بارہوین پشت پر امام صاحب کا نام بتایا ہے۔ لیکن قول اول صحیح معلوم ہوتا ہے۔	خواجہ ابواسحاق چشتی رح۔ خواجہ علی دینوری رح خواجہ ہبیرۃ البصری رح۔ خواجہ حذیفۃ المرعشی رح۔ خواجہ سلطان ابراہیم ادہم بلخی رح۔ خواجہ فضیل عیاض رح خواجہ عبدالواحد بن زید رح۔ خواجہ حسن بصری رح۔ امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ رسول الثقلین امام القبلتین پیشوائے انبیا والاولیا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ اجمعین

شیخ محمود پدر بزرگوار حضرت منتجب الدین صاحب کے چار بیٹے۔ برہان الدین منتجب الدین عزیز قتال۔ ابوالفتح۔ اور پانچ بیٹیان۔ بی خدیجہ۔ بی عائشہ۔ بی مریم۔ بی آمنہ۔ بی حمیدہ تھین۔ ابوالفتح اور عزیز قتال کے سوا باقیون کے مزار خلد آباد مین ہین۔

ولادت

باتفاق مورخین حضرت منتجب الدین ۶۷۵ھ ہجری مین پیدا ہوئے۔ والدہ ماجدہ کا اسم گرامی بی ہاجرہ ہے منتجب الدین صاحب سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا صاحب کے اسبق خلفا اور مشاہیر اولیائے دکن سے ہین۔ لیکن غلام علی صاحب آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ صاحب معارج الولایت نے منتجب الدین صاحب کو خواجہ شیخ فرید گنجشکر رح کا مرید اور برہان الدین اولیا صاحب کا برادر کلان بتلایا ہے۔ چنانچہ آپ کی مدح مین اشعار ہذا درج کتاب کئے ہین ؎

منتجب شیخ زرزری زربخش ۔ گو شقیق کلان بود بشمار
از مریدانِ خواجہ گنجشکر ۔ کرد اول بدیوگیر قرار

اِس صفحہ کے متعلق حاشیہ صفحہ (۴۴) مین ملاحظہ ہو۔

خلعت زر ز غیب می آمد در صباح و رواح و لیل و نهار
شد از آن نام زر زری زر بخش می‌نمودش براہ خیر نثار
رخت زین تنگنای چون بربست بجز امید سوی دار قرار
خواجہ برہان سوی دکن آمد زندہ زو گشت سنت و آثار
شرح حسنش از ثنای او بعدی کے توان کرد وصف او تکرار

لیکن اتفاق اسپر ہے کہ آپ برہان الدین اولیا سے چھوٹے اور محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا صاحب کے مرید تھے۔ تاریخ فرشتہ چشتیہ بہشتیہ نسخہ عشق ربانی سے برہان الدین اولیا صاحب سے چھوٹا ہونا اور محبوب الٰہی صاحب کا مرید ہونا بوضاحت ثابت ہے۔ صاحب عشق ربانی نے اگرچہ منتجب الدین صاحب کے حالات نہایت اختصار سے لکھے ہین۔ لیکن اختصار بھی ایسے مفید پیرایہ مین کیا ہے کہ دوسرے تفصیلی نسخون مین آپ کے حالات کم ملتے ہین مصنف نے اس کتاب مین یہ التزام کیا ہے کہ جس کسی کا ذکر لکھا ہے۔ اسکا نام۔ نسب۔ لقب۔ سلسلہ پیران طریقت۔ سن ولادت اور وفات اور مدفن اور مختصر حالات بھی لکھدیا ہے۔ چنانچہ حضرت منتجب الدین صاحب کا سن ولادت (۶۷۵) ہجری اور سن وفات (۷۰۹) اور برہان الدین اولیا صاحب کا سن ولادت (۶۵۴) اور سن وفات (۷۳۸) ہجری بتلایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے

---

[1] عزیز قتال کا مزار دولت آباد مین ہے لیکن دولت آبادی ان کو حضرت راجو قتال حسینی پدر بزرگوار حضرت سید محمد بندہ نواز کے بھائی بتاتے ہین۔

[2] بعضون نے بی عایشہ کا نام بی سارہ اور بی مریم کو بی کریمہ لکھا ہے۔

[3] دیوگیر سے دولت آباد مراد ہے۔

([illegible] صفحہ ۴۴)

کہ حضرت منتجب الدین صاحب برہان الدین اولیا صاحب سے چھوٹے تھے ۔ ہمارے دیکھنے مین جسقدر تصانیف دونون حضرات کے حالات مین آئی ہین خزینۃ الاصفیا کے سوا سب کو اسپر اتفاق ہے کہ منتجب الدین صاحب برہان الدین اولیا صاحب سے چھوٹے اور محبوب آلہی نظام الدین اولیا صاحب کے مُرید تھے حضرت منتجب الدین صاحب کی طبیعت ابتدا ہی سے فقر پر مائل تھی اور کم سنی ہی مین ذکر و اشغال مین مشغول رہا کرتے تھے ۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء صاحب کی توجہ سے بہت سے مدارج فقر طے کئے ۔

خطاب زرزری زربخش

جب سلطان المشائخ نظام الدین اولیا صاحب نے منتجب الدین صاحب کی ریاضت اور مجاہدہ ملاحظہ فرمایا تمام خلفا سے پہلے خلافت نامہ مصلیٰ و عصا اور خلعت سے سرفراز فرماکر خلایق کے ارشاد کے لیئے کثیر جماعت سے دکن روانہ کیا ۔ آنحضرت کو

ملا محمد قاسم نے جماعت کی تعداد (۷۰۰) بتلائی ہے جنمین اکثر امراء پالکی نشین تھے ۔ تحقیق سے چند حضرات کے اسمائے گرامی دریافت ہوئے ۔ جنکو ہم ذیل مین درج کرتے ہین ۔

فہرست اُن حضرات کی جنکا آنا منتجب الدین صاحب کیساتھ مشہور ہے

نشان سلسلہ	نام	کیفیت
۱	خواجہ محمد صاحب	منتجب الدین صاحب کی قبر اور اُنکا مزار ایک گنبد مین ہے ۔ پیر بھائی تھے
۲	؍ شمس الدین ؍	؍ کے گنبد کے باہر شرقی دیوار سے ملی ہوئی قبر ہے حضرت کے بھانجے تھے
۳	؍ سراج الدین ؍	؍ کے ماموں تھے ۔ بھائی بہنون کا مزار ایک گنبد مین منتجب الدین صاحب کے گنبد سے پچھم مین ہے ۔
۴	سید کبیر صاحب	منتجب الدین صاحب کے اُستاد اول تھے ۔ سرائکی باؤلی کے پچھم قبر ہے ۔

وہان سے چلتے وقت جماعت کثیر کے ساتھ ہو لئے ست پر تردد ہوا کہ اسقدر آدمیونکا خرچ کہان سے چلیگا اور اسی فکر و اندیشے مین سلطان المشائخ کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کی کہ مجھکو ایسی قدرت اور استطاعت نہین ہے کہ ان سب کا کفیل ہو سکون سلطان المشائخ نے مراقبہ کرکے فرمایا کہ سب کا خرچ تہجد کی نماز کے وقت انشاء اللہ

نشان سلسلہ	نام	کیفیت
۵	صدر الدین بیگری	صدر الدین اور فخر الدین صاحب کے تبور درگاہ سے باہر شمال طرف لب سڑک بیگر کے درخت کے نیچے ہین۔
۶	فخر الدین 〃	
۷	ظہیر الدین 〃	نشان (۷) سے (۱۰) تک چارون حضرات کے مزار چہاردہ صد اولیاوالی مسجد مین ہین۔ اور یہ سب منتجب الدین صاحب کے پیر بھائی مشہور ہین
۸	حسام الدین 〃	
۹	بہاء الدین 〃	
۱۰	سراج الدین 〃	
۱۱	پیر بدر الدین غوالہی	منتجب الدین صاحب کے پیر بھائی تھے کوہ ہنوڑے کے دامن مین قبر ہے
۱۲	کمال الدین حبیب الخیرات	〃 〃 منڈی ٹیکری کے دامن مین شمال طرف مزار ہے۔
۱۳	پیر کبیر صاحب استاد دوم	کمان سے باہر لب سڑک پورب طرف بڑ کے درخت کے نیچے مزار ہے۔

ان کے علاوہ حضرت کی والدہ اور بہنین اور دولت شاہ درباری کا منتجب الدین صاحب کے ساتھ آنا مشہور رہے اور یون تو خدام صدہا قبورون کی نشاندہی کرتے ہین۔ اور گنبد کے پائین اور درگاہ کے دوسرے احاطے اور اطراف درگاہ کے بہت سے مزارات کی نسبت کہتے ہین کہ یہ سب حضرت کے ساتھیون کے مزار ہین۔ واللہ اعلم۔

پہونچ جایا کریگا۔ چنانچہ محمد قاسم صاحب فرشتہ لکھتے ہین کہ ہر شب تہجد کے وقت ایک ڈبہ سونے سے بھرا ہوا غیب سے ملتا تھا اور منتجب الدین صاحب صبح اُس کو بیچکر فقرا پر خرچ کرتے تھے۔ اِسوجہ سے زر زری زربخش خطاب ہوا غلام علی آزاد صاحب بحوالہ معارج الولایت روضۃ الاولیا مین تحریر کرتے ہین کہ جب حضرت منتجب الدین صاحب کا مجاہدہ اور ریاضت کمال درجے پر پہنچی اور محبوبیت کا مرتبہ حاصل ہوا تو صبح و شام دو خلعت زرین غیب سے ملتے تھے۔ حضرت اُسکو بیچکر فقرا پر صرف کرتے اور اُس مین سے اپنے اِستعمال مین کچھہ نہ لاتے تھے اِسوجہ سے زر زری زربخش خطاب ہوا۔ چنانچہ موسوی خان جرأت لکھتے ہین ؎

آن جوان مرد کہ در راہ خدا
زر بحبتا جان رساند زر زریست

ہمکو جسقدر سرمایہ اِس کتاب کی تالیف مین بہم ہوا اُن مین سے کسی کتاب مین آپکے تفصیلی واقعات پائے نہین گئے۔ اِسلیئے ہم نہین کہہ سکتے کہ منتجب الدین صاحب دہلی سے کب روانہ ہوئے روضے مین کب داخل ہوئے۔ درمیان مین کیا کیا واقعات پیش آئے۔

جب منتجب الدین صاحب سُلطان المشائخ سے رُخصت ہوکر ہند کے مختلف حصوں اور دشوار گزار مقامون کی سیر کرتے ہوئے اِس مقام پر (کہ جہان اب مزار ہے) پہنچے تو نفس کُشی اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے کو یہ ٹیکری ایسی بھلی معلوم ہوئی کہ یہان سے اور آگے جانے کا ارادہ نہ کیا اور مع رفقا یہین سکونت پذیر ہوگئے۔ اُسوقت اِس پہاڑ پر قدیم یادگارون مین سونا باؤلی کے سوا جسکے قصے الف لیلہ اور فسانۂ عجائب سے مشہور روایت ہے۔

کے افسانے سے کچھ کم نہین ہین دوسری یادگار نہین تھی۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ منتجب الدین صاحب کے زمانۂ حیات تک اس پہاڑی پر صرف ایک مسجد[1] کے سوا (جسمین پنجگانہ نماز جماعت سے ہوتی تھی کسی دوسری عمارت کی تعمیر کا آغاز نہین ہوا روزمرہ کی بود و باش اور نشست و برخاست درویشانہ تھی صرف چلہ[2] کشی کا مقام مخصوص تھا۔ منتجب الدین صاحب نے روضے مین بقیہ عمر آزادانہ گزاری۔ آخر تک تعلقات دنیاوی سے الگ رہے۔ نماز تہجد کے وقت غیب سے جو ملتا تھا اس کے علاوہ فتوح سے جو آتا گیا۔ اُسکو دوستون اور خدامون پر تقسیم کرتے رہے۔ علوم متداولہ عقلیہ و نقلیہ مین پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ تصانیف سے چھوٹے چھوٹے رسالے تصوف مین ہین۔

ایک[3] وقت شیخ منتجب الدین برہان الدین اولیا صاحب کے سامنے کھانا لائے۔ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ مین روزے سے ہون منتجب الدین صاحب نے کہا کہ افطار کرنا چاہیئے۔ قبول نہین کیا۔ اتفاق سے اُسی روز برہان الدین اولیا صاحب حضرت نظام الدین اولیا صاحب کے پاس گئے۔ نظام الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ برہان الدین کے سامنے کھانا رکھو۔ شیخ کے ارشاد پر کھانا پڑا۔ جسوقت برہان الدین اولیا صاحب شیخ سے رخصت ہوئے۔ عصر کا وقت تھا جماعت سے نماز پڑھنی چاہی۔ ہر شخص کہتا تھا کہ مین پڑھ چکا۔ بضرورت نماز بغیر جماعت

---

[1] مسجد چہاردہ صد اولیا۔

[2] یہ مقام درگاہ سے جنوب کوہ ہوڈے پر ہے۔ اندر سے تراشا ہوا اوپر سے گنبد نما۔ دو چار آدمی بافراغت رہ سکتے ہین۔ شمال جانب چھوٹا سا دروازہ پتھر کا لگا ہوا ہے۔

[3] احسن الاقوال۔

ادا کی اور خیال کیا کہ یہ شامت اس سبب سے ہوئی کہ مین نے منتجب الدین کے کہنے سے کھانا نہین کھایا روزہ گیا اور جماعت سے بھی محروم رہا۔

شیخ رکن الدین نفایس الانفاس مین لکھتے ہین کہ شیخ برہان الدین صاحب نے فرمایا کہ منتجب الدین کا ایک دوست تفتہ مزاج تھا اسکو سید کہتے تھے جب وہ راستہ چلتا اگر کوئی امیر ملتا سلام نہ کرتا۔ لیکن اگر کسی دیوانہ غبار آلود کو دیکھتا اُسکی تعظیم کرتا منتجب الدین صاحب نے فرمایا ایسے گروہ کی تعظیم کرنا عظیم کام ہے۔

وفات

ساتوین ربیع الاول سنہ ۷۰۹ ہجری پنجشنبہ کے دن چونتیس برس کی عمر مین انتقال فرمایا شہنشاہ اولیا مادہ تاریخ ہے۔ ۷۰۹

منتجب الدین صاحب کی درگاہ کے دو احاطے ہین جس احاطے مین گنبد ہے وہ دوسرے سے چھوٹا اور بلند ہے۔ قبر پر گنبد اور پہلو مین خواجہ محمد صاحب آسودہ ہین۔ قبر کے سرہانے دیوار پر کتبہ ہے۔

---

[1] خواجہ صاحب محبوب آلہی نظام الدین اولیا صاحب کے برگزیدہ ارادتمندون مین تھے اور حضرت منتجب الدین صاحب کو ان سے دلی خلوص تھا اور یہ بھی اُنپر جان نثار تھے اِنکی وفات کا قصہ اسطرح سے مشہور ہے جسروز منتجب الدین صاحب کا وصال ہوا سب لوگ تجہیز و تکفین کرکے قبر سے ہٹ آئے۔ صرف خواجہ صاحب تنہا رہ گئے۔ تھوڑی دیر ساکت رہے۔ یکبارگی جذب محبت اور صدمۂ مفارقت سے رونا شروع کیا جب ضبط نہو سکا۔ یہ بیت کہتے ہوئے قبر پر گرے ؎ از یار غار ماندن تنہا بہ غار اولی ❊ بے یار زندہ بودن مُردن ہزار اولی ❊ گرتے ہی روح پرواز کرگئی۔ اُسیروز حضرت کے پہلو مین دفن کئے گئے۔ حضرت کے عُرس کے روز م

م ۷ ربیع الاول کو عرس ہوتا ہے۔

کتبہ بر بالین حضرت منتجب الدین صاحب

برہان شرع حجت حق مقتدای دین — قطب المدار غوث زمان شیخ اتقیاست
ہم حاجب و مقرب درگاہ کبریاست — ہم رہبر مشائخ و ہم ختم اولیاست
امروز دست شیخی او برتر از ہمہ — آندم بساط مجلس او حدتا دنی ست
بودہ درین جہان ہمہ را التجا بدو — ایندم پناہ و ملجاء ارواح اصفیاست
بیداست شاد خاطر ما در لقائے او — امروز قدسیان راشادی ازان لقاست
بر اولیائے حق نبود مرگ شیخ ما — زندہ است لیک پردہ اندرمیان ماست
بینا کسیکہ دیدۂ روح آورد بدست — دارد حیات خوب چنین دیدہ ہرکراست
او شد پناہ عالمیان بعد ازین رویم — در روضۂ مقدس او کان پناہ ماست

گنبد کے اندر چند قرآن مجید اور ایک فولادی آئینہ تانا شاہی اور قبر پر زری لوٹی کا غلاف اور گنبد ہی کے اندر مخملی شامیانہ لگا ہوا ہے اور گنبد کے سامنے۔ سنگ سیلو اور سنگ موسیٰ کا فرش ہے اور باہر شرقی دیوار سے ملی ہوئی حضرت کے خواہر زادے شمس الدین اور غربی دیوار سے ملی ہوئی دوسرے بھانجے کی قبر ہے۔ گنبد خاص سے پچھم شمال ہٹتا ہوا حضرت کی والدہ بی ہاجرہ[1] اور حضرت کے ماموں خواجہ سراج الدین صاحب کا گنبد ہے جسکی پشت پر کھرنی کا درخت ہے۔ دونوں گنبدوں کے مابین بہت سی قبریں ہیں سونا بائی کی قبر دونوں گنبدوں کے درمیان ہے۔ کھرنی کے درخت کے علاوہ ایک مولسری کا درخت

---

[1] بی ہاجرہ صاحبہ۔ بان صاحبہ مشہور ہیں۔ ۱۱ شوال کو عرس ہوتا ہے۔

گنبد خاص سے پچھم ہٹتا ہوا ہے ۔

جس احاطے مین یہ دونون گنبد ہین اُسکی شمالی اور شرقی حد دیوار سے محدود ہے شرقی دیوار مین صرف ایک دروازہ معروف بہ درچاک ہے ۔ روزمرہ کی آمد و رفت اسی دروازے سے ہوتی ہے ۔ غرب مین مسجد ہے ۔ جنوب مین ایک دالان ۔ دالان کے غرب مین حجرہ ہے گنبد خاص کے سامنے اس دالان کے ایک ستون پر یہ عبارت بخط طغرا منقش ہے ۔

یا اللہ المحمود فی کل افعال یا اللہ

دالان مذکورہ مین پتھر کے چھوٹے چھوٹے تین جھولے لٹکتے ہین ایک پر نادعلی کندہ ہے ۔ سنگتراش نے اچھی صناعی کی ہے ۔ اس دالان کی چھت پر وسط مین گنبد ہے اور پچھلی دیوار مین ایک دروازہ ہے جو ایام عرس مین کھلتا ہے یا وقتاً فوقتاً کسی خاص ضرورت سے کھولا جاتا ہے احاطہ کے گوشۂ شمال و شرق مین زینہ ہے دوسرا احاطہ گنبد والے احاطے کو شرقاً و جنوباً اپنے دامن مین لیے ہوئے ہے ۔ اسیلئے ہم اُسکے دو حصے کرکے بتاتے ہین اور پہلے حصہ کو حصۂ شرقی اور دوسرے کو جنوبی حصے سے نامزد کرتے ہین حصۂ شرقی طولاً شمال کر جنوب تک (۶۰) قدم اور عرضاً قبلے کی طرف سے شرقی دروازے تک (۳۰) قدم ہے ہر چہار طرف دالان ہین ۔ شمالی دیوار کے غربی حصے مین ایک دروازہ ہے جسکے باہر سید کبیر صاحب منتجب الدین صاحب کے اُستاد اول کی قبر ہے ۔

سرھانیکی باؤلی

سید صاحب کی قبر کے پورب باؤلی ہے ۔ جو سرہانے کی باؤلی مشہور ہے سید کبیر صاحب کے مزار سے گوشۂ شمال و غرب مین تھوڑے فاصلے پر لب سڑک حضرت

فخرالدین اور صدرالدین بھکری کے قبور مین - مذکورہ حصے کی شمالی حدود کا شرقی دالان احمد علیخان صاحب کا تعمیر کیا ہوا ہے - جسپر فارسی اور اُردو دو تاریخین کندہ ہین -

تاریخ فارسی

بدرگاہ منور زر زری بخش	بنا فرمود قصر احمد علی خان
مزاج از فکر عالی یافت سالش	مقام خوشنمائے پاکبازان ۱۲۷۲ھ

اُردو

ہوئی تعمیر اس مکان کی جب	یک سعادت عجب حصول ہوئی
کہی تاریخ اُس کی ہاتف نے	نذر احمد علی قبول ہوئی ۱۲۷۲ھ

نقارخانہ مذکورہ حصے کی شرقی دیوار مین ایک دروازہ ہے جسکے اوپر کی منزل نقار خانے سے منسوب ہے - یہ دروازہ درگاہ کے تمام دروازون سے عالیشان ہے جسپر آیت پاک کندہ ہے -

وَاَنَّ المساجد للّٰہ فلا تدعو مع اللہ احداً

اِس عالیشان دروازے کے باہر جانب جنوب ایک مسجد ہے اگر ہم اِس مسجد کو ایک سرا بغیر بھٹیاری تصور کرین یا پولیس کا تھانہ سمجھین تو بہت بجا ہے کیونکہ ہم نے اِس مسجد مین کسیکو نماز پڑھتے ہوئے کم دیکھا ہے - ہان جب کبھی ہماری نظر پڑی ہے یا تو کسی زایر یا مسافر کو آرام کرتے پایا یا پولیس والونکو دیکھا ہے یون تو غیر وقتون مین زایرین یا مسافرین کو اِس خانۂ خدا مین بے تکلف رہنے کا موقع ملتا ہے اور بلحاظ وقف یا بحالت مجبوری کوئی مزاحم نہین ہوتا - لیکن دو حالتون مین پولیس کے فطرتی قانون سے وہ بیچارے بیدخل ہوجاتے ہین - اول تو منتجب الدین صاحب کے

عرس مین جبکہ جوانان پولیس عرس کے انتظام کے لیئے اِسی مین ٹھہرا کرتے ہین۔ دوسرے جب کوئی بڑا افسر بنگلجات سرکاری مین آکر قیام کرتا ہے اور اُس کی پہرہ چوکی کیواسطے جو گارد مقرر ہوتا ہے اُسکا بھی فرودگاہ یہی ہوتا ہے۔ غضب یہہ ہوتا ہے کہ یہ کار کنان جہنم جوتے سمیت مسجد مین چلے جاتے ہین۔ جائے افسوس ہے کہ جب ظاہری برتاؤ اِن بے دینیون کا ایسا ہے تو اور کیسی کیسی بے ادبیان ظہور مین نہ آتی ہونگی۔ نعوذ باللہ منہا۔ پولیس کے اِس قبضے اور دخل سے ہم کہہ سکتے ہین کہ اگر اِسکی طرف سے مسجد موصوفہ پر کسیطرح دعوی ہو تو یقینی اِس زمانے کی عدالت مروجہ قانون سے ڈگری دیدے گی ہم اِس بارہ مین خاص خدامان درگاہ سے ملتجی ہین کہ وہ بہت جلد اِس شکایت کو دور کردین گے اور آیندہ اِس قسم کے نازیبا حرکات و سکنات کو اپنے متصرفہ جائے مین کبھی پسند نہ فرماینگے۔ شرقی حصے کی غربی حدود دو منزلے دالان سے محدود ہے۔ دروازے درچاک سے اُترتے ہوئے سہ درہ اور اوسکے نیچے سیڑھیان ہین سہ درے پر چھوٹا سا گنبد ہے سہ درے کے شمال وجنوب دو دالان تین تین چشمے کے ہین اِن سہ چشمی دالانون کے نیچے حجرے ہین۔ شمالی دالان مین تین کتبے ہین۔

کتبہ اول

بدرگاہ منور زر زری بخش
بناہ ستند اسعد چند ایوان

۱؎ ہر سہ کتبون کے اشعار بجنسہٖ نقل کر دئے گئے پتھر کے کچے پن سے جو حرف یا لفظ مٹ گیا وہ چھوڑ دیا گیا۔ اشعار کی صحت و غلطی کا فیصلہ ناظرین پر ہے۔ آخر کے دونون کتبے اُس مسجد کے معلوم ہوتے ہین جو منتجب الدین صاحب کیطرف منسوب ہے غالبًا یہ وہ مسجد ہوگی جو اندر والے احاطے مین ہے۔ کیونکہ اِسکو سوا دوسری کوئی مسجد منتجب الدین صاحب کے نام سے مشہور نہین ہے۔

شکستہ بود زان ایوان یک این	مرتب کرد سلطان خان دل و جان
درمیان ساہوکاران بود مشہور	در سخاوت نیست ہمتا دیگران
چو تاریخ مرتب اینست بشنو	سنہ الف و ماہ عشرین و سہ ان

کتبہ دوم

بسم الله الرحمن الرحیم

کہ تاریخ بنائے مسجد او	ز دریائے حدیث قدس الله
ز ہجرة نہصد و ہفتاد و یکسال	مرتب شد بنائے مسجد شاہ
دیانت[1] خان مرید منتجب شاہ	

کتبہ سوم

دیانت خان مرید منتجب شاہ	مددگارش .... ہم رسول الله
مددگارش ہمہ پیران عالم	دگر آن شیر مردان علی شاہ
.... او مسجدے در روضۂ شاہ	مریدش باد ستر و دولت و جاہ
کہ تاریخ بنائے مسجد او	ز دریائے حدیث قدس الله
چو بندہ جستہ تاریخ بنایش	.... دانند ہمہ مردان درگاہ
بروز جمعہ سابع عشر رمضان	مبارک بود روز و سال و ہم ماہ
ز ہجرت نہصد و ہفتاد و یک سال	مرتب شد بنائے مسجد شاہ

---

[1] دیانت خان مرید منتجب شاہ سے عوام کو اسبات کا خیال اور دہوکا ہوتا ہے کہ دیانت خان منتجب الدینصاحب کا مرید تھا حالانکہ ایسا سمجھنا غلطی ہے کیونکہ منتجب الدینصاحب نے کسیکو ارادت سے مشرف نہیں کیا اور پھر جبکہ ۷۰۹ھ میں اُنکا وصال ہوا ہو اور دیانت خان نے ۹۷۱ھ ہجری میں مسجد بنوائی ہو تو دو سو باسٹھ سال کے بعد دیانت خان پر مریدی کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے۔ پس لفظ مرید سے اگر معتقد کے معنے لیئے جائیں تو درست ہو سکتا ہے۔

دولت شاہ درباری

درچاک کے جنوبی دالان کے نیچے کی منزل مین دو درجے ہین پچھلے درجے مین دولت شاہ درباری اور اُن کے دو بھائیون کے مزارات ہین۔ دولت شاہ صاحب چار بھائی تھے۔ دولت شاہ۔ بھیکا بھکاری شاہ۔ رکن کرتاری شاہ۔ جنکا مزار دولت آباد مین بتلاتے ہین۔ چوتھے کا نام معلوم نہین۔

دولت شاہ درباری کا عرس شعبان کی چھٹی کو ہوتا ہے۔ اخراجات عرس اور عود و گل کیواسطے سرکار سے کافی رقم ملتی ہے۔

حصہ جنوبی حصۂ شرقی سے عرض و طول مین کچھہ ہی کم ہے۔ غربی اور شرقی دالانون کے سوا اِس حصے کی جنوبی حد کے تھوڑے حصے مین دروازے سے جانب غرب ایک دالان اور دروازے سے شرق جانب زمین اُفتادہ ہے جسمین ایک دالان بخوبی بن سکتا ہے۔

مذکورہ حصے کا طول غرب سے شرق تک تخمیناً (۵۰) قدم اور عرض جنوب سے شمال تک (۴۰) قدم ہے۔ شمالی حد گنبد والے احاطے کی دیوار سے محدود ہے دیوار کے وسط مین دروازہ ہے اور چونکہ بلندی پر واقع ہوا ہے اِسلئے اُسکے سامنے چبوترہ اور سیڑھیان ہین دیوار مین دونون طرف پانچ کمانین اور صحن مین چند قبرین ہین۔

---

[۱] مرشدنا حضرت شمس الدین صاحب مشایخ اورنگ آبادی کی کوششون کا نتیجہ ہے کہ مجوزہ دالان اُفتادہ زمین پر بنگیا ہے۔ اگر دالان مذکورہ کے کسی پتھر پر تاریخ تعمیر بھی کندہ کردیجاتی تو زیادہ مناسب ہوتا۔ حضرت اقدس رسالے مین رہتے ہین۔ مسافر نوازی آپ کا حصہ اور انکساری آپ کی خاص صفت ہے۔

عرس مین زایرین کو شرقی اور جنوبی حصے کے مذکورہ دالانون سے بہت آسایش ہوتی ہے۔ جنوبی حصے سے باہر جانے کے لیئے دو دروازے ایک جنوبی دیوار مین اور دوسرا غربی دیوار مین ہے۔ درگاہ کا اجمالی نقشہ کھینچنے کے بعد اب ہم منتجب الدین صاحب کے عرس کی کیفیت لکھتے ہین۔ کیونکہ لازم و ملزوم ہونیکی وجہ سے عرس کے حالات لکھنا ناموزون نہوگا۔

عرس

منتجب الدین صاحب کا عرس خلدآباد کے بزرگون کے تمام عرسون سے بڑے سامان اور تزک سے ہوتا ہے۔ اکثر حکام ضلع اور صوبہ اور رؤسا و امرا اور مشاہیر دکن اور نیز اطراف و جوار وغیرہ کے لوگ شریک ہوتے ہین۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کے علاوہ خاندیس براڑ بمبئی وغیرہ کے مشایخین اور فقرا بھی بغرض زیارت و استفادہ حاضر ہوتے ہین۔ ملک دکن مین بعض اعراس کے سوا کوئی عرس اسکی شان کو نہین پہنچتا۔ موسمی تغیرات سے عرس کا زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ اس عرس کی ابتدا حضرت برہان الدین اولیا صاحب سے ہوئی۔ مشہور ہے کہ حضرت برہان الدین اولیا صاحب نے اپنی زندگی مین سترہ اٹھارہ عرس کیئے۔

مغربی و شمالی ہند مین عرس کی جو تقریبات ہوتی ہین اور تاریخ معینہ پر جو رسومات ادا ہوتی ہین۔ یہان کی اصطلاح مین وہ دوسرے الفاظ مین بولی جاتی ہین ہم بخیال طوالت اُن کو قلم انداز کر کے صرف ضروری باتین بیان کرتے ہین۔

تقریبات عُرس

چونا۔ فراشان۔ صندل۔ چراغان۔ ختم۔

عرس کا شمار اگرچہ ربیع الاوّل کی چوتھی تاریخ سے ہوتا ہے۔ لیکن درگاہ کی متعلقہ عمارت پر سفیدی پہلی تاریخ سے کیجاتی ہے۔ اور ہر قسم کی دوکانین اور آرائش کا سامان غرہ ہی سے ہوتا ہے۔ جن راستون اور روشون پر دوکانین لگائی جاتی ہین۔ اُن کی صفائی اور دُرستی پہلی تاریخ سے پہلے کردیجاتی ہے۔ منجانب سرکار مہتمم صفائی خود ایسے کامون پر نگران رہتا ہے۔ روشنی کا انتظام مہتمم سے متعلق ہو چھوٹے چھوٹے کامون مین تحصیل خلدآباد سے مدد لیجاتی ہے۔

چونا درگاہ کے متعلق جسقدر عمارت ہے۔ اُسکی صفائی اور سفیدی کے بعد چوتھی ربیع الاول کو آٹھ یا نو بجے صبح خدامانِ درگاہ جمع ہو کر گنبد کے کلس پر پھولون کا ہار باندھتے ہین اُسکے بعد فاتحہ پڑھکر شیرینی تقسیم کرکے گنبد پر چونا چڑھاتے ہین اور یہ تقریب چونے کے نام سے مشہور ہے۔

فراشان فراشون کے واقعات بتانے کے پہلے ہم یہ بتائے دیتے ہین کہ حضرت منتجب الدین صاحب کی قبر ہمیشہ تین غلافون سے ڈھکی رہتی ہے۔ نیچے کا غلاف سفید ململ کا عطریات اور بخورات سے معطر اور بیچ کا غلاف سادہ نین سکھ وغیرہ کا اور اوپر کا غلاف نہایت قیمتی اطلس یا کمخواب یا مخمل یا ریشمی کپڑے کا ہوتا ہے۔ چونے کی تقریب مین اوپر کا غلاف اُٹھا لیا جاتا ہے علی الصباح پانچوین ربیع الاول کو فاتحہ اور تقسیم شیرینی کے بعد گنبد کے اندرونی دیوارون پر صندل تیار شدہ لگایا جاتا ہے اِسکے بعد مجاور خاص متعینہ

درگاہ گنبد کے دروازے کو تھوڑی دیر کے لیئے بند کر لیتا ہے اور اُس عرصہ مین غلاف مین سکہ اور وہ آلات جن سے صندل لگایا جاتا ہے سب کو باعزاز تمام سر پر لیکر باہر نکلتا ہے۔ گنبد سے نکلتے ہی شادیانے ہین اور حاضرین اس غلاف پر پھولون کا ہار باندھتے ہین۔ مجاور اسیطرح نوبت و نقارون کے ساتھ سڑک سے ہوتے ہوئے کہان تک آکر سونا باولی کیطرف مڑتا ہے۔ سونا باولی سے پاسبان درگاہ اُسکو اپنے سر پر رکھکر سست کنڈے تک پہنچاتا ہے۔ نوبت و نقارون کا شور و غل سونا باولی تک محدود ہے۔ اکثر خدام دنداہین بھی پاسبان کے ساتھ ہوتے ہین سست کنڈہ درگاہ کے شمال جانب دو پہاڑون کے درمیان ایک میل پر ہے قربت کے لحاظ سے لوگ جلد پہونچ جاتے ہین۔ جاتے ہی غلاف اور صندل لگانے کے آلات اُس کنڈ مین جو حضرت منتجب الدین کے غلاف دھونے کے واسطے مخصوص ہے دھوتے ہین۔ اُس کے بعد حاضرین تبرکًا وہان غسل کرتے ہین۔

بزرگون کا تصرف ہے کہ اکثر مریض اُس کے استعمال سے شفا پاتے ہین۔ نہانے کے بعد کھانا یا شیرینی جو ساتھ لیجاتے ہین کھاتے ہین۔ بعض لوگ وہین پکاتے ہین چار بجے وہان سے واپس ہوکر رنگ محل کے سامنے ایک چبوترے پر۔ (جسکی نسبت مشہور ہے کہ حضرت منتجب الدین صاحب دہلی سے آتے ہوئے اُسی مقام پر ٹھہرے تھے اور اب وہ نیم یا نیب چبوترہ کہلاتا ہے) ٹھہرتے ہین۔ میلاد شریف اور فاتحہ کے بعد شیرینی اور وہ پانی جو غلاف دہوکے نکلتا ہے تبرکًا تھوڑا تھوڑا سب کو تقسیم کرتے ہین اور مغرب کے قبل درگاہ مین واپس آجاتے ہین۔

صندل

ربیع الاول کی چھٹی کو نماز ظہر کے بعد فاتحہ اور اس کے بعد قرآن پاک کا دور ہوتا ہے اور یہ دور ساتوین کی صبح آٹھ بجے تک ہوتا رہتا ہے - دور مین اکثر خلدآباد ہی کے حفاظ ہوتے ہین - جنکی دعوت دوران ختم مین قہوہ سے ہوتی ہے اور یہ رسم قدیم سے چلی آتی ہے -

ساتوین ربیع الاول کی شب کو بارہ بجے گنبد کے سامنے راگ شروع ہوتا ہے راگ شروع ہوتے ہی حضرت منتجب الدین اور برہان الدین اولیا صاحب کی درگاہ کے دونون مجاور گنبد کا دروازہ بند کرکے صندل وغیرہ جو خاص طور پر پہلے سے گھس رکھا جاتا ہے قبر پر لگاتے ہین اس کے بعد ململ کا غلاف (جو چھٹی تاریخ کو ظہر کی نماز کے بعد ہی تیار کیا جاتا ہے) سب قسم کی خوشبوؤن سے معطر کرکے بچھاتے ہین - ململ[1] کے غلاف پر ست کنڈے کا دھویا[2] ہوا غلاف اور اوسپر زرین خواہ مخملی یا کمخوابی بچھاکر تین بجے دروازہ کھولتے ہین -

دروازہ کھلتے ہی حاضرین باوضو زیارت کرتے ہین - اُسوقت کا عالم اور ہی ہوتا ہے عام لوگون پر ایک کیفیت ہوتی ہے ہم کہ سکتے ہین کہ جب ہم عامیون پر ایک قسم کی محویت اور حالت ہوتی ہے تو جو لوگ دیدۂ بینا اور گوش شنوا رکھتے ہین اُن کے قلوب پر کیسا کچھہ اثر نہوتا ہوگا - اُسوقت کا سمان جیسا کہ چاہیئے ہم لکھہ نہین سکتے

---

[1] ململ کا غلاف دوسرے سال تھوڑا تھوڑا تبرکاً حاجتمندون کو دیا جاتا ہے۔

[2] ست کنڈے کا دھویا ہوا غلاف دوسرے تیسرے سال بدل دیا جاتا ہے۔

[3] بلغوز سے جو غلاف سرکاری بڑے جلوس سے آتا ہے وہ چھٹی ربیع الاول کو پانچ بجے مزار پر بچھایا جاتا ہے۔ (یہ ۳ کا حاشیہ صفحہ (۶۰) کا ہے)

بس اسقدر کہ منجملہ اور اوقات کے یہ خاص وقت دیکھنے اور حاضر ہونے کے قابل ہوتا ہے سماع صبح کی نماز کے قبل تک ہوتا رہتا ہے۔ ادہر موذن نے اللہ اکبر پکارا اُدہر سماع موقوف ہوا۔ نماز صبح سے فراغت ہوتے ہی پھر کلام پاک کا دور ہوتا ہے۔ دور ختم ہونے کے بعد فاتحہ پڑھکر شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔

چھٹی تاریخ[سے] نماز ظہر سے ساتوین کی صبح تک جو رسومات ادا ہوتی ہین وہ صندل کی تقریب مین داخل ہین۔

ساتوین ربیع الاول سے گنبد کے سامنے ایک چھوٹے سے شامیانے کے نیچے سماع ہوتا رہتا ہے۔ کسی قسم کی ممانعت نہین جسکا جی چاہے گائے۔

چراغان

آٹھوین کی شب کو روشنی کیجاتی ہے۔ جسکو یہان کی اصطلاح مین چراغان کہتے ہین بارہ بجے شب سے سماع موقوف کر دیا جاتا ہے اور پہلے گنبد کے سامنے دو چار قصاید نعتیہ پڑھکر دوسرے احاطے کے شرقی حصے مین بڑے شامیانے کے نیچے (جو درچاک کی سیڑھیون سے بڑے دروازے کے قریب قریب ہوتا ہے) آتے ہین اور صبح تک میلاد شریف پڑھتے رہتے ہین۔ آغاز مولود سے ختم تک نوبت و نقارون کی مہیب آوازون سے کانون کو آرام ملتا ہے۔ اور ہر ایک شخص دوسرے کی آواز اور بات چیت بآسانی سُن اور سمجھہ سکتا ہے ورنہ ایام عرس مین نوبت و نقارون کی ہیبتناک صدا سے یہ نوبت پہونچ جاتی ہے کہ عرس کے اختتام پر کئی روز وہی آواز کانون مین گونجتی رہتی ہے۔ صبح کو میلاد شریف ختم ہوتے ہی فاتحہ پڑھکر شیرینی اور قہوہ اور لونگ اور پان تقسیم ہوتے ہین۔ آٹھوین تاریخ نو بجے صبح سے نوین کی بارہ بجے شب تک پھر وہی سماع بلاتعین گنبد کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔

[سے] یہ حاشیہ صفحہ (۵۹) مین آچکا۔

نوین ربیع الاول کی شب کو بارہ بجے سے دوسرے احاطے کے شرقی حصے مین شامیانے کے نیچے فاتحہ کے بعد مجلس راگ (قوالی) منعقد ہوتی ہے۔ اکثر خدام اور مشایخین باادب باوضو بیٹھتے ہین۔ صبح صادق سے پہلے مجلس ختم کردیجاتی ہے اور آخر فاتحہ کے بعد عرس ختم ہوجاتا ہے۔ عرس کا طریقہ جہانتک دیکھا گیا اچھا اور بہت اچھا ہے صرف مجلس راگ مین بعض نوجوانون کے بدسیر ہوحق اور دھماچوکڑی سے مجلس کے رنگ مین جو بے لطفی اور مشایخین باحال کی کیفیت مین جو فرق آجاتا ہے اُس مین البتہ اِصلاح کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ ہماری یہ شکایت خلدآباد کے لیے خاص نہین ہے۔ عام ہے۔ اس لیئے کہ ہمنے جہان کہین دیکھا ہے ایسا ہی دیکھا ہے اور اسی سبب سے ہم کہ بھی سکتے ہین کہ بیچارے منتظمان مجلس اس بارے مین معذور بلکہ مجبور ہین تاہم اگر وہ کوشش کرین اور حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے اُن اقوال سے جو سماع[1] کے باب مین فرمایا ہے انکو آگاہ کردین تو چند روز مین اصلاح ہونا کچھہ بعید نہین ہے۔

ختم

عرس کے واقعات بتانے کے بعد اب ہم اُن بزرگون اور معروف و مشہور لوگون کے حالات لکھتے ہین جنکے مزارات حضرت منتجب الدین صاحب کی درگاہ کے اطراف ہین۔

یہ تو ہم پہلے لکھہ آئے ہین کہ درگاہ کے دوسرے احاطے کے شرقی حصے کے باہر حضرت سید کبیر صاحب اور اُس سے شمال لب سڑک حضرت فخرالدین اور

---

[1] سماع مین جس کسی کا ہاتھ تک ہلے اُسکو سماع سننا جایز نہین۔ سماع مین لوٹنا اور شور و شغب نہ کرنا چاہیئے اگر کسی نے شور و شغب سے کسی صاحبدل کا وقت غارت کیا تو اسکا اثر شور و شغب کرنیوالیکو ابتر کرتا ہے۔

صدرالدین بھنگاری کی قبرین ہین اگر ہم ان حضرات کی زیارت کرکے پھر اسی احاطے مین واپس آئین اور دولت شاہ درباری اور اُن کے بھائی بھیکا شاہ بھکاری کی قبر پر فاتحہ پڑھتے ہوئے جنوبی حصے کے دروازے سے تخمیناً دو سو قدم دور کوہ ہوڑے کے دامن مین جائین تو پیر بدرالدین[۱] نولکھی کی زیارت سے مشرف ہونگے اور اگر جنوبی حصے کی غربی دیوار کے دروازے سے باہر جائین تو ایک ایسی چاردیواری مین نکلینگے جسمین مولانا فرید الدین ادیب فخرالدین شمس الملک۔ خواجہ مبارک غوری اور فرید الدین یگانہ کے مزارات ہین یہ چارون صاحب حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے چہیتے ارادتمندون مین سے تھے پیر بدرالدین صاحب نولکھی۔ خواجہ مبارک صاحب غوری اور فرید الدین یگانہ کی حالات زندگی نامعلوم ہین۔ باقی دونون بزرگون کے حالات جسقدر معلوم ہوسکے وہ درج کتاب ہین

ذکر برگزیدۂ غریب حضرت فرید الدین ادیب

برہان الدین اولیا صاحب کے مشہور مریدون مین ہین۔ بچپن سے شاغل اور ذاکر رہا کرتے تھے۔ محنت شاقہ اور شیخ کی نظر عنایت سے نور ہی نور ہوگئے۔ یہان تک کہ اگر اُنکا مصلیٰ یا جامۂ خواب اُٹھایا جاتا تھا۔ تمام مکان روشن ہوجاتا تھا۔ چونکہ شیخ سے تیرہ روز قبل وفات پائی۔ اسلیئے زیادہ شہرت نہین ہوئی تاہم اُنکو رتبے کا اندازہ برہان الدین اولیا صاحب کے ان اقوال سے ہوسکتا ہے۔

---

[۱] پیر بدرالدین صاحب کا عرس ۱۲ شعبان کو ہوتا ہے۔

بولے فرید تیرا خط استاد کے خط سے برابر ہوگیا ہو اگر قیامت کے دن پوچھینگے کہ اے برہان ہماری درگاہ مین کیا لایا ہے تو کہونگا کہ فرید کو لایا ہون جو نعمت ظاہری و باطنی کر رکھتا ہون جیسے تجھے دی۔

برہان الدین اولیا صاحب کو ان سے خلوص تھا اور یہ بھی اعتقاد اور محبت اور یقین مین بہ نسبت دوسرے مریدون کے نمبر اول تھے۔

ایکمرتبہ غلبۂ سکر مین برہا الدین اولیا صاحب کے سامنے حاضر ہوکر عرض کی۔ کیا کرون عاجز ہوگیا ہون۔ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ شیخ الاسلام نظام الدین اولیا میرے اور تیرے دونون کے دستگیر ہین۔ فریدالدین صاحب نے کہا کہ شیخ الاسلام آپ کے دستگیر اور آپ میرے دستگیر ہین۔ دوبارہ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ شیخ الاسلام میرے اور تیرے دونون کے دستگیر ہین۔ فریدالدین صاحب نے پھر کہا کہ شیخ الاسلام آپ کے دستگیر اور آپ میرے دستگیر ہین غرض تین بار برہان الدین اولیا صاحب نے یہی فرمایا کہ شیخ الاسلام میرے اور تیرے دونون کے دستگیر ہین اور فریدالدین صاحب بھی یہی عرض کرتے گئے کہ شیخ الاسلام آپ کے دستگیر اور آپ میرے دستگیر ہین آخر کو حضرت نے خوش ہوکر فرمایا۔ زاد اللہ اعتقادک و محبتک و یقینک۔ شباب کا عالم اور پندرہ سال کی عمر تھی جب فقر کا شوق ہوا۔ پیر کامل کی جستجو شروع کی ایک روز اپنے مامون کیساتھ سماع کی محفل مین گئے۔ حسن اتفاق برہان الدین اولیاء صاحب بھی وہان تشریف رکھتے تھے۔ ان کے مامون نے حضرت سے دستبوس کرایا انھون نے دل مین تصور کیا کہ اگر یہ شیخ کامل ہین۔ تو ان کی توجہ سے میری غذا کم ہو اور

دنیا کی محبت دل سے نکلجاتے۔ فریدالدین صاحب کا خود بیان ہے کہ دونون باتین خیال کرتے ہی حضرت کی توجہ قلبی نے ایسا اثر کیا کہ جسوقت مین مجلس سے اُٹھا۔ اُسیوقت سے حق تعالے نے محبت دنیا دل سے دور کرنی شروع کی۔ چند روز مین یہ نوبت ہوئی کہ دنیا دی شان و شوکت سب میری نظر مین ہیچ معلوم ہونے لگی گھر پہنچتے ہی پہلے سر کے بال دور کئے۔ رفتہ رفتہ خوراک مین اسقدر کمی ہوئی کہ ایکروز مین ایک روٹی مشکل کھا سکتا تھا اٹھارہوین سال ارادت سے شرف حاصل ہوا۔ چونکہ پہلے سے مرتاض تھے [illegible] قریب ہوئے۔ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا۔ آج یہ جوان میری نظر مین اس طریقے سے آیا جسطرح کوئی مرید تیس سالہ پیر کی خدمت مین آتا ہے برہان الدین اولیا صاحب کی تعلیم اور تلقین نے فریدالدین صاحب کو انتہائے کمال پر پہنچا دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اکثر لوگ بغرض استفادہ اُن کے پاس آتے رہتے تھے خواجہ مبارک غوری (پیر بھائی) کہتے ہین کہ مین نے ایک روز فریدالدین صاحب سے دل کی حالت اور ذکر و اشغال کی حقیقت دریافت کی فرمایا کہ جب مین نماز پڑھتا ہون۔ گردن کی ہر رگ سے کلمہ اللہ اللہ نکلتا ہے اور جب ذکر کرتا ہون اور دلپر نظر پڑتی ہے۔ تو جب تک زبان ایکبار ذکر کرتی ہے دل سو بار زیادہ فصاحت سے ذکر کرتا ہے نسبت باطنی قوی اور مقامات فقیری بہت صاف تھے اکثر موقعون پر کمالات ظاہر ہوتے رہتے تھے۔

ایکدن مسجد مین بیٹھے ہوئے تعلیم کے طور پر حکایات بیان کر رہے تھے۔ سلسلہ کلام دراز تھا کہ یکبارگی اُٹھکر گھر کیطرف چلے۔ خادم کا بیان ہے کہ مین بھی ساتھ ہو لیا راستے مین مین نے پوچھا کہ اسقدر جلد جانے کا سبب کیا ہے۔ جواب دیا کہ شیخ نے

طلب کیا ہے۔ جب دروازے پر پہونچے۔ مین نے خود دیکھا کہ نصیرالدین صاحب آپکی طلب مین کھڑے ہین۔

اُسی خادم سے یہ بھی نقل ہے کہ مین ایکروز فریدالدین صاحب کے پاس تھا اور بہت سے لوگ بھی جمع تھے۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ میرا لڑکا سخت بیمار ہے۔ دُعا فرمائیے۔ کچھ جواب نہ دیا۔ دوبارہ اُس نے عرض کی جب بھی سکوت کیا۔ جب وہ چلا گیا۔ مین نے عرض کی کہ حضور کے خاموش رہنے مین کیا مصلحت تھی۔ فرمایا کہ مین اُس سے کیا کہتا۔ اُس بیمار کی مُدت عمر آخر ہو چکی۔ اور اُسکی حیات کا رشتہ شکست ہو گیا ہے۔ چنانچہ دوسرے روز وہ مرگیا۔

قاضی فریدالدین صاحب سے منقول ہے کہ مین ایکروز فریدالدین صاحب کے پاس گیا۔ دیکھا کہ تنہا بیٹھے رو رہے ہین۔ مین بیٹھ گیا۔ جب وہ چُپ ہوئے۔ مین نے رونیکا سبب پوچھا۔ فرمایا شیخ کا ارشاد ہوا ہے کہ میری وفات کے بعد فرید میری جگہہ پر بیٹھو۔ بھلا یہ کسکا زہرہ ہے کہ شیخ کی جگہہ پر بیٹھے۔ اِس لیئے مین نے خدا سے التجا کی ہے کہ شیخ سے قبل مجھے دُنیا سے اُٹھالے۔ آخر ایسا ہی ہوا اور برہان الدین اولیا صاحب سے تیرہ روز قبل ۲۹ محرم سنہ ۷۳۸ ہجری مین وفات پائی۔ رحمتہ اللہ تعالی وغفرلی بحرمتہ آمین۔

شیخ کی غایت تعظیم اور آداب ملحوظ رکھنے کیوجہ سے فریدالدین ادیب مشہور ہین ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

وفات کے وقت ایک شخص پاس موجود تھا۔ اِن کے سنانے کو کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنے لگا اور یہ نہ سمجھا کہ عاشقان خدا۔ خدا کی یاد مین اُسوقت جان دیتے

ہین کہ فرشتۂ موت کو خبر نہین ہوتی ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

تھوڑی دیر کے بعد فرید الدین صاحب نے آنکھہ کھولی اور اُس سے فرمایا کہ کیا تو نے یہ سمجھا کہ مین خدا کی یاد سے غافل ہون۔ خبردار ایسی گستاخی عاشقان خدا سے کبھی نہ کرنا۔ ورنہ تجھے نقصان پہونچیگا اور یا کریم کہکے جان بحق ہوئے ؎

چنین واجب کند در عشق مردن
بجانان جان چنین باید سپردن

وفات کے بعد ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ کوئی اُس سے کہ رہا ہے کہ فرید ہمارا دوست تھا۔ ہمنے اُسکو وہان نہین چھوڑا کیونکہ وہ وہان کے لایق نہ تھا

ذکر پروردۂ کاملین حضرت فخر الدین قدس سرہٗ

برہان الدین اولیا صاحب کے خلفا مین اِن کی شان نرالی تھی۔ یہ پہلے شخص ہین جنکو برہان الدین اولیا صاحب نے اپنی زندگی مین مُرید کرنیکی اجازت دی تھی۔ سب کے دلون مین مقبول تھے۔ اِن کا شمار معزز امرا اور ارکین شاہی مین تھا باپ کا خطاب شمس الملک تھا۔ باپ بیٹے دونون ملازم تھے۔

کلاہ ارادت سر پر رکھنے کے بعد عرصے تک ظاہری لباس امیرانہ رہا لیکن بیشتر وقت عبادت مین گزرتا تھا اور بالکل اس شعر کے مصداق تھے ؎

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست
کمر بخدمت سلطان ببند و صوفی باش

مجدالدین صاحب لکھتے ہین کہ فخر الدین صاحب عرصے تک خود کو دنیا کے لباس

مین چھپا کر ریاضت اور مشقت کرتے رہے۔

جسوقت بادشاہ کی طلب پر دولت آباد سے دہلی جانے لگے۔ برہان الدین اولیا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ برہان الدین اولیا صاحب نے تعلیم اور ترتیب کے بعد مرید کرنیکی اجازت دی۔ فخر الدین صاحب نے عرض کی کہ مین ہمیشہ دنیاداران کی صحبت مین رہا کرتا ہون اور جناب کا حکم ہوا ہے کہ تو مرید کر۔ اگر مرضی مبارک ہو۔ تو ملازمت ترک کرکے بقیہ زندگی قدمون کے نیچے بسر کرون۔ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا۔ فخر الدین ابھی تجھے بہت کچھ دیکھنا باقی ہے۔ اگرچہ مین نے تجھے اسوقت اجازت دی ہے لیکن جب وقت آئے تو بندگان خدا کو داخل بیعت کرنا۔

حضرت سے رخصت ہوکر دہلی گئے اور مدت تک اپنی خدمت پر رہے یہانتک کہ حضرت برہان الدین اولیا صاحب نے ایک فرمان بھیجے جسکے شروع مین یہ اشعار لکھا تھا

اے دوست بہ نا ایدن کاشانہ رہا کن ہشیار شوی غالب مستانہ رہا کن
چون دوست برائے تو در کعبہ کشادست این رفتن بیہودہ بہ بتخانہ رہا کن
تو باز سپیدی کہ بود دست ملوکان زاغ دو سہ را ہر سر ویرانہ رہا کن

چونکہ ان اشعار مین حج کا اشارہ تھا۔ اسلیئے فوراً حرمین شریفین کا ارادہ کیا اور زیارت سے مشرف ہوکر دہلی واپس آئے اس عرصے مین حضرت برہان الدین اولیاء صاحب نے جامۂ خلافت اور نامۂ اجازت دولت آباد سے بھیجا۔ لیکن فخر الدینصاحب کو یہ دونون چیزین اسوقت پہونچین کہ یہان برہان الدین اولیا صاحب کا وصال ہوچکا تھا۔ ایک شخص سے نقل ہے کہ جامہ پہننے کیوقت مین حاضر تھا۔ اجازت نامہ پڑھتے جاتے تھے اور روتے تھے اور یہ کہتے تھے۔ افسوس میری ساری عمر دنیاداروں مین

گذر گئی۔ مین نہین جانتا تھا کہ میرا انجام اسطرح ہوگا۔ آہ شب ہجران کیسے تمام ہوگی اور صبح مراد کنار سعادت سے کیسے حاصل ہوگی۔

اسروز حسب معمول بادل پُر درد بادشاہ کے دربار مین تشریف لیگئے۔ چونکہ سلطنت سے کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ فخر الدین سے مہمات سلطنت انجام نہین پاتے اور مطلقاً کچھ کام نہین ہوسکتا۔ اس لیئے انکو میرے سامنے مت آنے دو اور ادن کی تمام املاک اور جائداد ضبط کردو حسب الحکم بادشاہ فوراً تمام جائداد ضبط ہوکر داخل سرکار ہوگئی جب فخر الدین صاحب گھر واپس آئے۔ ایک لونڈی کے سوا کچھ سامان نہ پایا۔ خدا کا شکر ادا کرکے لونڈی کو آزاد کیا اور جو گھوڑا سواری مین تھا نفقے کیلیئے اوسکو دیکر کہا کہ مجھکو آج بہت سے کام درپیش ہین۔ اسیلیئے تو آزاد ہے ۵

جو وقت آچکا تھا۔ جیسے ہی بادشاہ کی نظر فخر الدین صاحب پر پڑی ارکین

بخت بیدار من امروز بہ الطاف خدائے
یافت آروز کہ اندر دل شبہا میخواست

برہان الدین اولیا صاحب کے جامۂ خلافت کو سامنے رکھکر محلوق ہوئے اور خلق سے منھ پھیر کر گوشہ نشین ہوگئے چند روز بعد دوبارہ بیت اللہ گئے اور وہان سے واپس ہوکر دولت آباد آئے اور آخر تک شیخ کے طریقے پر بسر کی۔ جب اُن کی ریاضت اور مجاہدے کا زیادہ چرچا ہوا بندگان خدا بارادہ بیعت حاضر ہونے لگے۔ حسب الارشاد شیخ سب ارادتمندون کو داخل بیعت کیا۔

مولانا فرید الدین ادیب۔ فرید الدین یگانہ۔ فخر الدین شمس الملک اور مبارک غوری کے مزار کی چار دیواری سے باہر پچھم چند قدم دور ایک بڑا چبوترہ سنگی ہے۔ جس کے نیچے تہ خانے مین سلاطین نظام شاہیون سے کسی کی قبر ہو۔ چبوترے کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسپر گنبد تعمیر کیا ہوا تھا۔ جو گردش

روز گار سے گر گیا

چبوترے سے پچھم چار دیواری کے اندر ملک عنبر کا گنبد ہے -

ملک عنبر

تاریخ فرشتہ اور ماثر الامرا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر کا شمار بیجاپوریون کے غلامون مین تھا۔ چند ہزار حبشیون کے ساتھ مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے یہان جرگہ ملازمون مین داخل ہو کر خداداد عقل و شجاعت سے مرتضیٰ نظام شاہ کے ممالک مقبوضہ کو اکبر شاہ کی سپاہ مغل کے تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا اور رفتہ رفتہ حسن تدبیر اور زور تقدیر سے کل نظام شاہیہ سلطنت مین ملک عنبر کا اقتدار بڑھ گیا اور وزیر السلطنت ہو گیا۔

صاحب ماثر الامرا لکھتے ہین کہ ملک عنبر فنون سپہگری مین فرد اور قواعد سرداری مین یکتا اور ملک کی آبادی مین ساعی اور رعایا کی بہبودی مین سرگرم تھا اور عدل و داد کو ہر کام پہ مقدم اور ہمیشہ خود کو لباس تقوی و صلاح سے آراستہ رکھتا تھا۔

اورنگ آباد ملک عنبر ہی کا آباد کیا ہوا ہے اُسوقت اُس کا نام کھڑکی تھا۔

ملک[1] عنبر نے ۲۹ر شعبان سنہ ۱۰۳۵ ہجری مین وفات پائی اور روضے مین حضرت منتجب الدین صاحب زر زری زر بخش اور حضرت سید یوسف معروف بہ راجو قتال حسینی کی درگاہ کے درمیان آرام کی جگہہ پائی۔ عرس وغیرہ کے لیے تھوڑی زمین موضع عنبر اور تعلقہ انبڑ (عنبر) مین تھی جو اب خالصہ ہو گئی ہے۔

ملک مذکور نے ممالک محروسہ سرکار عالی مین بہت سی یادگارین (عمارات) چھوڑی

---

[1] صاحب حدیقۃ العالم نے سنہ وفات سنہ ۱۰۳۴ ہجری بتلایا ہے - (جلد اول صفحہ ۳۳۰)

ہین۔ منجملہ اُن کے اورنگ آباد مین دو مسجدین ہین۔ ایک پشت چوک پر اور دوسری نواب پورہ مین واقع ہے۔ اور یہ دونون کالی مسجدین مشہور ہین۔ تیسری یادگار جامع مسجد ہے جس کے تین درجے ملک عنبر نے بنوائے ہین اور دو درجے شاہ اورنگ زیب نے بڑھادئے۔ چوتھی یادگار نہر ہے۔ جو اورنگ آباد کے گوشۂ شمال اور شرق کے پہاڑون سے لائی گئی ہے۔ اور فصیل شہر سے دو مقام پر تقسیم ہوگئی ہے۔ پانچوین یادگار دروازہ بہادکل المعروف بہ بھڑکل ہے۔ اورنگ آباد کی عمارتون مین رابعہ دورانی کے مقبرے کے بعد یہ عمارت ہے۔ کالا چبوترہ جس پر اب خونیون کی گردنین ماری جاتی ہین۔ ہاتھیون کے تماشا دیکھنے کیواسطے ملک عنبر ہی نے بنوایا تھا۔

ملک عنبر کا گنبد اپنے قریب کے گنبدون سے شاندار اور بلند ہے کہتے ہین کہ اُس نے اپنا گنبد اپنی حیات مین بنوایا تھا۔ گنبد کے اطراف کی چار دیواری گر گئی تھی صرف شرقی جانب تھوڑا نشان باقی تھا۔ جسکی درستی اب ہوگئی ہے اور مسمار شدہ چار دیواری ازسرنو بنادی گئی ہے۔

گنبد کے سامنے جنوبی حد مین ایک قدیم دالان ہے۔ اُس کے آگے صرف سائبان بڑھادیا گیا ہے۔ چونکہ اکثر حکّام اور امرا خجستہ بنیاد اورنگ آباد اور حیدرآباد اور نیز امصار و دیار کے سیاح و مسافر اُس مین آکر ٹھہرتے ہین لہذا اونکی آسایش کیلئے باورچیخانہ حمام اور پایخانہ بھی بنادیا گیا ہے۔

چار دیواری کی غربی دیوار مین دو دروازے جدید اور شرقی دیوار مین ایک قدیم دروازہ ہے قدیم دروازے کے اندرونی حصے مین مختصر سا سائبان بنایا گیا ہے

قلعہ دولت آباد کے جوان جو جنگلجات سرکاری کی حفاظت کیواسطے معین ہین اسی مین رہا کرتے ہین۔

چار دیواری کے اندر شمال جانب آٹھ نو درخت کھرنی کے اور گنبد کے اطراف بہت سی قبرین ہین بعض کے نشان باقی اور بہت سے مٹ گئے ہین۔

ملک عنبر کے گنبد سے پورب گوشۂ جنوب مین شیخ حبیب العیدروسی مرحوم کی قبر ہے جو خاک پاک عرب کے شہر حضرموت کے رہنے والے تھے قبر پر یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجود الحبیب شیخ بن عبد اللہ بن شیخ العَیدروس بجہت حضرموت بلد تریم سنہ ۹۹۳ ہجریہ وتوفا بجہت الہند ودفن بجنب قبہ ملک عنبر روضہ۔
۱۵ ر ۲ سنہ ۱۰۴۱ ہجریہ

چار دیواری کی شرقی دیوار کے باہر قدیمی دروازے کے شمال وجنوب حجرے ہین جنوبی حجرون سے ملی ہوئی ایک مسجد گز بھر سے زیادہ بلندی پر ہے اگرچہ ملک موصوف کے گنبد کی چار دیواری اور اُس کے متعلقہ عمارت کی شکست وریخت اور مسجد کی مرمت سرکار عالی مدظلہ العالی کیطرف سے ہو گئی ہے لیکن حق یہ ہے کہ اگر نواب بشیر نواز جنگ صاحب صوبیدار صوبہ اورنگ آباد کی توجہ اسطرف نہ ہوتی تو یہ امر محال اب اسوقت نظرون مین آسان نہ دکھائی دیتے۔ نواب صاحب کو آثار قدیمہ اور متبرک مقامات اور قدیم یادگارین قایم رکھنے مین خاص دلچسپی ہے۔ چنانچہ خلد آباد کے اکثر بزرگوارون کے مزار اس کے شاہد صادق ہین۔

لہ تریم حضرموت مین بہت بڑا شہر ہے۔

نواب صاحب سیر چشم۔ مسافر نواز۔ مخیر۔ پابند صوم و صلوۃ اور وضع کے بھی پابند ہین۔

ہمنے چاہا تھا کہ نواب صاحب کی خوبیون کا مستقل عنوان قایم کرکے تفصیلی واقعات بیان کرین۔ لیکن اول تو مدرسے کی رفاقت سے فرصت نہین۔ دوسرے یہ خیال ہر کہ ناظرین اور مخالف طبیعت والے ہماری تحریر کو خوشامد پہ احمال کرینگے لیکن یہ بات خیال رکھنے کے قابل ہے کہ ہمکو نواب صاحب سے نہ پہلے کچھ واسطہ تھا اور نہ اب ہم کچھ امیدوار ہین اور نہ آیندہ کے لیے سرفرازی چاہتے ہین۔ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ ہمنے روضۃ الاقطاب مین دوسرے حضرات کا ذکر بہ سبیل موقع لکھا ہے وہ بھی بلا غرض لکھا ہے۔ آمدم بر سر مطلب۔

ملک عنبر کے گنبد اور اس کے حوالی مین جو چیز قابل یادگار تھی اسکو نواب صاحب نے از سر نو نہایت خوبی سے جلا دیدیا ہے۔ لیکن میرے خیال مین اس کے متعلق دو امر اور نواب صاحب کی توجہ کے محتاج تھے۔ شاید نواب صاحب کا خیال اسطرف متوجہ نہین ہوا اور سچ یہ ہے کہ ان کو کسی نے توجہ نہین دلائی۔ ورنہ جب اہم سے اہم کام صاحب ممدوح کی توجہ سے باسانی طے ہوگئے اور ہوتے جاتے ہین تو یہ دو باتین کیا دشوار تھین۔

اول ملک مذکور کے عرس اور تیل بتی کے لیے سرکار عالی سے کچھ مقرر نہین ہے حالانکہ اس کار خیر کے واسطے تاریخین زمین انعام کی برابر خبرین دے رہی ہین۔

دوسرے گنبد کے متعلق جو مسجد ہے اس کے صحن کی چار دیواری نہ ہونے سے اکثر اوقات جانور صحن مسجد کو ناپاک کیا کرتے ہین۔ اس کے علاوہ بہت سے حکّام مبدین اور

غیر قوم کے معزز لوگ جو مسجد کے متصل کی خانقاہ ہون یا گنبد کے جنوبی دالان یا بنگلہ جات سرکاری مین آکر قیام کرتے ہین وہ اپنے گھوڑے صحن مسجد مین بلا تکلف اور بلا خوف خدا اگاڑی پچھاڑی لگا کر باندہتے ہین اور اُن کے سائیس (جو دھیڑون سے ہوتے ہین) مسجد کو آباد کرتے ہین خصوصاً موسم گرما اور برسات مین مسجد دھیڑون کے لیے اور صحن مسجد گھوڑون کے لیے مباح ہوتا ہے اور یہ امر کسیقدر نازیبا اور قابل افسوس اور اسلام کی شان کے خلاف ہے۔ مین نے خود بہت سے حکامون کے اس قسم کے آدمیون کو مسجد مین اور اُن کے گھوڑون کو صحن مسجد مین بندھے ہوئے دیکھا ہے مین اُمید کرتا ہون کہ نواب صاحب یا اُن کے جانشین کی توجہ امور متذکرہ بالا پر ضرور ہوگی۔ اور بالضرور پہلے اس پچھلے ذکر کا انسداد ہوگا۔

گنبد سدی کریمہ

ملک عنبر کے گنبد کی چار دیواری سے پچھم اُن کی بیگم مسماۃ سدی کریمہ کا گنبد ہے اس گنبد کے متعلق نہ عمارت ہے نہ چار دیواری۔ ملک عنبر اور سدی کریمہ کے گنبدون مین اُتنا ہی فرق ہے جتنا کہ میان بی بی مین ہوتا ہے۔

سدی کریمہ کے گنبد سے پچھم باولی ہے۔ موسم برسات اور سرما مین یہ باولی خوب لبریز رہتی ہے۔ آخر گرما مین خشک ہو جاتی ہے۔ باؤلی کے گوشۂ غرب و جنوب مین چند قدم کے فاصلے پر ایک گنبد ہشت پہلو ہے گمان غالب ہے کہ نظام شاہیون مین سے کسی کا ہوگا مشہور تو یہ ہے کہ سدی عبدالرحمن نبیرۂ ملک عنبر اس مین مدفون ہین۔ واللہ اعلم۔

باؤلی ہی کے گوشۂ شمال و غرب مین مسجد یوسف راجا کی درگاہ ہے۔

سید یوسف معروف بہ سید راجا

سید محمد صاحب گیسو دراز آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔ اب اسوقت سید یوسف صاحب سید راجو قتال حسینی مشہور ہین۔ سید یوسف اور آپکو والد سید علی صاحب دونون نظام الدین اولیا صاحب کے مرید تھے۔ سید صاحب کو سماع سے زیادہ شوق تھا۔ حالت سماع مین بیخود ہو جاتے تھے۔

سید محمد صاحب کا بیان ہے کہ ایکوقت والد بزرگوار مسجد کے گوشے مین اشراق ادا کر رہے تھے۔ دو شخص سماع کے باب مین بحث کرنے لگے۔ والد نے بعد فراغ نماز فرمایا۔ مین نماز مین تھا۔ تم دونون جو بحث کر رہے تھے وہ مین نے سُنی اگر کہو تو اوسکا اعادہ کرون۔ لیکن جب مین کبھی سماع مین ہوتا ہون تو کچھ خبر نہین ہوتی اور مایدے وغیرہ کا بالکل خیال نہین رہتا ہے۔ حادثہ دہلی کیوقت مع اہلبیت سنہ ۷۲۵ ہجری مین دولت آباد آئے اور بقیہ زندگی حضرت برہان الدین اولیا کی صحبت بابرکت مین بسر کی۔

مثنوی راجا

سید صاحب کی تصانیف مین مثنوی راجا معروف و مشہور ہے۔ راجا تخلص کرتے تھے۔ مثنوی ہذا سے ایک غزل درج ورق ہے

روئے کہ دیدہ ام من اندر عیان نہ گنجد — حسن و جمال آن رو اندر جہان نہ گنجد
آن روئے محض مطلق بیچون و بیچگونہ — از وہم و فہم بیرون صورت دران نگنجد
اندر کنار جانان اسرارہا بگفتیم — جبرئیل یا ملایک اندر میان نہ گنجد
پروازِ مرغ قدسی جز لامکان نباشد — این مرغ لامکانی اندر مکان نہ گنجد

اندر جمال جانان را آنجا دوام غرق است
از فرح این مراتب اندر جہان نہ گنجد

وفات

شوال کی پانچوین سنہ ۱۱۳۳ھ ہجری مین سید صاحب نے وفات پائی عرس وغیرہ کیلیئے زمین انعام کے علاوہ چارسو چھپن ۴۵۶ روپیہ سالانہ گلبرگہ سے ملا کرتے ہین سید صاحب کی درگاہ پہاڑ کے لب پر ہے درگاہ کا احاطہ شرقاً وغرباً لانبا ہے عرض وطول کی نسبت نصف کے قریب ہے۔ وسط مین گنبد ہے احاطے کی غربی دیوار کے نصف شمالی حصے مین مسجد اور بقیہ نصف حصے کی دیوار مین ایک کھڑکی ہے۔

مسجد کی پشت پر ایک چشمہ ہے جسکا پانی خلد آباد کے تمام چشمون سے زیادہ مزیدار ہے۔ خلد آباد کو آب و ہوا کی لطافت سے جو شہرت حاصل ہے وہ عام خیال مین اسی پانی اور اسی مقام کی ہوا سے ہے۔ موسم گرما مین یہ چشمہ خشک ہوجاتا ہے احاطے کی شرقی وشمالی حدود دیوار سے محدود ہین صرف شرقی دیوار مین آمد ورفت کا بڑا دروازہ ہے۔ دروازے سے باہر جنوب طرف میر محمد ناصر کوتوال کی قبر ہے جسپر یہ کتبہ ہے۔

میر محمد ناصر مرحوم کوتوال روضہ منورہ بست و ہفتم جمادی الثانی سنہ ۱۱۵۵ھ ہجری فوت شد

جنوبی حد مین تین دالان ہین بیچ کے دالان کے مقابل بڑ کا درخت ہے درگاہ کے احاطے مین تین چھوٹی چھوٹی چاردیواریان اور بھی ہین جنمین دو سنگ سرخ اور ایک سنگ سیاہ کی ہے۔ مسجد کی متصل والی چاردیواری مین نواب مرحمت خان مرحوم صوبیدار صوبہ اورنگ آباد اور گنبد کے پاس والی چاردیواری مین داؤد خان صوبیدار برہانپور کے ہمشیرہ زادیون کے مزار ہین۔ سید چندن صاحب خلف الصدق

سید یوسف صاحب کی قبر گنبد کے گوشۂ جنوب و شرق مین ہے اور اسی کے قریب بہت سے مزارات سید یوسف کے رفقا کے ہین۔

تیسری چار دیواری سنگ سیاہ کی گنبد سے پورب پانچ سات گز کے فاصلے پر ہے جسمین سید محمد صاحب گیسو دراز کے نبیرہ زادیون کے مزار ہین۔ چار دیواری کی شمالی دیوار پر بہت صاف اور جلی حرفون مین کتبہ کندہ تھا پتھر کے کچھ پن سے سب مٹ گیا صرف چند حروف باقی رہگئے ہین۔

بقیہ کتبہ یہ ہے

مقبرہ ماہ سکینہ ۔ ۔ ۔ بندہ نواز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ساخت بخیتہ ۱۱۳۴ھ

درگاہ کا احاطہ بہت سی قبرون سے معمور ہے جسکی نسبت ہمکو علم نہین کہ وہ کن کن بزرگوارون کے مزار ہین۔ البتہ سنگ سیاہ والی چار دیواری کے دروازے پر دیوار سے قریب پچھم طرف ابو الحسن تاناشاہ کی قبر ہے۔ افسوس قبر کو دیکھکر کسی کو خیال بھی نہوگا کہ وہی تاناشاہ ہے جسکی عالی دماغی کا غلغلہ سارے ہندوستان مین ہورہا ہے۔ عبرت کا مقام ہے کہ جو شخص کسیوقت افسر تاج و تخت ہو اسکی آج یہ حالت ہو کہ قبر پہ گنبد اور شان و شوکت کا ہونا ایکطرف کتبہ تک نہو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

عجب اے دل سخن بپذیر آخر
ز چندین رفتہ عبرت گیر آخر

تاناشاہ کے واقعات زندگی جیسا کہ مشہور ہین کسی تاریخ سے ہمارے دیکھنے مین نہین آئے اور اوسکی عالی دماغی کی ایک روایت بھی نظر سے نہین گذری۔ تاریخ قطب شاہی سے (جسکو تاناشاہ کی سوانح عمری کہنی چاہیئے) کوئی بد روایت عالی دماغی کی ایسی پائی نہین گئی جو لایق دلچسپی ہو۔

تاریخ قطب شاہی کے سوا اور تذکرے جو دیکھے گئے اُن مین بھی تاریخ ہذا سے زیادہ حالات نہین ہین۔ تاریخ قطب شاہی ایک مستند تاریخ قطب شاہیون کے تذکرے مین ہے اسلیئے ہم اُسی سے تاناشاہ کا ذکر لکھتے ہین۔

ابوالحسن تاناشاہ

نسلاً چغتائی۔ مذہباً شیعہ۔ اصلی نام ابوالحسن اور عبداللہ قطب شاہ کا داماد اور قطب شاہیہ سلطنت کا آخر فرمانروا تھا۔ چونکہ سلطنت قطب شاہیہ کا زوال اور خاتمہ اِسی پر ہوا۔ اسلیے تذکرہ نویسون نے اسکو خاندان قطب شاہیہ کا ڈوبتا ہوا آفتاب اور سلطنت شیعہ کا گُل ہوتا ہوا چراغ لکھا ہے سلطنت قطب شاہیہ مین تاناشاہ کا وراثتاً کوئی حق نہ تھا۔ چونکہ اُس شہنشاہ دوجہان اور مالک زمین و آسمان نے اُسکی تقدیر مین بادشاہ ہونا لکھدیا تھا۔ اسلیے ایسے اسباب پیش آئے کہ یک بیک وہ قطب شاہیہ سلطنت کا مالک ہوگیا ؎

گدا کو چاہے تو دم بھر مین بادشاہ کرے

اِس موقع پر اسبات کی ضرورت ہے کہ ہم تاناشاہ کے اسباب سلطنت کو بیان کردین اگرچہ طوالت کا خوف ہے لیکن ناظرین کو معلوم ہوجائیگا کہ تاناشاہ کو سلطنت کا حق کیونکر حاصل ہوا اور کسطرح تاج شاہی اُسکے سر پر رکھا گیا۔ تاناشاہ کا ابتدائی عمر کا زمانہ یوہین سا گذرا لیکن ہوش و حواس سنبھالنے کے بعد اُس نے تحصیل علم پر توجہ کی پورے ۱۴ برس طالب علمی مین گذارے۔ تحصیل علم کے بعد اُسے تصوف کا شوق ہوا۔ جسکا اُن دنون حیدرآباد مین بہت چرچا تھا۔ اُسوقت صوفیون مین سید راجو[1] حسینی صاحب کے

---

[1] سید صاحب نے قلعہ گولکنڈہ کی لڑائی سے پہلے وفات پائی اور اُس گنبد مین جو (بقیہ صفحۂ آیندہ)

کمال کی زیادہ شہرت تھی اور طبقۂ مشائخین اور گروہ صوفیہ مین سید صاحب توقیر اور عزت سے دیکھے جاتے تھے ۔ تاناشاہ کا زیادہ تر وقت سید صاحب کے یہان حلقۂ قلندرون مین بسر ہوتا تھا ۔ اور اسی سبب سے لوگ مشہور کرتے ہین کہ تاناشاہ سید راجو حسینی صاحب کا مُرید تھا ۔

عبد اللہ قطب شاہ جسکو حقیقتاً سلطنت قطب شاہیہ کا آخر فرمانروا تصور کرنا چاہیئے اسوقت سلطنت تلنگ (حیدر آباد) کا بادشاہ تھا ۔ عبد اللہ قطب شاہ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف تین لڑکیان تھین ۔ پہلی لڑکی سلطان محمد اور دوسری میر احمد کربلائی کے نکاح مین تھی تیسری لڑکی ناکتخدا تھی ۔ جو سید سلطان سے منسوب تھی ۔ روز نکاح مقرر ہوگیا ۔ سامان شادی و برات بہمہ وجوہ تیار ہوا اور سید سلطان غسل کرنے بیٹھا ۔ چاہتا تھا کہ غسل کرکے پوشاک پہنکر سوار ہو ۔ لیکن یہان تقدیر نے تو اور ہی گل کھلا رکھا تھا ۔ سید سلطان نے بادشاہ کے پاس کوئی پیغام ایسا کہلا بھیجا ۔ جس سے بادشاہ کا مزاج برہم ہوگیا اور بیساختہ وہ کہہ اٹھا کہ مین اپنی اس بیٹی کی شادی کسی فقیر سے کردونگا ۔ لیکن سید سلطان کو نہ دونگا ۔ اس خبر سے محل مین شور مچگیا بیگم سلطان نے جو نہایت عقیلہ تھی بادشاہ سے عرض کی کہ ابوالحسن نسل چغتائی سے ہے اور قرابتاً ہمسے وہ قریب ہے اور اس وصف کے سوا وہ ہمیشہ زمرۂ قلندرون مین رہا کرتا ہے ۔ اگر مناسب ہو تو اس لڑکی کی شادی اُسی سے کردیجائے ۔ بادشاہ تو خدا سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷ ۔ فتح دروازے کے جنوب واقع ہے مدفون ہوئے ۔ اپنا گنبد اپنی زندگی ہی مین بنوانا شروع کیا تھا ۔ سید محمد گیسو دراز صاحب سے انکا سلسلہ اسطرح سے ملتا ہے ۔ سید راجو بن شاہ اسد اللہ بن شاہ صفیر اللہ بن سید راجو بیجاپوری بن برادر حسین شاہ ولی بن اسد اللہ بن صفیر اللہ ثانی بن اسد اللہ بن عسکر اللہ بن صفیر اللہ دکن بن سید محمد اکبر بن سید محمد گیسو دراز بن سید محمد یوسف راجو قتال حسینی

چاہتا تھا کہ کوئی شخص ایسا ملجائے جسکا حسب نسب درست ہو اور درویشی کی بھی صفت رکھتا ہو کہ اُس سے لڑکی کا نکاح کردون فوراً قبول کر لیا اور اُسی وقت حسب مشورہ بیگم تانا شاہ کی تلاش مین ملازمون کو دوڑایا۔ عصر کا وقت تھا۔ سید راجو حسینی صاحب اپنے باغ مین درختون کو پانی دلا رہے تھے۔ تانا شاہ نے جاکر سلام کیا۔ اُس ولی اللہ نے فرمایا۔ ابو الحسن آ۔ مین تیرے ہاتھ مین مہندی لگاؤن کیونکہ اسوقت بادشاہ کی لڑکی کی حنابندی ہو رہی ہے اور اپنے پاس بلاکر باغ سے مہندی توڑ کر تانا شاہ کی چھوٹی انگلی پر لگائی۔ بعض کا قول ہے کہ باغ کی کیاری سے گیلی مٹی لیکر لگائی تھی۔ اس عرصے مین عبد اللہ قطب شاہ کے ملازم آموجود ہوئے اور تانا شاہ کو ہاتھون ہاتھ لیجاکر اور لباس شاہانہ پہنا کر بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کردیا۔ گویا اُسیوقت سے تانا شاہ قطب شاہیہ سلطنت کا حقدار ہوگیا اور اسباب سلطنت کی ابتدا ہوئی۔

جب سید سلطان کو خبر ہوئی۔ فوج لیکر کارزار پر مستعد ہوا۔ لیکن اُسکی پیشرفت نہ گئی آخر کو حیدرآباد سے کوچ کرکے اورنگ آباد چلا آیا اور میر جملہ خانخانان کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ تانا شاہ ہمیشہ سے خوش خلق اور سخی تھا۔ شادی ہونے کے بعد امرا اور وزرا سے سلوک کیا کرتا تھا۔ اور اسیوجہ سے تمام ارکین سلطنت اُسکی صلاحیت اور سخاوت سے راضی اور داد و دہش اور حسن اخلاق سے خوش تھے۔ بخلاف اسکے میر احمد جو دعویدار سلطنت تھا۔ نہایت زشت خو۔ بخیل اور ہمیشہ امرا سے کج خلقی کرتا رہتا تھا۔ تانا شاہ کے نکاح کے بعد اُسکا خسر عبد اللہ قطب شاہ چار سال زندہ رہا۔ ۴۶ برس سلطنت کرکے ۶۰ برس کی عمر مین ۳ محرم سنہ ۱۰۸۳ ہجری یکشنبہ کے دن انتقال کیا۔ قطب شاہ کے مرنے کے ساتھ ہی تخت نشینی کی بابت وارثون مین اختلاف پڑا اور نوبت مابین مین جدال

وقتال کا بازار گرم ہوا۔ چونکہ ملک بخش حقیقی کی اعانت تاناشاہ کی معاون تھی اسلیے ارکین سلطنت اُسکے طرفدار ہوگئے اور سبھون نے اتفاق کرکے عبداللہ قطب شاہ کے سوم کے روز ۵ محرم ۱۰۸۳ھ ہجری مین تخت پر بٹھایا اور سید مظفر کو وزیر مقرر کیا۔ اور اسطرح سے تاناشاہ بادشاہ ہوگیا۔ سید مظفر وزیر باتدبیر تھا لیکن بادشاہ اور بعض امرا اُس سے کسی مصلحت مین ناراض ہوگئے آخر کو سید مظفر کو معزول کرکے مادنا پیشکار کو قلمدان وزارت سے سرفراز کیا اور عہدہ پیشکاری پر اُس کے بھائی نیکنا (اکنا) کو مقرر کیا۔ مادنا اور نیکنا کرناٹک کے رہنے والے تھے اور بعض کہتے ہین کہ میرم کے کسی کلکرنی (پٹواری) کے بچے تھے۔

تاناشاہ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی عیش و عشرت مین مشغول ہوگیا اور مادنا اور نیکنان دونون رفتہ رفتہ سلطنت کے مختار اعظم ہوگئے۔

دونون نے سلطنت پر پورا قبضہ پاتے ہی ظلم شروع کیا۔ قدیم اہلکارون کو برطرف کرکے اپنے ہم قوم برہمنون کو مہمات سلطنت مین شریک کیا۔ فوج کی تنخواہ کم کردی تعصب مذہبی سے اسلام کو کمزور اور اپنے مذہب کو قوت دینے لگے خلاصہ یہ کہ ظلم سے ہزارون گھر برباد اور سینکڑون خاندان جلاوطن ہوگئے۔ مسلمان تنگ آگئے۔ اُسی زمانے مین شاہ اورنگ زیب غازی نے شاہزادہ شاہ عالم بہادر کو جرار لشکر کے ساتھ بیجاپور کی تسخیر کیواسطے مقرر کیا تھا۔ چونکہ مہم بیجاپور نے طول کھینچا۔ اس لیئے شاہ اورنگ زیب اورنگ آباد سے احمد نگر ہوتا ہوا شولاپور آیا۔

شولاپور مین تاناشاہ کا ایک خط اُسکی نظر سے اس مضمون کا گزرا۔ کہ مین ابھی تک بادشاہ عالیجاہ سے مراسم بزرگی ادا کرتا رہا۔ لیکن بادشاہ نے سکندر عادل شاہ کو

تنہیم سمجھکر بیجاپور تسخیر کرکے اُسکو تنگ کیا ہے۔ اسیلئے مجھے ضرور ہوا کہ جمعیت موفورہ بیجاپور کے علاوہ ایک طرف سے جرار سوارون کی فوج بسرداری خلیل اللہ خان معرکے کیواسطے مقرر کرون اور دوسری طرف سے راجہ سنبھا بیشمار لشکر سے کمک کرے دیکھون کہ آپ کس کس طرف سے مقابلہ کرینگے۔

اس خط کے دیکھتے ہی اورنگ زیب کی آتش غضب بھڑک اُٹھی اور بیساختہ کہا کہ مین نے معمول سارنگ ساز کی گوشمالی موقوف کی تھی اب (مادہ خروس) مرغی بھی بانگ دینے لگی اور اُسیوقت مہمات بیجاپور کی تعویق کے باوجود شاہزادہ شاہ عالم بہادر کو تاناشاہ کے استیصال کیواسطے مقرر کیا۔ خلیل اللہ خان باتفاق شیخ منہاج ورستم راؤ عمزادہ نیکنا و مادنا شاہزادے کے مقابل ہوے۔ اور قصبے سیڑم اور ملکھیر مین چند لڑائیان ہوئین آخرالامر میدان فتح شاہزادے کے ہاتھ رہا۔ شاہزادہ شاہ عالم بہادر نے کہ اخلاق حمیدہ سے موصوف تھا کہلا بھیجا کہ اگر سیڑم وملکھیر وپرگنہ ناکاوی (جنیاپور) اور پرگنہ اُڑکی و کوڑولی جسپر افواج پادشاہی قابض ہوگئی ہے بخوشی بادشاہ جمجاہ کو پیش کر دئے جائین تو مین عرضداشت سفارش بادشاہ کے حضور مین بھیجکر صلح کرا دیتا ہون خلیل اللہ خان صلح پسند نے قبول کر لیا۔ لیکن رستم راؤ اور شیخ منہاج نے نہ مانا اور لڑائی پر آمادہ ہوے اِس معرکے مین بہت سی توپین اور فوج تاناشاہ کے پاس سے امداد کو آئی۔ سخت لڑائی کے بعد رستم راؤ وغیرہ کو ہزیمت ہوئی اور امدادی فوج نے پسپا ہوکر راہ فرار اختیار کی۔ افواج بادشاہی نے تعاقب کرکے لوٹ مار شروع کی۔ شیخ منہاج نے پیغام دیا کہ شاہان سلف کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ تاراج کا ہاتھ عورتون پر دراز نہین کرتے اگر مجھے چار گھڑی فرصت دیجائے تو قبائل سے اطمینان کرکے مقابلہ کرون۔ شاہ زادے

شاہ عالم بہادر نے ہمت اور جوانمردی سے تلوار میان مین کی اور فوج کو تاخت و تاراج سے باز رکھا۔ شیخ منہاج نے قبایل کو کھڑکی کیطرف سے حیدر آباد روانہ کر کے سہ پہر کو افواج بادشاہی سے مقابلہ کیا اس لڑائی مین شیخ منہاج اور رستم راؤ نے نہایت دلیری اور مردانگی دکھائی لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ دونون زخمی ہوئے اور سپاہ بھی بہت سی ماری گئی۔ باقی ماندہ سپاہ رات کو متفرق ہو گئی اور ہر ایک نے حیدر آباد کا راستہ لیا۔ بھاگی ہوئی فوج نے حیدر آباد پہنچکر تانا شاہ سے خلیل اللہ خان کی شکایت کی اور نیز نیکنا اور مادنا نے بادشاہ کے ذہن نشین کرا دیا کہ خلیل اللہ خان شاہزادہ شاہ عالم بہادر سے ملگیا ہے اور اُسکی ملازمت کرنا چاہتا ہے۔ اسپر تانا شاہ نے خلیل اللہ خان کو مقید کرنے اور مار ڈالنے کی فکر کی۔

خان مذکور یہ خبر پاتے ہی شاہزادے کی خدمت مین حاضر ہو گیا اور ۱۰۹۶ھ ہجری مین ملازمت اختیار کر لی۔ اور منصب ہفت ہزاری سے سرفراز ہو کر چھ ہزار سوارون کا سردار مقرر ہوا۔ اور مہتاب خان کے خطاب سے سرفرازی پائی اور اُسی سال شولاپور مین شاہ اورنگ زیب سے خلعت اور پانچہزار روپیہ انعام پایا۔

جب یہ خبر تانا شاہ کو پہنچی۔ کمال اضطرار سے رات کو چھپکر مع قبایل اور خادمہ اور جواہر و اشرفی جسقدر کہ لیجا سکا۔ قلعہ گولکنڈہ مین چلا گیا باقی تمام کارخانجات شاہی اور مال و متاع جسکی تعداد پانچ کروڑ سے زیادہ تھی مع سپاہ و رعایا شہر مین چھوڑا جب یہ خبر شہر والون کو ہوئی اکثرون نے بے سر و سامان گولکنڈہ کا راستہ لیا۔ ہزار ہا شرفا نے مال و اُسباب لیجانیکی فرصت نہ پائی بحال خستہ صرف عیال و اطفال کا ہاتھ پکڑ کر شبا شب گولکنڈہ کو راہی ہوئے۔ یہانتک نوبت پہنچی کہ اکثر عورتین بے پردے اور بے برقع کے چلی گئین

اوباشون نے جب شہر کا یہ حال دیکھا لوٹنا شروع کیا۔ تمام شب ہنگامہ اور فساد برپا رہا۔ صبح کو یہ خبر شاہزادۂ شاہ عالم بہادر کو (کہ حیدرآباد سے اسطرف چھ کوس پر پڑا ہوا تھا) ہوئی۔ اِسکو فتح غیبی سمجھکر فی الفور نوبت و نقارے سے حیدرآباد پہونچگیا۔ لوٹ مار تو پہلے سے شروع تھی افواج بادشاہی نے پہنچتے ہی اور تاراجی آغاز کی اگرچہ شاہزادے نے سختی سے منع کیا۔ لیکن اُسوقت کوئی فایدہ نہوا۔ آخر کوتوال کو حکم دیا کہ چار پانچسو سوارون سے تاناشاہ کے بقیہ کارخانجات اور مال کی محافظت کرو۔ اِس عرصے مین تاناشاہ کے ملازمین نے خاص تاناشاہ کیطرف سے درخواست عفو جرایم شاہزادے کے سامنے پیش کی۔ شاہ عالم بہادر نے فرمایا کہ اگر تاناشاہ سالانہ خراج کے علاوہ ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ اور محالات مقبوضہ و مفتوحہ بادشاہ عالیجاہ کے نذر کرے اور مادنا و نیکنا کو کہ مایۂ فساد اور حیدرآباد کی تخریب کے باعث ہوئے ہین مقید کرکے حاضر کرے تو مین اِن شرایط سے اُس کے قصور کی معافی طلب کرکے صلح کرا دیتا ہون۔

مخفی نہ رہے کہ اس سے پہلے بھی تاناشاہ نے اورنگ زیب سے اپنے قصور کی معافی چاہی تھی۔ جسکے جواب مین سعادت خان کے نام فرمان بدین مضمون صادر ہوا تھا کہ ابوالحسن کے افعال قبیحہ احاطہ تحریر اور تقریر سے باہر ہین۔ کافر و فاجر مادنا کو وزیر کیا۔ سادات و شرفا کو بے اختیار کیا۔ فسق و فجور کو رواج دیا۔ علانیہ شراب خواری جایز کی۔ کفر و اسلام اور ظلم و عدل مین فرق نہ رکھا۔ مسلمانون کے مقابلے مین کفارون کی امداد کی غرضکہ اسلام کی کسی بات پر قایم نہ رہا اب عفو تقصیرات کی اُمید دنیا و عقبی مین رکھنا عبث ہے

نہ ہے تصور باطل نہ ہے خیال محال

ادھر یہ فرمان پہلے سے آچکا تھا اور دوسری طرف تاناشاہ کے اکثر اراکین اور سرداران فوج مادنا اور اکنا سے تنگ آگئے تھے اور موقع ڈھونڈھتے تھے کہ کسیطرح اُن دونون نابکارون کو قتل کرین۔ اتفاقاً یہ دونون ناہنجار قلعہ کی دیوار کے نیچے کسی مشورے کے واسطے بیٹھے تھے۔ کہ چند لوگون نے پہونچکر دونون کو فی النار والسقر کیا اور کسی ہوشیار آدمی کے ہاتھ دونون کے سر شاہزادے کے نزدیک بھیجدیا۔ شاہزادے نے خوش ہوکر درخواست صلح شاہ اورنگ زیب کی خدمت مین بھیجی جو بظاہر منظور ہوئی۔ لیکن نوبت صلح کی نہین آئی تھی کہ تاناشاہ کی فوج نے افواج بادشاہی پر حملہ کر دیا۔ میر ہاشم اور بعضے سردار زخمی ہوکر گرفتار ہوگئے۔ شاہزادے شاہ عالم بہادر نے بباعث گرانی غلہ حیدرآباد سے کوچ کرکے قصبہ کوہیر مین قیام کیا۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی کئی لڑائیان ہوئین۔ آخر کی لڑائی مین جو حیدرآباد سے دو منزل پر ہوئی تاناشاہ کو شکست فاش ہوئی اور مقید ہوگیا۔

تاناشاہ کی مستقل مزاجی

تاناشاہ علم وفضل کے سوا مستقل مزاجی کی خاص صفت سے موصوف تھا۔ سخت سے سخت حادثے پر وہ استقلال کو ہاتھ سے جانے نہین دیتا تھا جسوقت شاہزادے شاہ عالم بہادر مع فوج قلعہ مین آگیا۔ اور دار وگیر کی مہیب صدا تاناشاہ کے کان مین پہونچی۔ دیوان خاص سے محل خاص مین گیا اور ہر ایک کو تسلی دیکر واپس آیا اور ناخواندہ مہمانون کا منتظر ہوا۔ چونکہ وہ وقت خاصہ کھانے کا تھا اِسلیئے باورچی سے دسترخوان بچھانیکی تاکید کی۔ اِس عرصے مین روح اللہ خان اور مختار خان نے پہونچکر سلام کیا تاناشاہ نے جواب دیکر بہ تعظیم بٹھایا اور باتین کرنی شروع کین۔ اثنائے گفتگو مین باورچی سے

دسترخوان بچھانیکی اطلاع کی۔ دسترخوان بچھایا گیا اور تاناشاہ نے روح اللہ خان اور مختار خان سے شریک ہونے کو کہا۔ مختار خان و تین آدمیون سے شریک دسترخوان ہوا۔ لیکن روح اللہ خان نے از راہ استعجاب پوچھا کہ یہ کھانے کا کون وقت ہے تاناشاہ نے جواب دیا کہ کھانے کا یہی وقت ہے۔ اِسوجہ سے کہ مین نے سلطنت کے بار گران سے نجات پائی۔ اب یہ بار دوسرے کے سر پہ ہے۔ مین سبکدوش ہوگیا۔

القصہ تاناشاہ نے بعد فراغت طعام سوار ہوکر امرا کے حلقے مین قیدیون کیطرح شاہزادے کے نزدیک جو قلعہ کے دروازے والے خیمہ مین منتظر بیٹھا تھا پہونچکر مالاے مروارید گران بہا پیش کیا۔ شاہزادے نے قبول کرکے دست شفقت پیٹھ پر پھیر کر دلاسے اور تسلی سے شاہ اورنگ زیب کے سامنے حاضر کیا۔ شاہ اورنگ زیب نے جیسا کہ پادشاہان خطابخش کا طریقہ ہوتا ہے خطا معاف کرکے بہت ہی اکرام و نوازش کی نعمت خان عالی نے اس آخر کی فتح مین ایک تاریخ صنعت تعمیہ مین لکھی ہے۔

تاریخ از نعمتخان عالی

بوالحسن داشت جا بہ چار بہ محل ۲۸۲
بدرش کردہ از ان میان تقدیر

اُو برون رفت و این بجاش نشست ۱۰۷
شاہ اورنگ زیب عالمگیر ۹۷۳

ملہ تاریخ کو لاس مین لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے تاناشاہ کو اپنے سامنے نہین بلایا۔ بلکہ علحدہ ایک خیمہ مین باعزاز و اکرام ساتھ رکھا۔ جب شہر حیدرآباد اور قلعہ گولکنڈہ کے انتظام سے فارغ ہوکے سنہ ۱۰۹۹ ہجری مین بیدر واپس ہوا تو جان نثار خان کے ہمراہ قلعہ دولت آباد مین بھیجدیا۔ ۱۲

(۲۸۲ - ۱۵۷) + ۹۷۳ = ۱۰۹۸ - اول چار محل کے عدد (۲۸۲) لین اور بوالحسن کے عدد (۱۵۷) اُس سے وضع کرین۔ باقی ۱۲۵ ہین شاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عدد ۹۷۳ جمع کرین تو (۱۰۹۸) ہوتے ہین۔ اس کے بعد جب شاہ اورنگ زیب حیدر آباد کے اطراف کا انتظام کر کے بیدر آیا تو تانا شاہ کو جان نثار خان کے ساتھ قلعہ دولت آباد روانہ کیا اور خوراک و پوشاک اور تمام اشیا مایحتاج و آسایش کی تاکید کی۔

دولت آباد کے قلعہ مین اُس مکان کو جسمین تانا شاہ مقید تھا مینے خود دیکھا ہے وہ چینی محل کے نام سے مشہور ہے۔

آثار پدید است صنادید عجم را	از نقش و نگار در و دیوار شکستہ

گو وہ مکان گر گیا لیکن اُسکے نقش و نگار ابھی تک تھوڑے سے باقی ہین۔

مورخین نے تانا شاہ کی عمر کا حال اسطرح سے لکھا ہے کہ ۱۴ سال طفلی مین (۱۴) سال تحصیل علم مین۔ اور ۱۴ سال اپنے مُرشد سید راجو حسینی کی خدمت مین اور ۱۴ سال سلطنت مین اور ۱۴ سال قلعہ دولت آباد مین گزرے۔

قید کی حالت مین تانا شاہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام بندۂ سلطان رکھا جب وہ سن تمیز کو پہونچا حسب الحکم اورنگ زیب دربار مین آنے لگا۔ ملازمان تانا شاہ حقوق سابقہ کے خیال پر اُسکی تعظیم اور تکریم کرتے اورنگ زیب کو جب اِسکی خبر ہوئی۔ دربار کی حاضری سے منع کر کے نظر بند کر دیا اِسکے بعد پتہ نہین چلتا کہ بندۂ سلطان کا کیا حال ہوا۔

وفات

تانا شاہ کی وفات کے بھی قصے عجیب و غریب مشہور ہین۔ عوام تو اس کے مرنے کا الزام شاہ عالمگیر پر لگاتے ہی ہین۔ لیکن اکثر خواص بھی یہی سمجھتے ہین کہ جب عالمگیر کو

اِس کے مارنے کی فکر ہوئی اور تاناشاہ کو معلوم ہوا کہ بادشاہ میرے قتل کی فکر مین ہے تو خود تاناشاہ نے عالمگیر سے کہلا بھیجا کہ اگر بادشاہ کو میرے قتل کی فکر ہے تو فقط اِسقدر کافی ہے کہ میرے سامنے ایک گھوسن (گولن) نکالدیجائے چنانچہ عالمگیر نے ایسا ہی کیا اور جیسے ہی تاناشاہ کے سامنے سے گھوسن نکلی صرف اُس کی بُو سے تڑپکر مرگیا۔

یہ من گھڑت روایت بالکل لغو اور سراسر جھوٹ ہے اسکی کچھ اصلیت ہی نہین ہے صاحب قطب شاہی نے تاناشاہ کی وفات کا حال اِسطرح سے لکھا ہے کہ جب تاناشاہ کو قلعہ دولت آباد مین ۱۳ سال گزرے تو آخر وقت اسہال کبدی مین مبتلا ہوگیا۔ اور رفتہ رفتہ اُس نے بالکل ناتوان کر دیا۔ اُس شب کو جسکی صبح اُس نے وفات پائی قلعدار نے خواب مین دیکھا کہ ابوالحسن کی نعش کو قلعہ سے باہر نکالکر سید راجو قتال حسینی پدر بزرگوار سید محمد گیسو دراز صاحب کی قبر کے نزدیک دفن کر۔ قلعدار نے بعد مشاہدہ خواب حاضر ہوکر خواجہ سرا کی وساطت سے تاناشاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے کوئی بات ضروری عرض کرنی ہے۔ ابوالحسن نے جواب دیا کہ تجھسے جو کچھ خواب مین کہا ہے۔ مجھسے بیداری مین کہا ہے۔ تجھے جیسا حکم ہوا ہے عمل کر۔

پنجشنبہ ۱۲ ربیع الثانی سنہ ۱۱۱۱ یا ۱۱۱۲ ہجری مین تاناشاہ نے وفات پائی۔ وصیت کے بموجب قلعدار نے جنازے کو قلعہ سے باہر نکالکر حضرت سید راجو قتال حسینی صاحب کے مرقد کے نزدیک مدفون کیا۔

تاناشاہ کی یادگار

تاناشاہ نے اپنی یادگار مین ایک چارمحل اور دوسری عمارت گوشہ محل چھوڑی ہے۔ چارمحل مین باروت رہا کرتی تھی۔ کچھ حصہ باروت سے اور ایک حصہ موسیٰ ندی کی

طغیانی سے خراب ہو گیا کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اشک آنہم صبر و طاقت از دل بیتاب برد ٭ پارهٔ او سوخت آتش پارهٔ او آب برد

چونکہ ہمکو فرخندہ بنیاد حیدرآباد دیکھنے کا اتفاق نہین ہوا۔ لہذا ان دونون یادگارون کی موجودہ حالت کو بیان نہین کرسکتے کہ کس حالت مین ہین۔

ذکر احمد نظام شاہ اور برہان نظام شاہ

سید راجو قتال حسینی صاحب کی درگاہ سے باہر جانب شمال احمد نظام شاہ اور برہان نظام شاہ کا گنبد ہے۔ یہ گنبد ملک عنبر کے گنبد کے سوا اس مقام کے سب گنبدون سے بڑا ہے۔

احمد نظام شاہ ملک نایب نظام الملک کا بیٹا تھا۔ ملک نایب بیجانگر کے برہمنون کی اولاد سے تھا۔ ملک نایب کا اصلی نام تیما بھٹ اور اس کے باپ کا نام بھریو تھا۔ احمد شاہ بہمنی کے وقت مین بیجانگر کے مسلمانون کے ہاتھ مین گرفتار ہو کر مسلمان ہوا اور ملک حسن سے منسوب ہو کر نظام شاہیون کے غلامون مین داخل ہوا۔ احمد شاہ نے ملک حسن کو اپنے بڑے بیٹے محمد شاہ کے ساتھ مکتب مین بھیجا اور اُس نے تھوڑے عرصہ مین استعداد بہم پہنچا کر ملک حسن بھریو سے شہرت پائی۔ چونکہ محمد شاہ لڑکپن مین لفظ بھریو کو تحریف کر کے بحری کہتا تھا اسوجہ سے ملک حسن عام و خاص مین بحری ملقب ہوا۔ محمد شاہ نے اپنے عہد سلطنت مین ملک حسن کو معتمدون مین داخل کر کے منصب ہفت ہزاری اور ماہی مراتب سے سرفراز کر کے بمناسبت لفظ بحری تمام شکاری جانورون کا سردار (کہ اُسوقت کی اصطلاح مین مغول قوش بیگی کہتے تھے) مقرر کیا اور اس تقریب سے اُسکا رتبہ بڑھگیا اور آخر کار نظام الملک بحری کے خطاب سے اختصاص پایا اور بمضمون ؎ بموافقت ستارهٔ بلندی ٭ خواجہ جہان کے التفات سے

سلطنت تلنگ کا طرفدار ہو کر راج مندری اور کندبیل مع اُسکے مضافات کے قبضے مین آیا۔ خواجہ جہان کے مارے جانے کے بعد اُسکا قایم مقام ہو کر بخطاب ملک نایب مشہور ہوا اور محمد شاہ کی وفات کے بعد اُسکی وصیت پر اُس کے بیٹے سلطان محمود کا وزیر ہوا اور قصبہ بیڑ اور دوسرے پرگنہ جات جو دولت آباد کے تحت مین تھے اپنے بیٹے احمد شاہ کو دیا۔ احمد شاہ نے اپنی قوت رفتہ رفتہ بڑھانی شروع کی اور چند روز مین قصبہ پٹن کے علاوہ تمام ملک پر قبضہ کرکے احمد نگر کے تخت پر متمکن ہوا۔ احمد شاہ پرہیزگار رعیت پرور۔ خداترس اور عادل تھا۔ اس کے خصایل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ بہت ہین سنہ ۹۱۴ھ ہجری مین وفات پائی اور باغ روضے مین مدفون ہوا۔ احمد شاہ کا مذہب سنت وجماعت تھا۔

برہان نظام شاہ

احمد شاہ کے بعد اُسکا بیٹا برہان نظام شاہ بادشاہ ہوا۔ ۴۷ برس سلطنت کرکے مرگیا اور باپ کے پہلو مین دفن کیا گیا۔ برہان نظام شاہ مذہب اثنا عشری کا بانی تھا جس سال برہان نظام شاہ نے وفات پائی اُسی سال سلطان محمود گجراتی اور سلیم شاہ بادشاہ دہلی نے انتقال کیا۔ مولانا غلام علی پدر محمد قاسم صاحب فرشتہ نے یہ تاریخ نظم کی ہے

سہ خسرو را زوال آمد بیکسال — کہ ہند از عدل شان دار الامان بود
یکے محمود شاہنشاہ گجرات — کہ ہمچو دولت خود نوجوان بود
دوم اسلیم شہ سلطان خوبان — کہ در ہندوستان صاحبقران بود
سوم آمد نظام آن شاہ بحری — کہ در ملک دکن خسرو نشان بود

زمن تاریخ فوت این ہر سہ خسرو
چہ پرسی زوال خسروان بود

صاحب فرشتہ نے احمد نظام شاہ اور برہان نظام شاہ کے سوا اِس خاندان کے اکثر شاہزادون کے گنبد اور مزار باغ روضے مین تبلائے ہین۔ بلا شک بہت سے گنبد (اُس تختے زمین پر جو باغ روضے سے منسوب ہے) ٹوٹے پھوٹے اب تک موجود ہین۔ لیکن آنکنحان کے گنبد کے سوا تحقیق یہ کہا نہین جا سکتا کہ یہ فلان کا گنبد ہے۔

سید نصیر الدین صاحب پون پیک

احمد نظام شاہ کے گنبد سے پچھم اور حضرت راجو قتال حسینی صاحب کی درگاہ کی مسجد سے باہر گوشۂ شمال وغرب مین سید نصیر الدین صاحب پون پیک کی قبر ہے سید صاحب بھی شیخ برہان الدین اولیا صاحب کے مقبول خلفا مین تھے اِن کے حسب کی شاخ درخت ولایت اور نسب کی ڈالی شجر نبوت سے ملتی ہے۔

ایکوقت برہان الدین اولیا صاحب عشا کی سنت کے فضایل بیان فرما رہے تھے سید صاحب نے عرض کی کہ اِن سنتون کے ادا کرنے مین کیا کیا فایدے ہین۔ حضرت نے فرمایا کہ بخل اور حسد اور بغض دفع ہوتا ہے۔

پنج بیبیونکا چبوترہ

سید صاحب کے مزار سے شمال چند قبرونکا احاطہ اور اُس سے شمال پانچ قبرونکا ایک چبوترہ ہے جو پنج بیبیون کا چبوترہ مشہور ہے۔ یہ چبوترہ بہت ہی بوسیدہ اور شکست ہوگیا تھا نواب بشیر نواز جنگ صاحب نے اپنی جیب خاص سے درست کرا دیا ہے یہ پانچون مزار حضرت منتجب الدین اور حضرت برہان الدین اولیا صاحب کی بہنون کے ہین

جنکے اسمائے مبارک حضرت منتجب الدین صاحب کے ذکر مین لکھے گئے ہین۔ انکا عرس ۱۰ر شعبان کو ہوتا ہے۔

مسجد چہاردہ صد اولیا

پنج بیبیون کے چبوترے سے شمال مسجد چہاردہ صد اولیا ہے۔ خلدآباد کی تمامی مساجد سے پہلے اسکا وجود ہوا ہے۔ مشہور ہے کہ ابتدا مین جب منتجب الدین صاحب خلدآباد تشریف لائے تو اول اسی مقام پر جماعت سے نماز ادا فرمائی۔

مسجد کے چبوترے اور چار دیواری کی مرمت نواب صاحب نے جنکا ذکر خیر اوپر ہوگیا ہے کرادی ہے۔ جس سے مسجد محفوظ ہوگئی ہے۔ اور وہ شکایت باقی نہین رہی جو ملک عنبر کے گنبد کے متعلقہ مسجد مین ہے۔ صحن مسجد مین نیب کا ایک درخت اُسی زمانے کا لگا ہوا ہے۔ اُسی کے نیچے ظہیر الدین۔ حسام الدین۔ بہاء الدین اور سراج الدین بھکری آرام کر رہے ہین۔ یہ حضرت منتجب الدین صاحب کے رفقا اور محبوب الٰہی نظام الدین اولیا صاحب کے خلفا مین سے تھے۔ ان سب کا عرس دسوین شعبان کو ہوتا ہے۔ مسجد چہاردہ صد اولیا مین ہر پنجشنبہ کو میلاد شریف ہوا کرتا ہے۔ شیرینی وغیرہ کچہری تُلغور سے منجانب سرکار جایا کرتی ہے۔ امام اور تیل بتی کے لیئے کافی مقدار معین ہے۔

بنگلجات

مسجد چہاردہ صد اولیا کے شمال اور شرق چار بنگلے سرکاری ہین۔ پہاڑ کے لب پر واقع ہونے سے جو فضایت اور فرحت اس مقام پر ہوتی ہے۔ میرے خیال مین ملک دکن

کے کسی قطعہ پر یہ بات شاذ و نادر ہی حاصل ہوتی ہوگی۔ سیاح جو بغرض تبدیل ہوا اور غارہائے ایلورہ دیکھنے آتے ہین انہی مین ٹھرا کرتے ہین۔ مسافرون کی آسایش اور آرام کیواسطے سرکار عالی مدظلہ العالی کیطرف سے بنگلون مین ہر قسم کا سامان مہیا رہتا ہے۔ پُر تکلف سامان اور فرش و فروش اور میز و کرسیون سے ہمیشہ سجے سجائے رہتے ہین۔ جب کوئی معزز مسافر یا امیر یا تاجدار کہین سے آجاتا ہے تو اور زیادہ آرایش کیجاتی ہے۔ اور باقیماندہ سامان سے جو ملک عنبر کے گنبد مین رکھا ہوا ہے رونق دیدیجاتی ہے۔ آرایش کے مجموعی سامان کی قیمت تخمینہ اگر غلط نہو تو پچاس ہزار سے کم نہ ہوگی سربراہی کے واسطے پورا عملہ مقرر ہے۔ انگریزی اور مغلئی باورچیخانے بھی ہین۔ روزانہ کی دیکھ بھال تحصیلدار صاحب خلد آباد کے متعلق ہے۔ دورے کیوقت مجسٹریٹ ضلع اور حاکم صوبہ تنقیح کرتے ہین۔

اس پُر فضا مقام پر پہلے پہل نمبر ۳ کا بنگلہ خس پوش بنایا گیا تھا۔ اُس کے بعد حضور بندگانعالی مدظلہ العالی کی تشریف آوری کیوقت (نمبر ۲) اور اس کے بعد (نمبر ۱) کی بنیاد ڈالیگئی۔ نمبر ایک کے بنگلے مین چھ سردار بخوبی قیام کرسکتے ہین۔

یہ عمارتین کہنے کو تو بنگلے ہین۔ لیکن حقیقتاً عالیشان کوٹھیان ہین۔ مذکورہ بنگلون مین صرف وہی لوگ رہسکتے تھے جو صاحب ضلع یا حاکم صوبہ سے اجازت حاصل کرلیتے تھے۔ ناواقف یا اجنبی مسافر کو (چاہے وہ کیسا ہی مُعزز اور کسی مشہور مقام کا کیون نہو) بغیر اجازت ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ خدا نخواستہ اگر کوئی سیاح کسی طرف سے بھولا بھٹکا رات خُلد آباد آگیا تو صعوبت راہ اور تکان سفر کے سوا سخت مصیبت اُسکو رات بھر پڑ رہنے کی پڑتی تھی۔ یون تو بہتون کو یہ موقع پیش آئے ہون گے۔ لیکن میرے سامنے ایک

فرانسیسی معزز سیاح کو ناگفتہ بہ تکلیف اُٹھانا پڑی۔

فرانسیسی سیاح

سنہ ۱۸۹۷ء مین پانڈی چری کے ایک مجسٹریٹ جو اپنے وطن پیرس (دار الخلافت فرانس) کو جا رہے تھے ہندوستان کے مشہور مقامات کی سیر کرتے ہوئے اسٹیشن پانڈگاون سے سیدھے غارہائے ایلورہ دیکھنے آئے۔ چند غار دیکھنے کے بعد ان بنگلون کو مسافر بنگلے تصور کرکے اوپر چڑھ آئے اور ٹھہرنے کا ارادہ کیا۔ کارکنان بنگلون نے ایسی بیمروتی سے کام لیا کہ مایوس ہو کر بنی بیگم صاحبہ کے باغ مین (بنگلجات خالی نہونیسے اکثر لوگ باغ بنی بیگم مین ٹھہرائے جاتے تھے) تشریف لائے یہان کے سگ بازاری شکاری کتون سے بھی زیادہ چالاک تھے اُن کو اندر قدم رکھنے نہ دیا۔ اور وہ پھر بنگلے واپس آگئے اور وہان سے پھر باغ بنی بیگم مین آئے۔ اِس آنے جانے مین آفتاب لب بام آگیا اور صاحب کے چہرے سے شام غریبان کے آثار نمودار ہونے لگے۔ تانگے کے گھوڑے اور خود تانگے والا علحدہ پریشان۔ اور کیونکر پریشان نہوا اول تو تیس کوس کی منزل اسپر سخت دوسرے گھاٹ کی چڑھائی تیسرے میل بھر کا بار بار آنا جانا چوتھے غربت اور سب سے زیادہ یہ مصیبت کہ زبان سے ناآشنا۔ غرض اُسوقت کی مصیبت وہی شخص خوب سمجھہ سکتا ہے جسکو یہ روز سیاہ پیش آیا ہوگا۔ چار و ناچار صاحب بہادر کو آبادی مین آنا پڑا۔ اتفاق سے مین اور غلام نبی خان صاحب مرحوم موتہندار تحصیل خلد آباد باہر سے تفریح کرتے ہوئے واپس آرہے تھے۔ دیکھا کہ تماشائیون کے ہجوم مین صاحب بازار مین کھڑے ہین۔ ہم دونون نزدیک پہونچے۔ یہ اون کو بہت غنیمت معلوم ہوا اور اونہون نے اپنی زبان مین کچھہ کہنا شروع کیا لیکن یہان ہم دونون انگریزی یا فرانسیسی زبان سے اُسیقدر ناواقف تھے جسقدر صاحب بہادر اُردو سے نابلد تھے۔ اسلیئے کچھہ جواب نہ دیسکے جب جانبین سے

گفتگو کا کوئی نتیجہ برآمد نہوا تب اونہون نے فرمایا ڈوڈ چاء (صرف اسقدر اونکو اُردو بولنا آتی تھی) ہماری سمجھ مین جب یہ گڑھی ہوئی اُردو آئی۔ تب بازار کے اُس بالاخانے پر جسپر موزنیدار مرحوم رہا کرتے تھے لیجانا چاہا۔ پہلے تو وہ ٹھٹکے۔ لیکن جب اشارے سے خوب اطمینان کر لیا تب اوپر چڑھے۔ چونکہ مذکورہ بالاخانہ مغربی آرایش سے پاک تھا۔ اس لئے اُن کے لیے کرسی وغیرہ کا انتظام کرکے دودھ وچاء فوراً پیش کی گئی۔ دو گھنٹے کے بعد کھانا بھی لایا گیا خدا جانے کیا سبب تھا کہ ہمارے معزز مہمان نے دو ہی چار نوالے صرف چپاتوں اور شوربے سے کھائے البتہ دودھ اور چاء (وہ بھی سادی) اچھی طرح پی۔ کھانے وغیرہ کے بعد صاحب کی دلبستگی کی فکر ہوئی مسٹر نرہندر راؤ پیشکار تحصیل خلدآباد جو ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول لیتے تھے بلائے گئے اور وہ دس گیارہ بجے تک بات چیت کرتے رہے۔ اُس کے بعد وہ سو رہے۔ صبح سویرے کھانے وغیرہ کا انتظام اگرچہ اہتمام سے کیا گیا لیکن اُنہون نے چاء پر کفایت کی اور رخصت ہوکر پھر غارہائے ایلورہ دیکھتے ہوئے ناندگانون واپس گئے۔

صاحب موصوف نے ایک کمال یہ کیا کہ چلتے وقت علی الصباح سب سے نظر بچاکر چودہ یا پندرہ روپیہ کلدار فرش کے نیچے رکھدئے۔ غنیمت یہ ہوا کہ موزنیدار[1] مرحوم نے دیکھلیا اور مجھسے کہا۔ مینے جب روپیہ رکھنے کا سبب دریافت کیا تو اشارے سے جواب دیا کہ دودھ اور چاء کی قیمت ہے۔ بہت ہی لجاجت اور اصرار سے رقم اونکو واپس دیگئی اور

---

[1] موزنیدار مرحوم بانس بریلی کے رہنے والے۔ دریادل۔ سیرچشم۔ سخی۔ اور مہمان نواز تھے۔ مسافر نوازی ہی کا سبب تھا کہ ہمیشہ مقروض رہا کرتے تھے۔ اور انکی ماہوار اُن کے اخراجات کو کبھی کافی نہوتی تھی۔ ناگہانی موت سے بہت سی آرزوئین خاک مین لیگئے۔

اُنہون نے بڑے شکریئے سے واپس لی۔

مسٹر ممدوح کی چند لمحہ صحبت سے ہم اون کے اوصاف اور اخلاق کا اندازہ کیسے کر سکتے تھے لیکن انہون نے گھر پہونچکر جو خط میرے نام لکھا اُس سے معلوم ہوا کہ حقیقت مین وہ بہت خلیق تھے۔ سچ یہ ہے کہ اُن کی خوش اخلاقی نے اِس بات کا پورا ثبوت دیدیا کہ یورپی ممالک مین فرانسیسیون کے جو اخلاق عام مشہور ہین وہ بے شبہ صحیح ہین۔ ناشکری ہوگی کہ اگر مین اُس خط کا ترجمہ ناظرین کی خدمت مین پیش نہ کرون۔

۱۱۔ اپریل سنہ ۱۸۹۷ء

جناب من۔ شاید آپکو یاد ہوگا کہ گزشتہ نومبر کے مہینے مین ایک فرانسیسی آپ کے دولتخانہ پر آیا تھا اور آپ نے نہایت مہربانی سے اُسے اپنے ہان جگہ دی تھی آپ کی اُس عنایت کو مین بھولا نہین ہون۔ مین حال ہی مین اپنے وطن پہونچا ہون۔ اور اِس بات کے اظہار کے لیے کہ ابتک مجھے آپ یاد آتے ہین۔ آپکی عنایتون کا شکریہ ادا کرتا ہون۔ فقط

آپکا وفا شعار جی۔ ٹاؤسنٹ۔ ۱۷۔ کوئے۔ بوربن پیرس

مذکورہ بالا مصائب کے خیال سے چوتھا بنگلہ (مسافر بنگلہ) جسمین (۴) معزز مسافر اچھی طرح رہ سکتے ہین بنا دیا گیا ہے۔ اب ہر کس وناکس۔ واقف ناواقف دیسی پر دیسی۔ اسمین بغیر اجازت صرف ایک روپیہ روز ادا کرنے سے ٹھہر سکتا ہے مسافر بنگلے مین ہر قسم کا سامان آسایش مہیا رہتا ہے۔ میری رائے مین اگر نمبری بنگلون کا بھی کرایہ معین کر دیا جاتا تو اچھا تھا۔ کچھہ دنون پیشتر چند روز یہ عمل درآمد شاید جاری بھی رہا ہے۔

غار ہائے ایلورہ

یہ عجائبات جنکا ابھی ذکر ہوا ہے جس پہاڑی پر بنائے گئے ہین اُنکا سلسلہ شمال طرف دُور تک چلا گیا ہے۔ اِسی سلسلے کے دامن مین غرب رویہ غار ہائے ایلورہ ہین۔ چونکہ یہ غار قدیم یادگار اور عجائبات دُنیا مین شمار کئے جاتے ہین لہذا ہم اِس موقع پر اِنکا بھی ذکر لکھے دیتے ہین۔

جنوبی ہندوستان کے اکثر مقامون کے پہاڑ تراش کر اِس قسم کے اور بھی غار بنائے گئے ہین۔ لیکن دوسرون کی نسبت غار ہائے ایلورہ مین زیادہ صناعی اور وسعت ہے غار ہائے ایلورہ کی موجودہ حالت دیکھنے اور واقعات سُننے کیوقت پہلے یہ خیال ہوتا ہے کہ اِن کا موجد کون تھا اور یہ کس زمانے مین بنائے گئے ہین۔ نہایت افسوس ہے کہ اِن ضروری باتون کا پتہ ابتک دریافت نہوا۔ مورخین نے غار ہائے ایلورہ کا جہان کہین ذکر کیا ہے اِن دونون باتون سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ اگر کسی نے کچھ لکھا بھی تو صرف قیاساً صفحہ کو بھر دیا ہے۔

ہندؤن کی بعض کتب مین لکھا ہے کہ یہ غار پانڈون کے کندہ کرائے ہوئے ہین اور وہی لوگ اُسمین رہا کرتے تھے۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ ہندؤن ہی کی ایک قدیم تاریخ مین جسکا نام مہابھارت ہے۔ پانڈون کا مفصل ذکر ہے۔ لیکن اِس مین غارون کے بنانے کا مطلق تذکرہ نہین ہے۔ بلکہ اُس سے پانڈؤن کا دکن مین آنا ہی ثابت نہین ہوتا۔ لیکن اِتنا تو مین بھی اِس موقع پر کہونگا کہ پانڈؤن کے زمانے کے بعد ہی یہ غار تیار کرائے گئے ہین کیونکہ رنگ محل کے تہخانے کی شمالی و جنوبی دیوارون پر جو تصویرین کندہ کی گئی ہین وہ

سب کورو اور پانڈون کے معرکے کے فوٹو ہین اور شاید یہی سبب ہے کہ ہندی مورخین نے ان غارون کو پانڈون کیطرف منسوب کیا ہے ان غارون کی دو دیوارون پر مختلف اقوام - جین - برہمن - بودھ وغیرہ کی تصویرین کندہ ہونے سے بہتون کا یہ گمان ہے کہ یہ غار مختلف زمانے مین مختلف اشخاص نے کندہ کرائے ہین اسپر بھی اگر تھوڑا ہی غور کیا جائے تو یہ دونون اختلاف جلد دور ہو جاتے ہین - اللہ جلشانہ کی قدرت کاملہ مین سے ادنی قدرت ایک یہ بھی ہے کہ اس نے انسانی طبائع مختلف پیدا کئے ہین - پس اگر مختلف اشخاص نے مختلف اوقات مین یہ غار کندہ کرائے ہوتے تو چاہئے تھا کہ طبایع مختلف ہونے سے چوتھا اختلاف (مکانون مین جدت) ضرور ہوتا جو بالکل نہین ہے - بلکہ کل غارون کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ ان کا موجد ایک ہی شخص ہے - اور ایک ہی شخص کی رائے پر یہ سب تیار ہوئے ہین -

مین نے خود جاسج نامہ ملا فیروز اور مصباح التاریخ امیر حسن بیجاپوری نہین دیکھی لیکن مورخ دلچسپ نے ان دونون کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ غار راجہ ہرچند راؤ فرمانروائے دکن - تلنگ - کرناٹک - مدراس - ملیبار نے ایک لاکھ سنگتراشون سے بیس برس مین تیار کرایا -

ہرچند راؤ نے ابتدا مین موم کا نقشہ تیار کرایا اسکے بعد بنیاد ڈالی اور چھوٹے چھوٹے مکانون کے سوا بڑے بڑے اٹھارہ مکان مثل دیوان عام - دیوان خاص - محلسرا - خزانہ - دار الضرب - توشکخانہ - فراشخانہ - سلاح خانہ - اصطبل - فیلخانہ - رتھ خانہ - باورچیخانہ دار الشفا وغیرہ وغیرہ بنوائے - عوام مین مشہور ہے کہ راجہ ایلور نے قلعہ دولت آباد کے ساتھ یہ غار کندہ کرائے ہین عجیب کیا ہے ایسا ہی ہوا ہو - قلعہ دولت آباد کی

حالت بھی غارہاے ایلورہ کے قریب قریب پائی جاتی ہے اُسکے بانی کا بھی پتہ نہین بعضے قیاسی قوم ثمود اور عاد کی تعمیر سے اور بعضے یوناس راجہ کی یادگار بتاتے ہین یہانتک قیاسات تو چندان بیجا نہین ۔ لیکن بعض نافہم جنکو تاریخ سے بہرہ نہین ہے وہ یہ کہتے ہین کہ شہر صبا یہی ہے اور بلقیس یہین رہا کرتی تھی بہرحال اس کے ابتدا اور اس کے موجد کی نسبت ہم کوئی تاریخی ثبوت پیش نہین کرسکتے البتہ اسکی قدامت مین کچھ کلام نہین اور عوام کا یہ خیال کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کئی ہزار برس قبل کے بنے ہوئے ہین ایک حدتک درست ہے ۔ کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دوچار سو برس پہلے بھی تعمیر ہوئی ہوتی تو ضرور کوئی نہ کوئی اسکی تاریخ دنیا کی کسی قوم کے ہاتھ مین ہوتی ۔ برہمنان ایلورہ جو اس کے ماہر شمار کئے جاتے ہین ۔ وہ بھی اس کی ابتدائی حالت اور اُس کے بانی سے بالکل بیخبر ہین اور جہانتک اُنکی واقفیت ہے ۔ محدود اور بے بنیاد ہے ۔

اب جبکہ مذکورہ بات کا پتہ ہم کیا ہمارے بڑون کو نہ ملا تو ہم بھی اُسکو قلم انداز کر کے صرف موجودہ حالت بیان کرتے ہین ۔

غارہاے ایلورہ قدرتی غار نہین ہین بلکہ پہاڑی مکان ہین جو تراش کر بنائے گئے ہین بعضے سہ منزلے بعضے دو منزلے اور اکثر ایک ہی منزل کے ہین ۔ شبہ نہین کہ انکا موجد ذہین عقیل ۔ ذی ہنر ہوگا ۔ اُس نے ان غارون کی تعمیر مین بیدریغ روپیہ اور تصویرین کندہ کرانے مین اپنی اوقات عزیز کو عرصے تک ضایع کیا ہوگا ۔

چھوٹے چھوٹے حجرون اور مختصر مکانون کے سوا دھیڑواڑے سے (جو جانب جنوب ہے) اندر سبھا تک بڑے بڑے (۳۵) مکان ہین جنپر نشان بنا دیے گئے ہین ۔

اور اُن سب مین مشہور مکان یہ ہین "

دھیڑواڑہ[۱] - ستار کی جھوپڑی[۲] - دوتال[۳] - تین تال[۴] - راون کی گھاٹی[۵] - دساوتاری[۶] رنگ محل[۷] (کیلاس) چھوٹا رامیشر[۸] - چھوٹا نیلکنٹھ[۹] - چھوٹا دھومالا[۱۰] - بڑا رامیشر[۱۱] - بڑا نیلکنٹھ[۱۲] - کمہار واڑہ[۱۳] - تیلی کا گھانا[۱۴] - جوگی شر[۱۵] - بڑا دھومالا[۱۶] - چھوٹا کیلاس[۱۷] - ادھرناتھ سبھا[۱۸] - جگناتھ سبھا[۱۹] پرسرام سبھا[۲۰] (راج بیٹھک) اندر سبھا[۲۱] - پارسناتھ سبھا[۲۲] -

بڑا دھومالا (سیتا کی نہانی) والے مکان سے جنوب تقریباً سو گز پہاڑ کی بلندی سے پانی گرتا ہے اور وہ ندی کی صورت ہو کر بستی ایلورے کے پورب نکل گیا ہے -

رنگ محل (کیلاس)

یون تو کوئی مکان ایسا نہین ہے جسکی صناعی انسان کو نقش دیوار نہ بناتی ہو لیکن مشہور مکانون مین رنگ محل - اندر سبھا اور ستار کی جھوپڑی کا کام حقیقت مین ایسا ہے کہ بڑے بڑے عقلا اور حکما اور ماہرین فن سنگتراشون کی دستکاریان دیکھکر دنگ ہوجاتے ہین -

بنظر صناعی دستکاری ہم صرف رنگ محل کے واقعات تبلاکر اس معترضہ بیان کو ختم کرتے ہین - کیونکہ کل غارون کے تفصیلی حالات لکھنے کو مدت فرصت اور اطمینان چاہیئے - رنگ محل کا صدر دروازہ غرب رویہ دو منزلہ اور ڈیوڑھی لانبی چوڑی ہے دروازے کے سامنے پردے کی دیوار پر ایک بڑی تصویر اور اُس کے دونون طرف چھوٹے چھوٹے ہاتھی اور ہاتھیون کے دونون طرف دیوار پر چھ پاروں کی تصویرین ہین - اندر جانے کے بعد دونون طرف بڑے بڑے دو ہاتھی کورو اور پانڈو کے یادگار بنائے

گئے ہین۔ قدامت نے دونون کے چہرے بگاڑ دئے ہین۔

پہاڑ کے بیچ مین دیول ہے۔ دیول اور دروازے کے اوپر کی منزل ایک سطح مین ہے۔ دونون کو ملا کر پل سا بنا دیا ہے۔ اسی پر نندی (بیل) کا دیول ہے۔ وسط کا دیول زیر آسمان اور اُس کے اطراف پہاڑ کے اندر مکان تراشے گئے ہین۔ دونون کے درمیان ہر چہار طرف وسیع راستہ (سڑک) ہے۔ دیول کے شمال پہاڑ مین جسقدر مکان بنائے گئے ہین وہ بڑ لنکا اور جنوب با جسقدر عمارت ہے وہ اڑ لنکا کے نام سے مشہور ہے۔ بڑ لنکا کے وسط مین ایک مکان دو منزلہ ہے۔ جسکا کچھ حصہ تاریکی مین ہے۔

اڑ لنکا کے سلسلے مین غرب سے شرق تک چھہ دالان ہین وسط مین سہ منزلہ مکان ہے جسکی پشت پر ایک دالان اور بھی ہے۔ سہ منزلے مکان کی بیچ کی منزل کا چھجہ اور اور دیول کے جنوبی برآمدے کا سائبان ایک ہی مین تراشا گیا تھا۔ اور اسی کے ذریعہ سے بآسانی اوپر کی دونون منزلون مین آجا سکتے تھے۔ جب سے وہ گر گیا۔ سیڑھی کے بغیر نہین جا سکتے۔ بعض شوقین اُس روزن سے جو سڑک پر واقع ہے۔ رسیون سے اُتر کر دیکھتے ہین۔

دیول کے شرقی پہاڑ کے اندر جسقدر عمارت ہے۔ اسمین بھی بہت سی تصویرین ہین۔ اسطرف کا چھجہ بھی بہت چوڑا ہے۔

دیول کے باہر شمالی اور جنوبی دیوار مین رام راون اور کورو اور پانڈو کے معرکہ کی تصویرین ہین۔ اور ہر چہار طرف دیول کی کرسی مین شیر اور ہاتھیون کی خوفناک صورتین تراشی ہوئی ہین۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل دیول شیر اور ہاتھی اپنے اوپر اُٹھائے

ہوئے ہین۔

دیول کی کرسی بہت اونچی ہے۔ اِسلیئے اُسپر جانے کے لیئے دونون بازو غرب رویہ دو کٹہرکیان ہین۔ جنکے سامنے دونون طرف دو ستون عمارت سے علحدہ تراشے گئے ہین۔ ہنود ان کو شمعدان کہتے ہین۔ ہر دو کٹہرکیون مین زینے ہین۔ زینون ہی سے دیول پر جاتے ہین۔ خاص دیول کا دروازہ بھی غرب رویہ اور اس کے آگے مربع سائبان ہے ہر چہار دیوارون کے ستونون کے علاوہ دیول کے اندر سولہ ستون ہین۔ اور غربی دروازے کو چھوڑ کر شمال و جنوب دو دروازے برآمدے پر جانے کے لیئے اور شرقی دیوار مین دو طرف دو دروازے دیول کی پشت پر جانے کے واسطے ہین۔ دیول کے شرقی ہی دیوار کے وسط مین چھوٹا سا حجرہ ہے جسمین ایک بڑا پتھر رکھا ہوا ہے۔ دیول کے بازو اور پشت پر جانب شرق چھوٹے چھوٹے پانچ دیول اور ہین۔ لیکن اُن مین کوئی بُت نہین ہے دیول کی اندرونی چھت اور ستونون پر قسم قسم کے گل بوٹے۔ بیلین۔ درخت صورتین۔ اور صدہا طرح کے نقش و نگار کندہ ہین۔ ایک مقام پر شہد کی مکھیون کے چھتے اور سیکڑون مکھیان بنی ہوئی ہین۔ مکھیون کے پر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُڑنے چاہتی ہین۔ کسی جگہ پجاری مالا کھٹکھٹا رہا ہے۔ اور ناسے کے واسطے بے جوڑ دھاگے سمیت تراشے ہوئے ہین۔ کہین دیو تخت سر پر اُٹھائے ہوئے اُڑے لیجا رہے ہین۔

خاص دیول اور نندی کے دیول اور دروازے کی چھت پر انجن کی شبیہ اور صدر دروازے کے باہر شمال طرف جنوب رویہ بگھی گھوڑے سمیت اور بہلی اور ہاتھی وغیرہ کندہ ہین۔ غرض ہزارہا قسم کی صناعیان ہین۔ حیرت ہے کہ دیول کا دیول بے جوڑ

بغیر کسی نقص کے کیسے تراشا ہے جہان کہین جو نقش یا صورت بڑی یا چھوٹی کندہ کی ہے اُسمین ذرہ برابر نقصان پیدا نہین ہوا - اور کسی مقام سے پتھر کا چھوٹا سا بھی ٹکڑا علحدہ نہین ہوا -

اندر سبھا ستعار کی جھوپڑی - یہ دونون مکان اگرچہ وسعت مین رنگ محل سے بہت کم ہین لیکن صنعت اور دستکاری مین کسیطرح کم نہین -

بڑے بڑے سیاح جو دنیا کی قدیم یادگارین اور مشہور عمارتین دیکھکر یہان آتے ہین تو ایسے متاثر اور متحیر ہو جاتے ہین کہ تمام صناعیان اُن کی نظرون مین ہیچ معلوم ہونے لگتی ہین - حق یہ ہے کہ غار اتراشان ملک تلنگ وکرناٹک نے صنعت اور حرفت اور فن عمارت مین اپنے کو بےنظیر ثابت کردیا ہے - مکرمی سید محمد عسکر صاحب کنتوری ضلع بارہ بنکی نے ساقی نامہ خلد آباد مین ان غارون کی تصویر نظم مین کھینچی ہے لہذا ہم اس موقع پر ساقی نامہ ہی کے چند اشعار پر غار ہائے ایلورہ کا ذکر ختم کرتے ہین -

کرون گا مین پہلے پلورے کی سیر
کہ مملو بتون سے ہے یہ سارا دیر
ہزارون برس کی ہین یہ مورتین
مگر ہین عجب خوشنما صورتین
جو ہے سامنے کوہ گردون وقار
اسی کے تلے ہین پلورے کے غار
نہین غار ہے نام یہ مستعار
عجائب غرائب ہین نقش ونگار
کہین بیل بوٹے کہین نقش ہین
کہ حیرت فزا اور فرح بخش ہین
وہ غار اتراشانِ ملکِ تلنگ
بنا جن کے ہاتھون ہین قرطاس سنگ
مرقع بنایا عجب بے نظیر
کہ حیرت مین ہین سارے برنا و پیر
جو آتے ہین سیاح روم وفرنگ
وہ سب دیکھکر اُن کو ہوتے ہین دنگ

تراشے وہ پتھر مین نقش و نگار — کہ حیران ہے عقل ہر سادہ کار
بنایا عجب طرح کا بتکدہ — جسے دیکھکر سب ہین حیرت زدہ
برابر مکانون کی ہے اک قطار — کہ جنمین تصاویر ہین بے شمار
قرینے سے ہین سب بلند اور پست — کہین شیر غرّان کہین فیل مست
چکارے کہین اور کہین ہین ہرن — کہین ریچھ و بندر کہین مرد و زن
غضب کے تھے صنّاع خارا تراش — پہاڑون مین کی یہ تراش و خراش
دکھائی ہین کیا صنعتین بے بہا — بنائی ہے اک سمت اندر سبھا
ہے کاریگری اس مین بے حدّ و حصر — تراشا ہے وان تخت دہیم و چتر
بنایا ہے پریون کا جھُرمٹ کہین — انیلی حَسین چُلبلی نازنین
جوانی کے عالم مین البیلیان — کرے ایک سے ایک اٹکھیلیان
ہین پریان کہین اور کہین دیو ہین — کہین ارجن و بہیم اور گیو ہین
بنایا ہے سارا حشم اور خدم — وہ اقبال و گُردان ست و دژم
کہین کرّنا اور کہین گاؤ دم — کہین طبل و طاس اور رُوئینہ خم
وہ خاصے کے گھوڑے و ساز و یراق — وہ زین اور پاکھرسے چو بند و چاق
وہ دُم سُم وہ کان اور کنوتی کی شان — مُہیّا ہے جوّلان گری بے گمان
کفل اور سینے وہ اُبھرے ہوئے — کہین زین کے دامن اُلٹے ہوئے
کوئی اُن مین کوتل کسی پر سوار — کہین ایک دو اور کسی جا قطار
سوارون کے مُنہ پر جھلم سر پہ خود — لیئے ہاتھ مین گرز و بان و عمود
سہے چلتے ہین جوڑے ہوئے کوئی تیر — مخالف کو کرتا ہے کوئی اسیر

کوئی پھینکتا ہے کسی پر کمند
تبر زین سے ہے کاٹتا کوئی بند
کہین باندھے ہوئے کوئی تیغ و سپر
کوئی گرز و گوپال و سیخ و تبر
جوان ہے کوئی اور کوئی پیر ہے
ہے خوش کوئی اور کوئی دلگیر ہے
دکھایا ہے نقش شبستان کہین
تماشا ہے سرو چراغان کہین
کوئی جاپ کرتا ہے مالا لیئے
کوئی ہے کھڑا مرگ چھالا لیئے
کہین ہین فقیر اور کہین ہین امیر
کہین پہلوان ہین کہین گوشہ گیر
کوئی دے رہا ہے کسی کو شراب
بجاتا ہے مردنگ کوئی رباب
ہے رقصان کوئی اور گاتا کوئی
ہے سارنگ و طبلہ بجاتا کوئی
بہن اور بھائی کا اک ماجرا
دکھایا ہے تصویر مین برملا
کہ بے وجہ بھائی نے ماری جو لات
تو بس مڑ گیا پاؤن دیکھو یہ بات
پڑا ہے وہ ناچار اور شرمسار
وہ ہمشیر ہے اس کی تیماردار
اسی طرح زانی کا ہے واقعہ
کہ ضم ہو گئے زانیہ و مزنیہ
کہین سانپ ہین پھن کو کھولے ہوئے
ہین بچھو کہین نیش تولے ہوئے
کہین گاؤ ہے اور کہین گاؤمیش
وہین ان کے نیچے بھی ہین گرد و پیش
ہین بیٹھے درختون پر جیسا پرند
بنائے ہین کیا خوشنما جوڑ بند
کوئی اپنی منقار کھولے ہوئے
ہے اڑنے کو پر کوئی تولے ہوئے
بعینہ کسی جا پہ رقصان ہے مور
پپیہا کہین اور کہین ہے چکور
وہ اسطرح کندہ کیے ہین تو تے
جو دیکھے وہ سمجھے ہین ابولتے
وہ یا بولتے بولتے سو گئے
کہ پتھر کے سب دفعتہ ہو گئے

روضۃ الاقطاب از روشن علی -

13629

وہ یا راجہ اندرسبھا کی بد دعا ۔۔ کہ پتھرا گئی یہ سبھا کی سبھا
مگر خود ہے راجہ اسی حال مین ۔۔ پھنسا کسطرح آکے جنجال مین

طلسمات کا یہ بنایا ہے دیر
عدیل اب کرو چل کے روضہ کی سیر

غارہائے ایلورہ سے بستی ایلورہ ایک میل سے کم فاصلے پر ہے شاہ داول کا چلہ بستی ہی مین ہے -

بنگلہ جات سرکاری پر سے اگر ایلورہ کی طرف نظر کرین تو ایک وسیع مسطح میدان نظر آتا ہے - جسکا محیط تخمیناً تیس چالیس کوس سے کم نہوگا -

سرکار عالی دام اقبالہ کی طرف سے غارون کی صفائی اکثر ہوا کرتی ہے - سالانہ مقطعہ (ٹھیکہ) دیدیا جاتا ہے - مقطعہ دار ہر شخص سے ایک آنہ کلدار یا سات پیسے عالمگیری لیتا ہے -

سونا باؤلی

غارہائے ایلورہ دیکھکر سڑک سے ہوتے ہوئے اگر ہم حضرت منتجب الدین صاحب کی درگاہ کے شرقی میدان مین واپس آئین تو قدیم یادگارون مین ایک باؤلی اور اُسی کے قریب قریب ہر چہار طرف سلاطین نظام شاہیون کے (۵) گنبد اور دو چبوترے دیکھنے مین آئینگے اِن ہی گنبدون مین ایک گنبد دولت خان ناظر کا بھی ہے - جس نے حضرت جلال الدین صاحب گنجرواں کی درگاہ سے باہر گوشۂ شمال و شرق مین مسجد تعمیر کرائی ہے - باؤلی مذکورہ کے بانیہ کا نام سونا بائی ہے - اور اِسی لیئے وہ سونا باؤلی مشہور ہے - یہ وہی سونا بائی ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ حضرت منتجب الدین صاحب کے تصرف سے ایمان لائی تھی - سونا بائی کی

قبر منتجب الدین صاحب کے گنبد سے پچھم ہے مشہور ہے کہ سونا بائی کا باپ ایک ہندو رئیس اور اس نواح کا حاکم تھا۔ سونا بائی کے سوا اُس کی تین بیٹیان۔ بادلہ بائی ڈاک بائی۔ کوٹھا بائی اور بھی تھین۔

ان لڑکیون نے اطراف خلد آباد مین اپنے اپنے نام سے چار باؤلیان کھدوائین جنمین سونا باؤلی نہایت عمیق اور ڈاک باؤلی عریض و طویل ہے افسوس ہے کہ سونا باؤلی مین زیادہ عمیق ہونے پر زندہ چشمہ (سوتا) نہین ہے۔ بارش کا پانی منڈی ٹیکری وغیرہ سے بہکر آجاتا ہے اور وہی درگاہ والون کے لیئے بکار آمد ہوتا ہے۔ باقی تین باؤلیون مین ایسے جاری چشمے ہین جن سے کھیتون کی سیرابی اچھی طرح سے ہوتی ہے۔

موتی چوک

سونا باؤلی کے جنوب فراشرق دبتے ہوئے جو گنبد ہین اُسکے خاص جنوب ایک مرتفع چبوترہ ہے۔ جو موتی چوک کہلاتا ہے۔ اس چبوترے کے علاوہ اور بھی تین چبوترے موتی چوک مشہور ہین۔ منتجب الدین صاحب کے عرس مین سابق الذکر چبوترے پر چشتیہ اور قادریہ خاندان کے فقرا (جنکو بانوا اور باقید کہتے ہین) اور آلکھنان کے گنبد کے سامنے دو چبوترون پر حضرات جلالی اور رفاعی اور پیر بدر الدین صاحب نولکھی کی مسجد سے ہوڑے کے دامن مین کمان تک چوتھے چبوترے پر اہل طبقات کے فقرا ٹھرا کرتے ہین۔

اہل طبقات حضرت بدیع الدین صاحب زندہ شاہ مدار اور جلالی حضرت جلال الدین بخاری صاحب اور رفاعی حضرت سید احمد کبیر صاحب کے سلسلے سے کہلاتے ہین۔ اہل طبقات سمو کمل حسین شاہ صاحب سرتھپر بہت بڑے بزرگ شاہ اورنگ زیب غازی کے عہد حکومت مین گزرے ہین۔ جنکا مزار پانگرے دروازے سے باہر بدر باؤلی کے

قریب ہے۔ شاہ صاحب کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اُسی سلسلہ مین حضرت برہان شاہ صاحب اور جنبت علی شاہ صاحب خلد آباد کے فقرا مین بہت غنیمت اور اہل ہین۔

منتجب الدین صاحب کے عرس کے اختتام پر موتی چوک کے چبوترون پر ٹھہرنے والون کو درگاہ سے کچھ نقد ملا کرتا ہے جس کو درویشون کی اصطلاح مین ذرہ کہتے ہین۔

سید رسان صاحب

موتی چوک کے اُس چبوترے سے (جسپر بانوا اور باقید فقرا ٹھہرا کرتے ہین) جنوب سید رسان صاحب کا مزار ہے سید صاحب سعد نگر کے رہنے والے تھے اتفاق زمانے سے خلد آباد آگئے اور اس قسم کے اسباب پیش آئے کہ اُنہون نے اپنا نکاح موضع کاغذی پورہ مین (جو خلد آباد سے جانب جنوب دو میل ہے) کر لیا۔ سید صاحب کی اولاد سے دو صاحبزادے اسوقت موجود ہین۔ بڑے کا نام سید فیض رسان اور چھوٹے کا نام سید عبد الکریم صاحب ہے۔ دونون صاحب نہایت خلیق اور نیک ہین۔

سید رسان صاحب کاسب اور شاغل تھے۔ بمبئی اور اطراف خلد آباد کے اکثر لوگ اُنکو مُرید تھے۔ ۲۴ رمضان سنہ ۱۳۱۱ ہجری مین انتقال فرمایا۔ قبر کا چبوترہ سنگی ہے جسکے سرہانے کتبہ کندہ ہے۔

کتبہ بر مزار سید رسان صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیر کامل ہادئ راہ خدا
واصل حق پیشوائے عارفان
کرد چون رحلت شد این تاریخ او
قطب جنت آشیان سید رسان

ہویگم

هادئ دین حاجئ سید رسان رخت بربسته بسوئے آخرت
سال ترحیلش بگو اند شاعرے چون ز دنیا خویشتن را در نهفت
در زمین پاک خلد آباد خفت داخل فردوس شد حاجی بگفت

دیگر

اللهم صل علی [illegible]

با خدائی مصطفےٰ از نسل پاک حیدری چون بخلد آباد شد صایم رسیده این ندا
حاجی افضل بشان حق زفیضان گستری مقبر انوارها سید رسان قادری

[illegible]

منصبه حاجی محمد افضل الدین عرف باپا میان خادم غفره الله ذنوبه

کتبه عاصی احمد علیخان

گنبد آنکسخان

سید رسان صاحب کے مزار کے گوشۂ غرب وجنوب مین شاہزادہ آنکسخان[1] برادر رضاعی طاہر خان کی قبر کا گنبد ہے۔ جسکے دروازے پر یہ کتبہ ہے۔

کتبہ بر گنبد آنکسخان

لا اله الا الله محمد رسول الله

بسم الله الرحمن الرحیم ۵

خان عالیشان رفیع القدر والمکان آخوند میر آنکسخان سخی ابن سخی آنکسخان۔

خلد آباد کی تمام عمارتون کا پتھر سیاہ رتیلا اور خام ہے اسوجہ سے بہت سی عمارتین ڈھا گئی ہین اور جو باقی ہین اور جسکی کبھی شکست وریخت نہین ہوئی اُن کا بھی شمار گرے ہوؤن مین ہے۔ سونا باولی کے قریب کے گنبدونمین آنکسخان کا گنبد بہت ہی شکست ہے۔

آنکسخان کے گنبد سے اگر ہم بستی (خلد آباد) کا رخ کرین تو چند قدم چلکر ایک ایسی

---

[1] آنکسخان اور طاہر خان سلاطین نظام شاہیہ کے شاہزادون مین ہین - از تاریخ فرشتہ -

کمان مین داخل ہون گے جو میان (منتجب الدین) کی کمان کہلاتی ہے۔ کمان سے ملی ہوئی جانب شرق غرب رو یہ دو درجے کی عمارت ہے مشہور ہے کہ پچھلا درجہ ملک عنبر کا بنایا ہوا ہے اور اگلا درجہ (سائبان) اٹکن صاحب سابق تعلقدار (کلکٹر) اورنگ آباد نے بنوایا ہے۔ اب یہ عمارت اٹکن صاحب کے آبدار خانہ کے نام سے مشہور ہے۔

کمان مذکورہ دو پہاڑی ٹیکریون کے درمیان ہے پچھم کی ٹیکری کوہ ہوڑا۔ اور پورب کی منڈی ٹیکری کہلاتی ہے۔ ہوڑا لفظ مرہٹی ہے اسکی اصل اوڑھا تھی جسکے معنے نالے کے ہین چونکہ اس پہاڑی کے جنوب ومغرب نالہ ہے اسلیئے اوڑھا کے نام سے منسوب ہے۔ اوڑھا ہوتے ہوتے ہوڑا ہوگیا۔

مسجد کوہ ہوڑا

کوہ اوڑھا پر بھی دو چار قبرین ہین اور حضرت منتجب الدین صاحب کے چلہ گاہ کے علاوہ ایک مسجد ہے۔ مسجد کی چھت گر گئی ہے صرف دیوارین کھڑی ہین۔ یہ یادگار قابل مرمت ہے۔

منڈی ٹیکری

خلدآباد کے دوسرے پہاڑون کی مانند منڈی ٹیکری پر روئیدگی نہین ہے اور اسی سبب سے اسکو منڈی ٹیکری کہتے ہین۔ ٹیکری کی چوٹی پر چھوٹا سا املی کا ایک درخت ہے۔

کمال الدین حاجب الخیرات

منڈی ٹیکری کے شمال دامن مین کمال الدین حاجب الخیرات صاحب کی قبر ہے۔

سید کبیر صاحب استاد دوم

کمان سے باہر بستی کیطرف سڑک سے پورب بڑ کے درخت کے نیچے حضرت سید کبیر صاحب۔ منتجب الدین صاحب کے استاد دوم کی قبر ہے۔

خواجہ حسین و خواجہ عمر و صاحب

سڑک سے پچھم تخمیناً ۲۰۰ قدم کے فاصلے پر خواجہ حسین اور خواجہ عمر و صاحب کی درگاہ ہے۔ دونون صاحبون کے والد بزرگوار کا نام خواجہ محمود ہے جو شیراز کے رہنے والے تھے۔ انکا مزار شیراز ہی مین ہے۔

خواجہ حسین صاحب بڑے اور خواجہ عمر و صاحب چھوٹے تھے تجارت کے سبب دونون بھائی کمال ثروت سے بسر کرتے تھے۔ خواجہ عمر و صاحب لاولد فوت ہوئے اور خواجہ حسین صاحب سے حضرت سید زین الدین صاحب پیدا ہوئے۔ خواجہ حسین اور خواجہ عمر و دونون حضرت نظام الدین اولیا صاحب کے مُرید تھے۔ جب سید زین الدین صاحب شیراز سے حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے اور زیارت مکے بعد دہلی آئے۔ خواجہ حسین صاحب کو فرزند دلبند کے دیکھنے کا شوق ہوا اور بمقتضائے محبت پدری تمام اہلبیت سے دہلی آکر فرزند دلبند کے دیدار سے آنکھون کو روشن کیا اور حادثہ دہلی مین دیوگیر (دولت آباد) آئے ۲۷ شعبان سنہ ۷۵۵ھ مین انتقال فرمایا۔ یافت ابراہیم مادہ تاریخ ہے۔ خواجہ حسین اور خواجہ عمر صاحب کی قبر پر گنبد ہے اور گنبد چار دیواری سے گھرا ہوا ہے۔ درگاہ کے غرب نالہ اور جنوب قبرستان اور شرق سڑک اور شمال ہوٹے کا دامن ہے۔

چونکہ درگاہ مذکورہ دامن پہاڑ مین ہے لہذا اگر کوئی راستہ چلنے والا درگاہ کے مقابل سڑک پر کھڑا ہو کر کسی قسم کی آواز دیتا ہے تو گنبد کی آواز کے مانند پلٹ کر سنائی دیتی ہے اور اس آواز کو جہّال کرامت پر محمول کرتے ہین۔ درگاہ کا تعلق خود لطیفہ

سے ہے اور دو احاطون پر منقسم ہے۔

پہلے احاطے مین گنبد اور اُس سے پچھم مسجد اور گنبد کے سامنے سیدانی صاحبہ کا مزار ہے۔ اِس احاطہ کی مسجد سیدانی صاحبہ کی تعمیر سے ہے۔

دوسرا احاطہ پہلے احاطے سے بہت بڑا ہے غربی حد مین پختہ لداوی کمانین باقی تین طرف دیوارین ہین۔ احاطے کے گوشۂ غرب وجنوب مین شاہ پیارے صاحب کا مزار ہے شاہ صاحب ہی نے یہ احاطہ بنوایا ہے۔

خواجہ حسین اور خواجہ عمر صاحب کا عُرس ۲۷ شعبان کو ہوتا ہے۔ نذر و نیاز حد خورد کا حصہ ہے۔

عیدگاہ

درگاہ سے جنوب اندازاً (۲۰۰) قدم کے فاصلے سے عیدگاہ ہے۔ عیدگاہ وسیع ہے کئی ہزار آدمی نماز ادا کر سکتے ہین۔ ۔خواجہ حسین صاحب کی

تالاب پانگرہ و ہوڈڑی

درگاہ سے پورب تھوڑا جنوب ہٹتا ہوا پانگرہ تالاب ہے۔ پہاڑی ٹیکریاں تین طرف سے ملگئی ہین صرف جنوب طرف پتھر اور چونہ سے محدود کر دیا گیا ہے۔ تالاب پانگرہ سے ملا ہوا دوسرا تالاب گوشۂ جنوب وشرق مین ہے جسکو ہوڈڑی کہتے ہین کہنے کو تو یہ تالاب ہے لیکن حقیقت مین تھوڑی زمین اُفتادہ ہے چونکہ یہ زمین ذرا پستی مین ہے اِس لیے بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے اور بارش کے بعد مہینے دو مہینے مین جلد خشک ہو جاتا ہے۔

لال شاہ صاحب کا کنواں

تالاب پانگرے مین ایک کنواں ہے جسکو عام بول چال مین جھرہ کہتے ہین۔ خلدآباد کے کنوؤن مین یہ بہت غنیمت ہے اسکا پانی نہایت شیرین ہوتا ہے۔ بستی والونکو دوسرے چشمون کی نسبت اس سے بہت مدد ملتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ لال شاہ

میان کا تصرف ہے - لال شاہ میان مجذوب فقیر تھے - حال مین اُنکا وصال ہوا ہے شہر بالہ مین ہے -

تالاب کے لب پر گوشۂ جنوب مین ایک گنبد اور خاص جنوب باغ منعم ہے جسکا ذکر عمارات مین آگیا ہے -

باغ منعم سے پورب سڑک اور سڑک سے ملی ہوئی پورب طرف بدر باؤلی اور باؤلی سے گوشۂ شرق وشمال مین گل حسین شاہ صاحب کے مزار کا چبوترہ ہے -

ذکر سلطان العارفین سراج السالکین حضرت برہان الدین اولیا صاحب قدس سرہٗ

[illegible] بابا اور شیخنا برہان الدین اولیا صاحب کا سلسلہ منتجب الدین صاحب کے سلسلے سے بالکل ملتا جلتا ہے - اس لیئے طوالت کے سبب سے ہم اُس کا اعادہ نہین کرتے ہین -

برہان الدین اولیا صاحب سنہ ۶۵۴ھ ہجری مین ہند کے شہر ہانسی مین پیدا ہوئے لڑکپن مین آپ کے دوست اپنے جلسہ مین آپ کو بُرہانی کہکر پکارتے تھے -

غریب سے ملقب ہونا اور بالکلیہ فقر پر توجہ کرنا

کیمیا سیکھنے کا شوق تھا اور شیخ کامل کی ہمیشہ تلاش رہتی تھی - کچھ بشوق کیمیا اور زیادہ تر بتلاش پیر جب ہانسی سے دہلی آئے تو اوقات عزیز کو غریبانہ حالت سے بسر کرتے تھے - سید زین الدین صاحب فرماتے ہین کہ شیخ برہان الدین جسوقت ہانسی سے دہلی آئے ایک مسجد مین جو قریب پل واقع ہوئی تھی - ٹھرے - حق تعالے نے اُنکو

قدمون کی برکت سے اُسکو روشن فرمایا اور خلق خدا بکثرت رجوع ہوئی۔

اُسی زمانہ مین سلطان المشائخ نظام الدین اولیا صاحب کے فقر کا چار سو غلغلہ اور دسترخوان عام اور باورچیخانے کا قلمرو ہند مین شہرہ تھا۔ برہان الدین اولیا صاحب نے سلطان المشائخ کا کمال اور فیض عام سُنکر دل مین تصور کیا کہ توکل پر اسقدر دسترخوان کی وسعت جو کسی شاہ یا شہنشاہ کی نہین ہوسکتی ہے بغیر کیمیا یا دست غیب ممکن نہین ہے اور یہ دونون باتین فقر سے خالی نہین ہین ؎

کیمیا و سیمیا و ریمیا
این ندانند جز بذاتِ اولیا

لیکن اسکی خبر ہی نہ تھی کہ یہان زبان کیمیا ہے اور دسترخوان افضال آلہی سے ہو اِسی خیال مین سلطان المشائخ کی خانقاہ مین حاضر ہوئے۔ اقبال خادم نے اس رعایت سے کہ آپ اوقاتِ عزیز کو غریبانہ بسر کرتے تھے۔ سلطان المشائخ سے عرض کی کہ برہان الدین غریب حاضر ہین۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ عام خلق اُن سے آشنا ہوگئی ابھی تک وہ غریب ہین اُسی دن سے آپ غریب سے ملقب ہوئے۔ رکن الدین صاحب نے خوب کہا ہے ؎

غریب است این محبِ حق بدنیا
حبیب اللہ فی الدنیا غریبٌ

رفتہ رفتہ سلطان المشائخ کی خدمت مین تقرب خاص ہوا۔ چند روز بعد سلطان المشائخ نے کشف باطنی سے ارادہ معلوم کرکے باورچیخانہ کی خدمت سپرد کی۔ ایکروز سلطان المشائخ باورچیخانہ تشریف لائے اور فرمایا کہ برہان الدین استنجے کے واسطے مٹی کا ڈھیلا لاؤ۔ مولانا غریب ڈھیلے کی تلاش مین باورچیخانہ سے باہر آئے اور ایک مقام سے مٹی کا ڈھیلا اُٹھایا۔ بمجرد اُٹھانے کے وہ سونے کا نظر آیا۔ مولانا صاحب نے فوراً

پھینکدیا اور دوسرا اُٹھایا وہ بھی سونا معلوم ہوا۔ اوسکو بھی پھینکا اور آگے بڑھے یہانتک کہ ڈھیلے کی تلاش مین دُور تک نکل گئے اور جس مقام سے جو مٹی کا ڈھیلا اُٹھایا سونا ہی نظر آیا۔ جب کوئی ڈھیلا نہ ملا مجبور ہو کر سُلطان المشایخ کے حضور مین حاضر ہو کر حقیقت عرض کی۔ سُلطان المشایخ نے فرمایا کہ برہان الدین جو شئے کہ اِستنجے کے بھی کام نہ آئے اُسکی خواہش عبث ہے۔ مولانا صاحب نے اُسیوقت کیمیا سیکھنے کے خیال سے توبہ کی اور فقر کی طرف متوجہ ہوئے۔

ارادت ارادت کے متعلق صاف پتہ نہین چلتا کہ کس تاریخ کو ہوئی لیکن اِسقدر تو سب کے نزدیک مُسلّم ہے کہ سنہ ۶۹۳ ہجری مین سُلطان المشایخ کے مُریدون مین داخل ہوئے تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ برہان الدین سُلطان المشایخ کے تمام مُریدون اور معتقدون سے ممتاز اور نمبر اوّل مانے جاتے ہین۔

محمد قاسم صاحب راوی ہین کہ جب سُلطان المشایخ نے غیاث پور منحلات دہلی مین سکونت فرمائی اُسوقت صرف دو صاحب ایک شیخ برہان الدین اولیا اور دوسرے شیخ کمال الدین[1] یعقوب اُن کی خدمت مین تھے اور یہ دونون صاحب سُلطان المشایخ کے دوسرے خلفاؤن سے پہلے اِرادت اور خلافت سے سرفراز ہو کر کسب اور ریاضت مین مشغول ہوئے۔

خواب شیخ برہان الدین اولیا صاحب خود فرماتے ہین کہ بیعت کے قبل مین نے ایکروز خواب دیکھا کہ خندق مین گر پڑا ہون ہرچند کوشش کرتا ہون لیکن باہر نہین نکلسکتا۔ یکایک سُلطان المشایخ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ مین دیکر باہر نکالا۔ جب مین بیعت سے مشرف ہوا

---

[1] پٹن گجرات مین مدفون ہین۔

خواب کو بیان کیا۔ فرمایا مین نے اُسی روز تجھکو اپنا ہاتھ دیا تھا۔

تجدید بیعت

شیخ علی زنبیلی اور ملک نصرت[1] کی شکایت سے سلطان المشائخ کو مولانا غریب سے چند روز شکر رنجی بھی ہوگئی تھی۔ آخر کو خواجہ خسرو کے التماس سے صفائی اور تجدید بیعت سے سرفرازی ہوئی۔ سید محمد صاحب نے اس واقعہ کو اسطرح سے لکھا ہے کہ حضرت برہان الدین اولیاحب غریب جثّہ نہایت نحیف تھے۔ جب سن شریف ستّر برس کو پہونچا۔ شیخ کی آتش محبت اور ریاضت نے اور بھی ضعیف کر دیا۔ غایت ضعف سے گھر مین کمل کو دو تہ کرکے بیٹھا کرتے تھے۔ ایک روز شیخ علی زنبیلی اور ملک نصرت نے سلطان المشائخ سے جا کر کہا کہ برہان الدین غریب ایک کمل نیچے اور ایک خرقہ مشایخانہ کندھے پر ڈالکر شیخی کے سجادے پر بیٹھتے ہین اور پیران طریقت اور اپنے شیخ کی رعایت ملحوظ نہین رکھتے۔ سلطان المشائخ یہ سُنکر بہت ناراض ہوئے اور جسوقت مولانا غریب اُن کے سامنے حاضر ہوئے بات نہین کی۔ مولانا صاحب پائبوسی کے بعد جماعتخانے مین آئے اُسیوقت اقبال خادم نے حسب الحکم سلطان المشائخ مولانا صاحب سے آکر کہا کہ آپ اسیوقت یہان سے گھر جائیے۔ مولانا صاحب متحیّر ہوئے کہ یہ کیا واقعہ ہوا ؎

ما چہ کردیم دگر بار کہ شیرین لب دوست   بسخن باز نمی باشد و چشم از نازش

آخر کو جماعت خانے سے اُٹھکر ابراہیم طشت دار کے مکان مین آئے اور دو روز وہین رہے۔ ابراہیم صاحب نے خیال کیا کہ اگر یہ خبر سلطان المشائخ کے گوش گزار ہوئی کہ برہان الدین غریب میرے گھر مین ہین تو مجھسے بھی آزردگی کا سبب ہوگا

---

[1] دونون سلطان المشائخ کے مریدون اور سلطان علاء الدین کے عزیزون سے تھے ۱۲-

مولانا غریب سے اشارتاً و کنایتاً اپنا منشا ظاہر کیا ناچار برہان الدین اولیا صاحب ہانسی اُٹھکر حیران و پریشان گھر مین آئے۔ سلطان المشایخ کی اس برہمی سے برہان الدین اولیا صاحب کی حالت چندہی روز مین بہت زار ہو گئی۔ رات و دن رونے کے سوا دوسرا کام نہ تھا۔ شہر کے اکثر لوگ جو مولانا صاحب کے رفقا تھے۔ اس خبر کو سنکر ہمدردی کو آتے تھے اور مولانا صاحب کو روتا دیکھکر خود بھی بیتاب ہو جاتے تھے آخر کو ایک روز خواجہ خسرو علیہ الرحمہ نے سلطان المشایخ سے عرض کی۔ کہ برہان الدین غریب آنجناب کے صادق مریدون اور معتقد بندون سے ہین۔ چونکہ وہ ضعف پیری اور درد زانو سے بورئیے پر بیٹھ نہین سکتے تھے۔ اسلیے کمل کو دو تہ کرکے بچھایا تھا۔ اُمیدوار ہون کہ اُنکا قصور معاف ہو اس تقریر کے علاوہ خواجہ صاحب نے ہر پہلو سے معافی چاہی لیکن اُسوقت معرض قبول مین نہ آئی۔ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تب خواجہ صاحب نے اور سب دوستون سے مشورہ کیا۔ اتفاق اسپر ہوا کہ خواجہ صاحب پگڑی گردن مین ڈالکر شیخ کے سامنے بندیون کی صورت مین حاضر ہوکر معافی چاہین۔ چونکہ خواجہ صاحب کو مولانا غریب سے قلبی اتحاد تھا۔ اس لیے حسب مشورۂ احباب پگڑی گردن مین ڈالکر شیخ کے سامنے حاضر ہوئے۔ سلطان المشایخ نے پوچھا اسے ترک کیا ہے۔ خواجہ صاحب نے عرض کی کہ برہان الدین کے قصور کی معافی چاہتا ہون۔ سلطان المشایخ نے فرمایا وہ کہان ہین۔ لاؤ اُس کے بعد مولانا غریب اور خواجہ خسرو گردن مین پگڑی ڈالے ہوئے شیخ کے سامنے آئے اور جس مقام پر کہ جوتے اُتارے جاتے تھے۔ کھڑے ہوئے۔ سلطان المشایخ نے خوش ہوکر مولانا غریب کو تجدید بیعت سے سرفراز کیا۔

لیکن تاریخ فرشتہ مین یہ روایت اِسطرح دیکھنے مین آئی ہے۔ کہ ابتدا مین نظام الدین اولیا صاحب کا مطبخ برہان الدین اولیا صاحب کے حوالے تھا۔ ایکروز برہان الدین اولیا مطبخ مین گچ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ سردی نے غلبہ کیا آپنے اُس کپڑے کو جو کندے پر پڑا ہوا تھا نیچے بچھایا اور اُسپر بیٹھے اُسیوقت کسی نے سلطان المشایخ سے جاکر کہا کہ مولانا غریب نے باورچیخانے مین نہالچہ بچھایا ہے سلطان المشایخ نے فرمایا بے ادبی کی ہے۔ ابھی سر مین ہوس باقی ہے۔ ہمارے سامنے مت آنیدو۔ جب مولانا غریب کو یہ خبر ہوئی۔ شیخ کی جدائی سے بیتاب ہوئے کئی بار احبابون سے شفاعت چاہی لیکن کسی نے کوشش نہین کی اور کوئی تدبیر مفید نہوئی آخر کو خواجہ خسرو صاحب سے کہا۔ خواجہ صاحب نے اپنی پگڑی برہان الدین اولیا صاحب کی گردن مین ڈالکر اُسی طرح شیخ کے سامنے پیش کیا۔ سلطان المشایخ اُسوقت سر پر ٹیڑھی ٹوپی رکھے ہوئے وضو کر رہے تھے۔ خواجہ صاحب نے سامنا ہوتے ہی فی البدیہہ یہ بیت پڑھی ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہے

سلطان المشایخ بہت خوش ہوئے اور اُٹھکر دونونکو بغل مین لیا۔

اِسبات مین تو سب متفق ہین کہ شیخ برہان الدین غریب بہیئت مجموعی برادران طریقت سے دولت آباد وارد ہوئے لیکن اِس امر مین اختلاف ہے کہ آیا نظام الدین اولیا صاحب کے قید حیات مین دہلی سے آئے یا وفات کے بعد تخریب دہلی مین ہجرت کی۔ محمد قاسم صاحب نے اِسبارے مین دو روایتین لکھی ہین۔ خلافت

جب سلطان المشایخ نظام الدین اولیا صاحب کی عمر (۹۵) برس کی ہوئی اور پہلی روایت

آخر وقت (۷) ماہ حبس بول مین گذرے۔ ایک روز اقبال خادم سے فرمایا کہ نقد اور جنس سے جو کچھ ہے حاضر کر۔ اقبال نے عرض کی کہ نقد و فتوح سے جو روزانہ آتا ہے خرچ ہو جاتا ہے۔ لیکن چند ہزار من غلہ لنگر کے واسطے انبار خانے مین موجود ہے۔ سلطان المشایخ نے فرمایا کہ اس مردہ ریگ کو کیون رکھا ہے۔ آج ہی نکلوا کر تقسیم کر۔ اُسکے بعد کپڑون کی گٹھری طلب کی اور اُسمین سے ایک دستار اور ایک پیراہن اور مصلی برہان الدین اولیا صاحب کو مرحمت کرکے دکن رخصت کیا۔

دوسری روایت

جسروز منتجب الدین صاحب دولت آباد مین فوت ہوئے اُسیروز سلطان المشایخ نے برہان الدین اولیا صاحب سے پوچھا کہ تمہارے بھائی منتجب الدین کی کیا عمر تھی۔ برہان الدین اولیا صاحب نے فراست باطنی اور خداداد عقل سے سمجھا کہ منتجب الدین کا انتقال ہوا۔ اُسکے بعد برہان الدین اولیا صاحب گھر مین آکر تعزیت مین بیٹھے۔ دوسرے روز سلطان المشایخ زیارت کے لیے برہان الدین اولیا صاحب کے مکان پر آئے اور اپنی وفات سے چند روز پہلے برہان الدین اولیا صاحب کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرما کے دکن رخصت کیا۔ صاحبِ فتوح الاولیا نے محمد قاسم صاحب کی اس پچھلی روایت سے تطبیق کی ہے لیکن ذرا تفصیل سے لکھا ہے جسکو ہم بجنسہ نقل کرتے ہین۔

فتوح الاولیا کی روایت

جسروز کہ شاہ منتجب الدین شاہ دکن فوت ہوئے سلطان المشایخ وضو کر رہے تھے اور برہان الدین اولیا صاحب بآئین خدمتگاری آفتابہ لیئے ہوئے پانی ڈال رہے تھے یکایک سلطان المشایخ نے پوچھا کہ تمھارے بھائی منتجب الدین تمسے چھوٹے تھے یا بڑے۔ برہان الدین اولیا صاحب نے شیخ کے اشارے سے فوراً معلوم کیا۔ کہ منتجب الدین کا انتقال ہوا۔ دوسرے روز سوم کی زیارت کا سامان فراہم کرکے

مجلس مین حاضر کیا۔ حاضرین نے براہ استعجاب فراہمی سامان سوم کا سبب پوچھا برہان الدین اولیا صاحب نے کہا کہ کل شیخ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا تھا کہ منتجب الدین تمھارے بھائی تم سے چھوٹے تھے یا بڑے۔ مینے اپنی عقل سے سمجھا کہ منتجب الدین کا انتقال ہوا۔ اسواسطے کہ لفظ تھا زمانۂ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے۔ برخاست مجلس کے بعد سلطان المشایخ نے برہان الدین اولیا صاحب سے کہا کہ ہمنے تمکو منتجب الدین کی جگہہ مقرر کیا۔ تمکو چاہیئے کہ دولت آباد چلے جاؤ۔ شیخ کا ارشاد قبول کرکے برہان الدین اولیا صاحب خاموش ہوئے لیکن شیخ کی مفارقت کے خیال نے چہرے پر آزردگی کے نشان پیدا کئے تاہم آداب کے لحاظ سے کچھہ کہنے سننے کی جرأت نہوئی۔ سلطان المشایخ نے یہ حالت دیکھکر سکوت کا سبب استفسار کیا۔ برہان الدین اولیا صاحب نے عرض کی کہ نعلین مبارک سے جدا ہوجاؤنگا۔ سلطان المشایخ نے فرمایا نعلین بھی ہمراہ لیجاؤ۔ اس مرحمت خاص سے نعلین مبارک سر پر رکھین۔ لیکن ساتھہ ہی درد مفارقت نے اسقدر بیتاب کردیا کہ باوصف کمال وقار اور تمکین کے دل قبضۂ اختیار سے جاتا رہا اور اشک الم دیدۂ پرنم سے جاری ہوگئے۔ جب سلطان المشایخ نے یہ حال مشاہدہ کیا فرمایا آخر تمکو جانے مین پس و پیش کیون ہے۔ برہان الدین اولیا صاحب نے بعجز و انکسار عرض کی کہ مین اس مجلس سے منزلون دور ہوجاؤنگا۔

سلطان المشایخ نے بنظر التفات کہا کہ یہ تمام خلفا[1] جو اس مجلس مین بیٹھے ہین ہمنے تم کو دیئے۔ تم اپنے ساتھہ لیجاؤ۔ اس کے بعد صاحب فتوح الاولیا لکھتے ہین کہ بعضے مورخین کہتے ہین کہ وہ سب (۷۰۰) تھے اور بعضے کہتے ہین کہ (۱۴۰۰) تھے منجملہ اُنکے امیر حسن اعلائے سنجری۔ شیخ کمال خجندی۔ شیخ جام۔ شیخ فخر الدین وغیرہ وغیرہ تھے۔

---

[1] محمد قاسم صاحب نے (۱۴۰۰) کی تعداد لکھی ہے۔

شیخ برہان الدین اولیا صاحب نے چار و ناچار سفر کی تیاری کی لیکن ایک مرتبہ شیخ کیخدمت مین رہنے کی آخری کوشش اور کی اور التماس کیا کہ جناب کی جدائی سخت شاق ہے۔ سلطان المشائخ نے چند ساعت مراقبہ کرکے کہا کہ برہان الدین تم برابر دکن چلے جاؤ اور اطمینان رکھو کہ میرے تمہارے درمیان کوئی پردہ نہوگا۔

گر بامنی پیش منی در یمنی
در بے منی پیش منی در یمنی

فتوح مین ہمیشہ لاردّ ولاکدّ ولاتدّ رہنا۔ رخصت کے وقت سلطان المشائخ نے خرقہائے خلافت اور نعمت باطنی سرفراز فرمانے کے سوا پانچ نصیحتین کین۔

نصائح۔ (۱) جو خرقہائے خلافت کہ تمکو امانتاً دئے گئے ہین مولانا داؤد حسین (سید زین الدین) کو پہونچانا۔

(۲) والدہ کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنا۔ اور اُسکو رحمت حق تصور کرنا۔

(۳) جمعہ کی نماز ترک نہ کرنا۔

(۴) ہمیشہ مجرد رہنا۔

(۵) میری پیرزادی صاحبہ کی خدمت اور خبرگیری سے (جو دولت آباد مین ہین) غافل نہ رہنا۔

الغرض شیخ برہان الدین اولیا صاحب مسکن مالوف اور پیر کے آستانے سے ہجرت کرکے دولت آباد روانہ ہوئے۔ قطع مراحل اور منازل کے بعد ایکروز ایک جنگل فرح بخش مین ایک گانون نظر سے گزرا رات کو وہین آپ نے قیام کیا اس موضع کے کنارے تاپتی ندی مین ایک پتھر پر بیٹھکر وضو کیا۔ اور وہین نماز جماعت سے ادا کرکے

؎ جسوقت عرش آشیانی جلال الدین محمد اکبر شاہ نے سنہ ۱۰۰۸ ہجری مین قلعہ آسیر گڈھ (بقیہ صفحہ آئندہ)

یہ دعا کی کہ خدایا اس مقام پر ایک شہر آباد کر چنانچہ دعا سے خاص اجابت کو پہنچی اور چند روز بعد وہ مقام آباد ہو کر برہان پور[1] مشہور ہوا - نماز صبح پڑھکر وہان سے کوچ کیا اور چند روز بعد ۷۱۸ھ ہجری اور بروایت دیگر ۷۲۰ھ ہجری مین دولت آباد مین قدم رنجہ فرماکر وہان کے ساکنین اور متوطنین اور علما و فقرا کو اپنے لقائے باصفا سے مشرف کیا اور بموجب فرمودۂ سلطان المشائخ بہت سے فتوحات جسکو آپ نے بلا ردّ و بلا کدّ و بلا امد منظور کیا - حاصل ہوئے یہ ہے روایت فتوح الاولیا کی - لیکن صاحب سیر الاولیا نے خلافت کی نسبت جو روایت کی ہے وہ اس عبارت سے بالکل جدا ہے -

سیر الاولیا کی روایت

جب سلطان المشائخ نے خاص خاص مریدون کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا - سید خاموش[2] اور خواجہ بشر[3] نے سید حسین صاحب سے کہا کہ شیخ برہان الدین باوجودیکہ سلطان المشائخ کے اسبق مریدون اور ممتاز خادمون سے ہین لیکن کیا وجہ کہ ابھی تک وہ خرقۂ خلافت سے سرفراز نہین ہوئے - آؤ ہم اُنکی خلافت کا ذکر سلطان المشائخ سے کرین - آخر کو سبھون نے اقبال سے کہا - اقبال نے ایکروز فرصت کیوقت کہ اُسوقت سید خاموش بھی موجود تھے اور سلطان المشائخ چھپر کھٹ پر لحاف اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے تھے لیکن چہرہ مبارک کھلا ہوا تھا - سلطان المشائخ سے عرض کی کہ برہان الدین غریب خادم قدیم پابوسی کو

(بقیہ صفحہ ۱۲۰) فتح کیا اس پتھر کو ترشوا کر ہاتھی کی صورت مین بنادیا - اسوجہ سے اب وہ ہتیا کھڑک سے منسوب ہوگیا - ہتیا بمعنی ہاتھی اور کھڑک پتھر کو کہتے ہین -

[1] برہان پور کی آبادی کی کیفیت سید زین الدین صاحب کے بیان مین دیکھو -

[2] و [3] یہ دونون صاحب سلطان المشائخ کے قدیم خدمتگارون مین تھے اور فرزندانہ پرورش پائے تھے -

حاضر اور مرحمتِ خاص کے اُمیدوار ہین۔ سلطان المشائخ نے آنکھ کھولکر دونون کیطرف دیکھا۔ اِس موقع پر برہان الدین اولیا صاحب نے سلام کیا اور اقبال نے ایک کپڑون کی گٹھری سامنے لاکر کھولی اور اُسمین سے ایک ٹوپی اور ایک پیراہن کہ سلطان المشائخ سے مرحمت ہوا تھا نکالا اور اُسپر سلطان المشائخ کا دستِ مبارک رکھکر برہان الدین اولیا صاحب کو پنہایا اور کہا کہ آج سے تم بھی خلیفہ ہوئے۔ سلطان المشائخ خاموش تھے اور خاموشی دلیل رضامندی ہے۔ اِس کے بعد سید محمد صاحب لکہتے ہین کہ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد برہان الدین اولیا صاحب چندہ سال زندہ رہے اور خلق خدا کو بیعت مین داخل کیا۔ جب دیوگیر تشریف لیگئے۔ انتقال فرمایا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ برہان الدین اولیا صاحب کا قصۂ خلافت اور دولت آباد آنا جس تقریب سے کہ فرشتہ اور صاحب فتوح الاولیا نے لکھا ہے سیر الاولیا کی روایت سے سراسر خلاف ہے افسوس ہے کہ کسی نے اِسبارے مین کوئی قطعی فیصلہ نہین کیا صرف حاجی غلام علی آزاد صاحب نے اپنی رائے ظاہر کی ہے جسکو ہم لفظاً لفظاً نقل کرتے ہین اور اِن اختلافات کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہین

اِختلاف

{تحقیق شیخ برہان الدین اولیا صاحب تخریب دہلی اور دولت آباد کی

۱؎ صاحب فرشتہ نے تخریب دہلی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ سلطان محمد تغلق شاہ نے (جو فرمانروایان دہلی اور عجائبات مخلوق سے تھا) خیال کیا کہ بمدد اقبال تمام اقلیم ہند میرے قبضے مین ہے۔ لہذا ایسا کوئی مقام دار الخلافت مقرر کرنا چاہیئے کہ اُسکو ممالک مقبوضہ سے ایسی نسبت ہو جسطرح مرکز کو دایرے سے ہوتی ہے تاکہ اطراف کے نیک و بد کی خبر ہر چہار طرف سے جلد پہونچ سکے اور اگر خدانخواستہ کسی طرف کوئی حادثہ یا مہم پیش آئے اُسکے دفعیہ کی اِصلاح جلد ہوسکے۔ باظہار خیال دانایان درگاہ نے کہ ہندوستان کے طول و عرض سے واقف تھے شہر اُجین کو تخت گاہ بنانے کو عرض کیا۔ اور کہا چونکہ یہ شہر اقلیم ہند کے (باقی صفحہ آیندہ)

تعمیر کے وقت کہ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد وقوع مین آئی دیار دکن مین تشریف لائے اور بمصداق حدیث شریف بدأ الاسلام غریبًا وسیکون غریبًا مسکن مالوف اور پیر کے آستانے سے ہجرت اختیار کی اور شک نہین کہ اس حادثے مین ایک جماعت کثیر سلطان المشائخ کے معتقدون اور مریدون سے جو دہلی کی رہنے والی تھی دولت آباد آئی اور حضرت امیر حسنؒ دہلوی اور سید یوسفؒ پدر سید محمدؒ گیسو دراز اور خواجہ حسین وخواجہ عمرؒ اور خواجہ زین الدین قدس اللہ اسرارہم کا اس محشر عام مین آنا مورخون نے صراحت سے لکھا ہے }

(بقیہ صفحہ ۱۲۲) وسط مین ہے اسوجہ سے بکراجیت صاحب رسد نے اسکو دار الخلافت بنایا تھا۔ بعضے ارکینون نے پادشاہ کی خواہش سمجھکر عرض کی کہ دیوگیر (دولت آباد) وسط ہند مین ہے۔ پادشاہ تو خدا سے چاہتا تھا پس بلا اندیشے کسی امر کے حکم دیا کہ دہلی کے چھوٹے بڑے (دولت آباد) روانہ کئے جائین اور سب کے گھر اور اسباب کی قیمت اور زاد راہ خزانہ شاہی سے دیا جائے اور دہلی سے دولت آباد تک سڑک تیار کیجائے اور اُسکے دو رویہ درخت اور ہر منزل پر ایک سرا بنائی جائے تاکہ مسافرین کو کوئی تکلیف نہو غرض تمام ارکین اور امرا کو ساتھ لیکر دیوگیر آیا اور دیوگیر کا نام دولت آباد قرار دیکر عمارتین عالیشان اور حوض بنائے۔ قلعہ کے گرد خندق کھدوائی۔ گھاٹ دولت آباد اور ایلورہ کے نزدیک باغات نصب کرائے۔ اس تغیر وتبدل سے ایک عظیم تفرقہ ملک مین پڑا۔ جب دولت آباد آباد ہو گیا اور سلطان محمد تغلق کو اسکی آبادی سے بالکل اطمینان ہوگیا۔ تو اوس نے اطراف کے قلعجات فتح کئے اور مدت تک دولت آباد مین بہت اطمینان سے بسر کی۔ اس اثنا مین خبر پہونچی کہ ملک بہرام حاکم ملتان نے بغاوت اختیار کی۔ سلطان محمد تغلق لشکر بیشمار لیکر ملتان پہونچا اور بہرام کو قتل کرکے دہلی واپس آیا۔ اس مدت مین دہلی کے جو لوگ دولت آباد آئے تھے پراگندہ ہوگئے۔ اسلیئے وہ دو سال دہلی مین رہکر (باقی صفحہ آئندہ)

جب حضرت برہان الدین اولیا صاحب کثیر جماعت سے دولت آباد آئے پہلے محلہ اکرم آباد مین کاکا صاحب کے مکان پر اُترے - مدت قیام تک کئی مرتبہ یہی فرمایا کہ کاکا اس مکان مین آرام نہین ہے - آخر کو شمس الملک اپنے مکان پر لائے شمس الملک کا مکان پسند خاطر ہوا اور فرمایا کہ یہ جگہہ خالی اور اچھی ہے یعنی شر اور شوم اور خیر و برکت دونون سے خالی ہر چند روز بعد پھر ارشاد ہوا کہ اب یہ گھر یارون کے قدمون کی برکت سے خیر سے پُر ہوگیا -

برہان باؤلی لوگون کا بیان ہے کہ برہان الدین اولیا صاحب جب دولت آباد سے خلد آباد آئے تو پہلے جلال الدین صاحب کی درگاہ سے شمال نالے کے قریب ایک باؤلی پر قیام فرمایا - اگرچہ اس وقت باؤلی اپنی اصلی حالت پر نہین ہے لیکن اُسکے نشانات ابتک باقی ہین اور وہ برہان باؤلی مشہور ہے - جس تختے زمین پر یہ باؤلی ہے وہ کھڑ کالی سے منسوب ہے - برہان باؤلی سے اُٹھکر اُس مقام پر آکر رہے جس جگہہ مزار اقدس ہے -

---

(بقیہ صفحہ ۱۲۳) دولت آباد کی آبادی مین کمر ہمت باندہی اور اپنی مادر مخدومہ جہان کو باقیماندہ امرا اور سپاہ کیساتھ دولت آباد روانہ کیا اور کسی متنفس کو دہلی مین نہ چھوڑا - یہانتک کہ دہلی مین جنگلی جانورونکی آواز کے سوا آدمیون کی آواز کان مین نہین آتی تھی - سلطان محمد خود سنہ ۷۴۳ ہجری مین دکن آیا اور چند روز کے بعد بیمار ہوا اور اُسی حالت مین پالکی پر سوار ہوکر دہلی واپس ہوا - دولت آباد کی حکومت اپنے اوستاد قتلغ خان کو سپرد کی چلتے وقت عام حکم دیا کہ دہلی کے آدمیون سے جس کسی کی طبیعت چاہے دولت آباد مین رہے یا بادشاہ کے ساتھ واپس چلے چنانچہ اکثر لوگون نے بادشاہ کیساتھ ارادہ کیا سلطان محمد تغلق جسوقت دہلی داخل ہوا - ویرانی کے علاوہ قحط عظیم پایا - حتی کہ ایک سیر غلہ (۱۷) دام کو بھی نہین ملتا تھا - ہزار ہا جانور اور آدمی ہلاک ہوئے - بادشاہ بعد خرابی بصرہ دہلی کی آبادی کیطرف متوجہ ہوا -

دولت آباد کے قیام کی مدت اور بندگانِ خدا کا داخلِ بیعت ہونا

یہ سرخی بھی کچھ ایسی اہم ہے کہ جسپر کوئی مستقل رائے قایم ہی نہین ہو سکتی۔ کیونکہ اگر ہم حضرت منتجب الدین صاحب کی وفات کے بعد برہان الدین اولیا صاحب کا دولت آباد آنا تصور کرین تو ۲۸ - ۲۹ برس کے قریب قریب قیام کی مدت ہوتی ہے اور اگر فتوح الاولیا کی روایت کے مطابق سنہ ۷۲۰ ہجری سے فرض کرین تو ۱۷ - ۱۸ برس ہوتے ہین اور اگر سلطان المشایخ نظام الدین اولیا صاحب کی وفات کے بعد سے حساب لگائین تب بھی ۱۲ - ۱۳ برس ہوتے ہین بہرحال دولت آباد کے مدت قیام مین برہان الدین اولیا صاحب نے بہت سے بندگانِ خدا کو داخل بیعت کیا۔

شیخ حماد الدین صاحب کاشانی لکھتے ہین کہ صرف میرے بھائی کی صحبت سے تخمیناً ہزار آدمیون نے بیعت کی ہمنے بہت چاہا کہ کوئی مکمل فہرست اُن حضرات کی جو برہان الدین اولیا صاحب کی مشایعت مین دہلی سے آئے تھے یا آپ کے مُرید تھے۔ ملجائے لیکن جسقدر کتابین روضتہ الاقطاب کی تالیف مین ہماری نظر سے گزرین وہ ایسی فہرست سے صاف تھین۔ تاہم بہت تلاش سے ایک چھوٹی سی فہرست ہمنے اُن حضرات کی تیار کی ہے جو دولت آباد مین آپ سے ہم صحبت تھے۔ اِس فہرست مین اُن ہی حضرات کے اسمائے گرامی ہین جو حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے اِرادتمند یا پیر بھائی تھے۔

فہرست اُن حضرات کی جو حضرت برہان الدین اولیا صاحب کی صحبت مین اکثر رہا کرتے تھے

نمبر شمار	نام	کس سے بیعت تھی	کیفیت
۱	خواجہ عبد الکریم	برہان الدین اولیا صاحب	دونون برادر حقیقی برہان الدین اولیا صاحب کے حقیقی بھائی تھے۔ مامون صاحب کے گنبد کے پچھم متصل مسجد دونون مزار ہین
۲	خواجہ عبد اللطیف	”	
۳	کاکا شاد بخت (سعد بخت)	”	جو خدمت کہ اقبال خادم کو حضرت نظام الدین اولیا صاحب کی بارگاہ مین تھی وہ کاکا صاحب کو اپنے شیخ کی درگاہ مین حاصل تھی۔ برہان الدین اولیا صاحب جسوقت دہلی سے دولت آباد آئے پہلے کاکا صاحب کے مکان پر قیام فرمایا اور اسیوقت سے کاکا صاحب حضرت کے ساتھ رہے کچھ دنون کاکا صاحب کو باورچیخانے کی خدمت سپرد رہی تولیت کے کام کو چندے انصرام دیا۔ قبر شیخ کے گنبد کے پائین جانب شرق ہے۔
۴	خواجہ خیر الدین	”	شیخ برہان الدین اولیا صاحب نے اُن کی نسبت فرزندانِ من و عبیدانِ من فرمایا ہے خواجہ جلدک لاولد فوت ہوئے خدامان درگاہ جد کلان خود کو باقی تین صاحبون کی اولاد مین بتلاتے ہین۔ ہر چہار مزار کاکا صاحب کی قبر کے پورب ہین۔
۵	خواجہ قبول	”	
۶	خواجہ عبد الرحمن	”	
۷	خواجہ جلدک	”	
۸	خواجہ محمد لشکری	”	شیخ کے گنبد کے شمال اُس احاطے مین جو حوض خاص کے متصل ہے

نشان	نام	کس سے بیعت تھی	کیفیت
			مزار ہے۔
۹	رکن الدین کاشانی	برہان الدین اولیا صاحب	سید زین الدین صاحب کے ارشد تلامذہ اور برہان الدین اولیا صاحب کے اسعد خلفا مین تھے پہلے تینون صاحب تصنیف اور پچھلے دونون یکشنبہ ۷ محرم سنہ ۷۳۲ ہجری مین مرید ہوگئے
۱۰	حماد الدین 〃	〃	
۱۱	مجد الدین 〃	〃	
۱۲	برہان الدین	〃	
۱۳	سید زین الدین	〃	آپ کے حالات علحدہ لکھے گئے ہین۔
۱۴	شمس الدین فضل اللہ	〃	ہر سہ حضرات سید زین الدین صاحب کے شاگرد ہین۔ ان کے مزارات سید زین الدین صاحب کے گنبد کے پائین پورب طرف ہین۔
۱۵	مولانا محمد	〃	
۱۶	تاج الدین محمد	〃	
۱۷	سید کبیر	.	ارادت کا حال معلوم نہین ٹبرکے آلے مین نیب کے درخت کے نیچے مزار ہے۔
۱۸	سید کمال الدین عرف کھڑک پھوڑ	.	ارادت کا حال معلوم نہین عربون کی مسجد کے متصل بڑکے درخت کے نیچے مزار ہے۔
۱۹	سید نصر اللہ	.	ارادتکا حال معلوم نہین چھوٹی باولی پر املی کو درخت کے نیچے مزار ہے۔
۲۰	سید احمد	.	〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۲۱	پیر کالیصاحب	.	〃 کنیا بی کے دروازیکو قریب 〃
۲۲	سید عبد اللہ فلح	.	〃 قبر بلغور کچہری کے قریب ہے۔
۲۳	شاہ میر صاحب	.	〃 حالون کے محلہ مین قبر ہے۔

نشان	نام	کس سے بیعت تھی	کیفیت
۲۴	سید سرہند	۰	ان کا حال معلوم نہین کنبی آلی کلان کو پورب قبر ہے قریب اور دو چار سیدون کے مزار ہین۔
۲۵	اخوند میر سادات	۰	ان کا حال معلوم نہین موضع سرا مین مدفون ہین۔
۲۶	خواجہ حسین رض	نظام الدین اولیا صاحب	ان کے واقعات علحدہ لکھے گئے ہین۔
۲۷	خواجہ عمر	″	
۲۸	فرید الدین ادیب	برہان الدین اولیا صاحب	″ ″
۲۹	فخر الدین شمس الملک	″	″ ″
۳۰	فرید الدین یگانہ	″	۰ ۰
۳۱	مبارک غوری	″	۰ ۰
۳۲	نصیر الدین صاحب پون پیک	″	شاہ راجو قتال حسینی کی مسجد کے گوشہ شمال و غرب احاطہ سے باہر قبر ہے۔
۳۳	امیر حسن علائے سنجری	نظام الدین اولیا صاحب	ان کے واقعات علحدہ قلمبند ہوئے ہین۔
۳۴	مولانا مسعود عرف جھجو	۰	انکو بعضے امیر حسن علائے سنجری کا بھائی اور بعضے بھانجہ کہتے ہین۔
۳۵	اخوند میر خلیفہ	۰	امیر حسن صاحب علائے سنجری کی درگاہ سے پچھم ٹیکری پر مزار ہے
۳۶	پیر مبارک کاروان	۰	موضع کاغذی پورہ سے پچھم نصف میل کے قریب ایک ٹیکری پر پیر مبارک صاحب کی قبر ہے اُس سے جنوب دوسری بلند ٹیکری پر لاڈلے صاحب آسودہ ہین۔
۳۷	لاڈلے صاحب انصاری	۰	

نشان	نام	کس سے بیعت تھی	کیفیت
			حدود خلد آباد مین یہ دوسرا مقام آب وہوا کے لحاظ سے اچھا ہے
۳۸	حاجی نظام صاحب مشہور امام	نظام الدین اولیا صاحب	اُنکے حالات علیحدہ لکھے گئے ہین -
۳۹	شیخ جام	نظام الدین اولیا صاحب	
۴۰	شیخ کمال خجندی	〃	
۴۱	شیخ فخر الدین	〃	
۴۲	خواجہ رشید الدین	〃	دولت آباد مین کسی عہدۂ جلیلہ پر مامور تھے -
۴۳	خواجہ عزیز الدین بن خواجہ یعقوبؒ بن حضرت فرید شکر گنج	〃	شہید ہوئے دولت آباد مین مزار ہے -
۴۴	کمال الدین سامانہ	۔	ارادتکا حال معلوم نہین - سید زین الدین صاحب کے اُستاد تھے -
۴۵	قاضی شرف الدین	〃	مولانا حسام الدین کے دوستون سے تھے دولت آباد مین قبر ہے -
۴۶	مولانا عزیز	برہان الدین اولیا صاحب	دولت آباد مین شاہی خدمت پر ممتاز تھے -
۴۷	خواجہ سالار	〃	〃 〃 〃
۴۰	سید صالح	〃	رکن الدین صاحب مؤلف نفایس الانفاس کے بیٹے تھے-
۴۹	خواجہ شہاب الدین	۔	ارادتکا حال معلوم نہین حضرت سید زین الدین صاحب کا گنبد اُن ہی کا بنوایا ہوا ہے -

نمبر شمار	نام	کس کی بیعت تھی	کیفیت
۵۰	قتلغ خان دبیر	برہان الدین اولیا صاحب	دولت آباد کے صوبیدار تھے حوض قتلغ انکی تعمیر سے ہے قبر وہی بنا ہے۔
۵۱	رفیع الدین صاحب خیرات	〃	دولت آباد کے صوبیدار تھے۔
۵۲	خواجہ محمد رستم	〃	سلطانپور مین کسی خدمت پر مقرر تھے۔
۵۳	نصیر الدین محمود	〃	قصبہ لاجورہ مین ملازم تھے۔
۵۴	کریم الدین لاجوری	〃	
۵۵	ملک الملوک عرف محمود	〃	یہ دونون صاحب سنہ ۷۳۶ ہجری مین مرید ہوئے۔
۵۶	قاضی عارف کاشانی	〃	
۵۷	خواجہ عبداللہ مطیعی	〃	آخر تک شیخ کے ساتھ رہے۔
۵۸	خواجہ محمد ندیم	〃	دولت آباد مین ملازم تھے۔
۵۹	قاضی حسین	〃	〃 〃 〃
۶۰	سید ابراہیم عرف [illegible]	〃	〃 〃 〃
۶۱	خواجہ سدید الدین	〃	〃 〃 〃
۶۲	فخر الدین صدر جہان	〃	〃 〃 〃
۶۳	نصیر الدین امیر	〃	〃 〃 〃
۶۴	خواجہ سراج الدین	〃	〃 〃 〃
۶۵	خواجہ علیشاہ	〃	〃 〃 〃
۶۶	خواجہ شجاع	〃	〃 〃 〃

نشان	نام	کس سے بیعت تھی	کیفیت
۶۷	عزیز الدین امام	برہان الدین اولیاؒ	دولت آباد مین ملازم تھے -
۶۸	خواجہ جلال کاتب	″	″ ″
۶۹	خواجہ رمضان	″	خواجہ جلال کے بیٹے تھے -
۷۰	قاضی فرید الدین یوسفؒ	″	عہدۂ قضا پر مامور تھے -
۷۱	قاضی صدر الدین	″	یکشنبہ غرۂ محرم ۷۳۳ھ ہجری مین مرید ہوئے -
۷۲	حافظ نور الدین محجوب	″	۲۹ رمضان ۷۳۱ھ ہجری مین مرید ہوئے -
۷۳	سعد الدین دبیر	″	دوشنبہ ۱۵ صفر ۷۳۳ھ ″ ″
۷۴	قوام الدین	″	شمس الدین صاحب کے پوتے تھے -
۷۵	شمس الدین	•	ارادت کا حال معلوم نہین - امیر حسن اعلائے سنجری کے بھتیجے تھے ہر وقت مشغول اور مستغرق رہتے تھے اکثر یہ بیت ورد زبان رہتی تھی ؎ ندارم سر گفتگوئے کسو را ؎ مرا گفتگو ہست با خود بسے ؛ انکا قول ہے کہ عورت مرد کے لیے باغ ہے یعنی مرد جسوقت مشغولی سے ملول ہو تھوڑی دیر اپنی عورت کے پاس بیٹھے جیسا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم جسوقت ملول ہوتے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھتے اور فرماتے کلمینی یا حمیرا

حضرات مذکورہ بالا کے علاوہ ملک دکن مین اکثر مقامات پر بہت بزرگ ہین جو حضرت برہان الدین اولیا صاحب کی صحبت سے فیضیاب ہوا کرتے تھے - حاجی چندو۱ - سید امام۲ - سید جلال بخاری۳

علالت اور وفات از ۷۳۵ھ تا ۷۳۸ھ

برہان الدین اولیا صاحب کا سن جب (۹۰) برس کے قریب پہونچا ۷۳۵ھ ہجری مین مزاج علیل ہوا۔ اکابران شہر کو تردد ہوا۔ آنحضرت نے عبد اللہ مطبخی سے فرمایا کہ لوگونکو میری علالت سے تردد ہے۔ لیکن اس مرتبہ مجھے صحت ہوگی کیونکہ میرے خواجہ (نظام الدین) نے مجھے ابھی بہت سی باتونکا امیدوار کیا ہے۔ البتہ اسکے بعد دوبارہ علیل ہونگا اور تین سال متواتر بیماری مین گزرینگے اور اسی حالت مین شب قدر بھی حاصل ہوگی۔ اسکے بعد حق سے ملونگا۔ عبد اللہ صاحب راوی ہین کہ حضرت نے چار سال قبل اپنی وفات کی کیفیت ظاہر فرمائی تو یہ بھی تاکید کی کہ خبردار کسی سے اسکا اظہار نہ کرنا۔ مین نے حضرت کی حیات مین کبھی یہ حرف زبان سے نہین نکالا چند روز بعد حضرت نے صحت پائی۔ اور دوبارہ ۷۳۵ھ ہجری مین صاحب فراش ہوئے۔ کبھی کبھی رویا کرتے تھے خواجہ مبارک غوری صاحب کہتے ہین کہ ایک وقت مین حاضر تھا۔ فرمایا مبارک تو یہ نہ سمجھنا کہ مین بیماری سے روتا ہون بلکہ سبب یہ ہے کہ اگر ایک لحظہ خدا کی یاد سے باز رہتا ہون روتا ہون۔ عاشقان خدا کسی حالت مین درد و اندوہ سے نہین روتے اور صاحب حال بیماری اور زحمت کو رحمت اور درد کو علاج جانتے ہین ؎

تاکہ طلبش بہر سلیمان ندہند
تشویش غمش بہر دل و جان ندہند
درمان طلبان ز درد او محروم اند
وین درد بطالبان درمان ندہند

(بقیہ صفحہ ۱۳۱) اور پیر غرق اور بادشاہ کٹڑک صاحب کی نسبت بھی لوگ مشہور کرتے ہین کہ شیخ برہان الدین اولیا صاحب کے رفقا مین سے تھے پہلے تینونکے مزار کاغذی پورے مین اور پچھلے دونون کے دولت آباد کی گھاٹی کے نیچے ہین۔

عاشقان الٰہی کا رونا اسکی یاد کے باز رہنے ہی سے ہوتا ہے جیسا کہ ایک وقت سلطان عاشقان پیشواے عارفان شاہ اقلیم عظیم سلطان ابراہیم ادہم انار اللہ برہانہ بیمار ہوئے رونا شروع کیا۔ ایک مرید عیادت کو آیا اور روتے دیکھکر عرض کی کہ اگر ارشاد ہو تو کسی طبیب کو بلا لاؤن۔ حضرت ابراہیم ادہم نے فرمایا طبیبی ذکری حبیبی۔ میرے دوست کی یاد میری حکیم ہے اور میرا رونا ذکر کے باز رہنے سے ہے۔

المطلب جب برہان الدین اولیا صاحب کی بیماری نے طول کھینچا۔ ظاہر بینوں نے بیماری سمجھکر کسی حاذق حکیم کو حاضر کیا اور یہ نہ سمجھے ؎

پیش خواجہ طبیب بیمار است — خواجۂ ما طبیب باطنہا ست
ذات خواجہ است روح محض بگو — روح را از جہتے کہ گفت کجا ست

طبیب نے نبض دیکھنے کے بعد علاج سے ہاتھ کھینچا اور کہا کہ جسم نے روح کی خاصیت اختیار کی ہے اور حکیم کامل روح کا علاج اور اندوہ عشق اور درد محبت کی دوا نہیں جانتے ؎

چون دلش دیدہ طبیب از شوق حق خون گشتہ گفت
علت عشق است این را من ندانم چارہ چیست

استغراق

وفات سے دو برس پہلے ہر وقت مشغولی رہتی تھی اور محویت اِسقدر غالب تھی کہ اگر کوئی حاضر ہوتا تو خادم اُسکا نام لیکر عرض کرتا کہ فلان شخص حاضر ہے جب وفات کا زمانہ قریب آیا۔ تو جو شخص آتا کوئی چیز دیکر فوراً رخصت کر دیا کرتے۔ ایک مرتبہ بہت سے چادرے تقسیم کیے۔

وفات کی خبر

حالت مرض مین اکثر مُریدون کو اپنے مرقد اور وفات سے اشارتاً آگاہ کر دیا تھا۔

جسوقت دولت آباد کی رعایا دہلی واپس ہونے لگی تو کاکا صاحب نے بمقتضاے محبت وطن بلا اطلاع دہلی چلنے کا سامان کیا اور بعد فراہمی سامان حضرت سے دہلی چلنے کے لیے بہت اصرار کیا۔ آنحضرت نے اُس مقام کیطرف کہ اب مرقد مبارک ہے اشارہ کرکے کہا کہ مین اس مقام سے جانیوالا نہین ہون۔

خواجہ مبارک غوری راوی ہین کہ حضرت نے چالیس روز قبل اپنے وفات کی کیفیت اصطلاح سے مجھپر ظاہر فرمائی کہ میرا ارادہ کس طرف جانیکا تھا۔ رخصت ہونیکو حاضر خدمت ہوا۔ فرمایا مبارک کہان جاتا ہے۔ اسکے بعد مجھے کہان پائیگا۔ فی الفور مین نے ارادہ فسخ کیا۔ پورے چالیس روز کے بعد حضرت نے وفات پائی۔

صوفی سجستانی برگزیدہ مریدون مین تھے کسیوجہ سے یا بحکم شیخ قصبہ بیٹر مین رہا کرتے تھے سال مین ایکبار حضرت کے پاس آیا کرتے تھے۔ جب اجازت ہوتی واپس جاتے۔ جس سال حضرت نے انتقال فرمایا۔ صوفی صاحب حسب معمول حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا سجستانی گھر کو واپس جا اور مستعد رہ کہ میرے اور تیرے درمیان ایک مہینے کی مہلت ہی اور تو میرے ہمراہ ہے۔ صوفی سجستانی صاحب بیٹر واپس گئے اور حضرت کی وفات سے پورے ایکماہ بعد انتقال کیا۔

خواجہ مبارک صاحب لکھتے ہین کہ حضرت نے وفات سے تین روز قبل مجھے تجدید بیعت سے سرفراز کرکے فرمایا کہ مین نے جو کچھ بتلایا ہے ہمیشہ اُسکو پڑھا کر۔

عبداللہ ططبخی صاحب راوی ہین کہ حضرت کو جب شب قدر حاصل ہوئی۔ فرمایا مین نے شب قدر پائی اب میرے مرنے کا وقت قریب آیا ہے۔ اے عبداللہ تو اب روضے سے دوسری جگہہ نہ جا۔

درخواست طلب قضا

مبارک غوری کا بیان ہے کہ جس زمانے مین مولانا وجیہ الدین کھوکھری نے رحلت کی مین ایکروز حاضر تھا۔ فرمایا یارون نے سفر آخرت کیا ہم ابھی تیار نہین ہوئے۔ چند روز بعد ایکدن پھر فرمایا مبارک تجھے یاد ہے کہ مین نے مولانا وجیہ الدین کے انتقال کے وقت تجھسے کیا کہا تھا مین نے عرض کی ہان یاد ہے۔ فرمایا اب مجھے دنیا مین رہنے کی طاقت نہین ہے اسلیٔ اب میرے لیئے زندگی کی دعا نہ کر بلکہ یہ دعا کر کہ خداوند عالم مجھے اپنے پاس جلد طلب کرلے۔

تسبیح شیخ اور تجدید بیعت

آخر وقت مین ایکروز مریدون کو بلاکر وصیت کی اور سلطان المشایخ نظام الدین اولیا صاحب کی تسبیح لیکر سامنے رکھی اور دستار مبارک گردن مین ڈالکر اسطرح کہنا شروع کیا (مسلمان ہون۔ امت رسول ہون شیخ کا مرید ہون۔ اگرچہ مین خود نیک نہ تھا۔ نیکون سے تو ملا۔ اپنا انصاف مین خود کرتا ہون۔) یہہ کہتے ہوئے روئے اور سجدے مین لاکر تسبیح سے تجدید بیعت کی۔

قطعہ تاریخ وفات از عمادالدین صاحب کاشانی

ہفتصد و سی و ہشت بود ز سال	کہ شدہ ختم احسن الاقوال
سیزدہم روز بود ماہ صفر	کز جہان شیخ عزم کرد سفر

از غلام علی آزاد بلگرامی

اربعا بود و یازدہ ز صفر	ہفتصد و سی و ہشت بود ز سال
کہ ندا آمد از سرادق قدس	بسوئے شیخ ما تعال تعال

قطعات مذکورہ سے برہان الدین اولیا صاحب کی تاریخ وفات مین بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مجد الدین صاحب نے وفات کا قصہ اس عبارت سے نقل کیا ہے۔

بارھوین صفر سنہ ۷۳۸ ہجری سہ شنبہ کے روز چاشت کیوقت برہان الدین اولیا صاحب نے خادمون کو طلب کرکے حکم دیا کہ باورچیخانے مین جاکر کھانا کھاؤ۔ شیخ کے ارشاد پر حاضرین کھانا کھانے بیٹھ گئے حضرت خواجہ رشید الدین حاضر خدمت رہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ کے کپڑے کہان ہین لاؤ۔ خواجہ صاحب نے عرض کی کہ حجرے مین ہین۔ اتنا کہکر اور آگے کو جھکے کہ حضرت اب کیا فرماتے ہین غور کیا تو اس غواص معرفت اور حقیقت کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ اس روز نعش کو محفوظ رکھا۔ دوسرے دن ۱۳ صفر سنہ ۷۳۸ ہجری یوم چہارشنبہ کو شہر کے وضیع وشریف نے جمع ہوکر اس گنج اسرار الٰہی کو خاک مین سونپا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عرس

صفر کی (۸) سے شروع ہوتا ہے (۸) کوچونا۔ (۹) فراشان (۱۰) صندل (۱۱) چراغان (۱۲) کو ختم ہوتا ہے۔ خلاف دہونے کے لیئے ست کنڈے پر جاتے ہین۔ عرس مین زائرین کا مجمع کم اور تمام رسومات منتجب الدین صاحب کے عرس کے مطابق ہوتی ہین کوئی نئی بات نہین ہوتی۔

فضایل وخصایل

اس سے پہلے جو ہمنے لکھا ہے وہ شیخ برہان الدین اولیا صاحب غریب کی زندگی کے حالات تھے اور اس امر کی سرگزشت تھی کہ مولانا غریب کب پیدا ہوئے۔ ہانسی سے دہلی کیون آئے۔ ارادت کیسے ہوئی۔ خلافت کیسے پائی۔ دولت آباد پہونچنے کے کیا

اسباب ہوئے دولت آباد مین کون کون لوگ آپ سے بیعت تھے کب وفات پائی لیکن اب یہ بتانا باقی ہے کہ آپ مین کیا کیا فضیلتیں اور خصلتیں تھین اگرچہ پورے پورے خصائل اور فضائل ہمارے علم سے باہر ہین تاہم تحقیق سے جسقدر ہمکو معلوم ہوسکے حوالہ قلم کرتے ہین۔

روزہ و نماز و اوراد

آوائل حال سے دل فقر پر رجوع اور کم عمری ہی سے طبیعت ریاضت پر راغب تھی۔ چھ سات برس کی عمر سے کلمہ طیبہ کے ذکر پر مواظبت رکھتے تھے اور حجرے مین تنہا بیٹھکر مشغول رہا کرتے تھے۔ مقررہ فرائض و واجبات و سنتین کے سوا بیشتر وقت اوراد و نوافل و شغل و اشغال مین گزرتا تھا۔

پچپن برس کامل عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی اور اس عرصے مین شب بیداری سے پشت زمین پر نہین لگائی تیس سال داؤدی روزے رکھے پانی یا دودھ یا مولی سے روزہ افطار کرتے تھے۔ جب کبھی احتلام ہوتا۔ اُس روز بھی روزہ رکھتے ہر روز صبح کی نماز کے بعد وظیفہ پڑھتے اسکے بعد اشراق اور سو رکعت صلوۃ التحفہ اور اٹھارہ رکعت چاشت اور تین پارے کلام مجید پڑھکر ایک روز کی نماز قضا بھی پڑھتے اسکے بعد مزارات کی زیارت کو جاتے اور ایکہزار پانسو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتے زیارت کے بعد قیلولہ کرکے نماز عشا جماعت سے ادا کرتے تھے اور بکمال ریاضت اور مجاہدے کے باوجود خود کو ریاضت اور عبادت سے قاصر سمجھتے اور اکثر فرمایا کرتے تھے۔ ما عبدناک حق عبادتک ؎

عاصیان از گناہ توبہ کنند
عارفان از عبادت استغفار

؎ غرایب الکرامات ۱۲

تجرید

ابتدا ہی سے اس بات کا خیال تھا کہ مین متاہل نہون ۔ تیرھوین سال عہد کیا کہ شادی نکرونگا اور ہمیشہ طاعت اور عبادت خدا مین گزارونگا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آخر تک تجرید اور تفرید مین گزرانی ۔ جب شباب کا آغاز ہوا ۔ والدہ صاحبہ نے شادی کرنی چاہی اگرچہ بپاس آداب انکار نہین کیا ۔ لیکن اسوقت سے صوم کی نیت کی اور والدہ معظمہ سے عرض کی کہ فی الحال مین روزے سے ہون ختم ہونے کے بعد جیسا ارشاد ہوگا تعمیل کرونگا ۔ روزے رکھتے ہوئے مدت گزری اور اس عرصے مین غذا آہستہ آہستہ کم کردی حتی کہ سات لقمے پر قناعت کی ۔ قلت غذا سے جسم مبارک مین پوست واستخوان ہی رہگیا ۔ ضعف وناتوانی نے اسقدر غلبہ کیا کہ اگر آسمان کیطرف دیکھنا چاہتے تھے بمشکل دیکھ سکتے تھے ۔ رکوع اور سجود کیوقت مغز حرکت کرتا تھا ۔ صاحب فتوح الاولیا ناقل ہین کہ اس عرصے مین والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا ۔ لیکن صاحب غرایب الکرامات لکھتے ہین کہ جب والدہ صاحبہ نے ضعف اور ریاضت کا حال معاینہ فرمایا ۔ شادی سے باز رکھا ۔

آداب شیخ

شیخ کے آداب اور حفظ مراتب مین بدرجۂ غایت احتیاط تھی جب تک بقیہ حیات رہے غیاث پور کی طرف کہ الحال مرقد مبارک سلطان المشایخ ہے پشت نہین کی اور لعاب دہن نہین ڈالا ۔ اور یہ بات سلطان المشایخ کے مریدون سے کسی کو حاصل نہ تھی ۔

طرز حال

آپ کی مجلس اکثر سماع سے گرم رہا کرتی تھی ۔ حضور قلب اور سماع مین غلو اور حال کا طرز جدا گانہ تھا ۔

ملک

ذاتی املاک سے کوئی چیز پاس نہ تھی جو کچھ تھا پہلے ہی راہ خدا مین دے ڈالا ۔ شمس الدین صاحب کے پوتے قوام الدین صاحب سے روایت ہے کہ شیخ

برہان الدین نے اپنی مدت عمر مین اپنی ملک سے کوئی شئے نہین رکھی حتی کہ گھر بھی نہ تھا مجد الدین صاحب غرایب الکرامات مین لکھتے ہین کہ حضرت کی ملکیت مین ایک مصلے کے سوا دوسری چیز نہ تھی۔ چھ برس اُسپر نماز پڑھی۔ ضرورت پر اسی سے چادر کا بھی کام لیتے تھے۔

غذا

غذا نہایت سادہ اور بے تکلف تھی زمانے حال کے فقراؤن کا سا مرغن کھانا کبھی دسترخوان پر نہین ہوتا تھا۔ عرصے تک صرف نان جو و لوبیا کھائی۔ ایکوقت کاکا سعد بخت (شاد بخت) نے مغز بادام اور مصری پیش کی آپ نے اُس مین سے چند دانے کھائے اور فرمایا کہ کاکا اِس مین کسی قسم کی لذت نہین ہے۔ کاکا صاحب نے از راہ شوخ طبعی عرض کیا کہ ایک وہ وقت تھا کہ نان جو اور لوبیا آپ خوشی سے کھاتے تھے اب یہ خوش نہین آتا ہے فرمایا اُسوقت جو لذت نان جو اور لوبیا مین تھی اِسمین نہین ہے۔ قلت غذا کا حال ہمنے پہلے لکھا ہے کہ صرف (۷) لقمے پر قناعت کی تھی۔ لیکن بعضے مورخین یہ بھی لکھتے ہین کہ ہفتے مین دو بار نیم سیر ہوکر کھاتے تھے۔ ابتدائے حال مین کھانا گھر سے لاتے اور اُسمین سے تھوڑا فقیرون اور مسکینون کو دیتے اور تھوڑا خود کھاتے اور اگر کوئی کتا بھوکا دیکھتے اپنا کھانا اُسکو کھلاتے۔ کھلاتے وقت اپنا ہاتھ اُسپر پھیرتے جاتے اور بارگاہ خداوندی مین اُسکو شفیع لاتے اور مناجات کرتے کہ خدایا مجھکو اپنی طرف بُلا۔ مجھکو اپنے پیچھے دوستون سے بنا۔

لقمہ حرام سے اجتناب

حرام لقمے سے ہمیشہ حلق محفوظ رہتی تھی اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالے اولیا کے حلق کو لقمہ حرام سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک وقت کاکا سعد بخت نے عرض کی کہ اگر کوئی شخص مشتبہ شئے فقیر کے پاس لائے

تو اُسکو کیا کرنا چاہیئے ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ اولیا کی حلق کو لقمہ حرام سے محفوظ رکھتا ہے اور ایک حدیث پڑھی جسکا ترجمہ یہ ہے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔ مومن کے گھر مین ہزار تنگی ہو اور اُسمین ایک لقمہ حلال ہو ۔ حق تعالیٰ اُسکو محفوظ رکھے تا کہ ولی آئے اور کھائے اور اگر لقمہ حرام ہو اُسکو نگاہ رکھے تو فاسق آئے کھائے ۔

لباس

نہ پیوند پر پیوند ہوتے تھے ۔ نہ بہت فاخرہ ۔ سر پر عمامہ اور بدن مین کُرتہ اسپر عبا اور نیچے تہ بند زیب تن کرتے تھے اور جوتیان جیسی کہ اُس زمانے مین مروج تھین پہنتے تھے ۔

حلیہ

جثہ نحیف ۔ قد لانبا ۔ داڑھی نیچی تھی ۔

اہل دنیا سے تنفر

اگرچہ آپ کے مُرید بیشتر معزز لوگون اور اکثر سرکاری عہدے دارون سے تھے ۔ لیکن تعلیم کا ایسا اثر تھا کہ وہ دنیاوی شان و شوکت اور رعونت سے پاک اور صفت درویشی سے آراستہ تھے ۔ سلاطین اور امرا سے قطعاً نہین ملتے تھے اور اُنکی ملاقات کو کسی طرح پسند نہین فرماتے تھے عماد الدین صاحب فرماتے ہین کہ دہلی سے سُلطان محمد تغلق کے آنیکی خبر ہوئی بیٹے حضرت سے اُسکے آنیکی خبر دریافت کی ۔ فرمایا فلان جگہہ پر ہے چونکہ اُس زمانے مین حضرت کا مزاج علیل تھا ۔ لوگ عیادت کو حاضر تھے ۔ سب سے مخاطب ہو کر کہا کہ مین نے خدا سے التجا کی ہے کہ اُس سے ملاقات نہو ۔ جب سُلطان محمد تغلق دولت آباد آیا جمعہ کے روز جامع قطبی مین نماز پڑھکے حکم دیا کہ شیخ برہان الدین کے مکان پر چلو ملک مبارک پسر امیر خسرو صاحب دوڑتے ہوئے حضرت کی خدمت مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ سلطان محمد تغلق ملاقات کو آتا ہے ملک مبارک یہ کہہ ہی رہے

کہ بادشاہ کی سواری حضرت کے محلے مین پہونچگئی اور بادشاہ یہانتک قریب آگیا کہ خدم وحشم اور ہٹو بچو کی آواز حضرت کے گھر تک آنے لگی۔ حضرت نے فرمایا۔ آؤ فاتحہ پڑھین تاکہ بادشاہ نہ آئے اُسیوقت حق تعالی نے بادشاہ کے دل کو پھیر دیا اور اُس نے گھوڑے کی باگ دوسری طرف موڑ دی ؎

اولیا را ہست قدرت از الہ   تیر جستہ باز گردانند ز راہ

چونکہ سُلطان محمد تغلق جس مہم کے لیئے دہلی سے آیا تھا وہ اختتام کو پہونچگئی تھی۔ اسلیئے اُس نے تین ہزار (تنگے) ٹکے ملک نایب کے ہاتھ حضرت کے پاس بھیجا۔ حضرت نے کاکا سعد بخت سے کہا کہ فقیر کے گھر مین جو کچھ ہے حاضر کر۔ اُسوقت گھر مین بیس تنگے (ٹکے) موجود تھے۔ کاکا صاحب نے لاکر پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اِنکو اسمین ملا کر تقسیم کر دو۔ ہنوز ملک نایب بیٹھا ہی تھا کہ تمام روپیہ تقسیم ہو گیا۔ حماد الدین صاحب کا بیان ہے کہ مجھکو بھی اس مین سے بہت کچھ ملا۔ تقسیم کے بعد حضرت نے ملک نایب کے ہاتھ تھوڑی کھجورین اور مُصلّی بادشاہ کو بھیجا اور ملک نایب سے فرمایا سُن ؎

مرد آن دِرَوَدُ کہ کشتہ باشد   زن آن پوشد کہ رشتہ باشد
شہرت کہ برائے خود...   ہم کردہ تو بہ پیشت آرند

مساوات

مریدون پر ہمیشہ مساوات کی نظر رہتی تھی زیادتی کو کسی حال مین پسند نہین کرتے تھے اگر کسی وقت کسی سے کوئی فعل زیادتی کا وقوع مین آتا۔ فوراً اُسکا تدارک کر دیتے جس سے دوبارہ پھر کسی کو جرأت نہوتی تھی۔ نصیر الدین صاحب کا بیان ہے کہ ایکدفعہ خواجہ خیر الدین اور خواجہ قبول نے باغ سے کچے انگور توڑے۔ مولانا لطیف الدین نے دونون کو چند کوڑے ایسے مارے کہ پشت پر نشان پڑ گئے۔ خواجہ خیر الدین اور خواجہ قبول نے

حضرت سے شکایت کی اور چوٹ کے نشان دکھلائے۔ حضرت کو نہایت ملال ہوا اور لطیف الدین صاحب کو طلب کر کے تنبیہ کی اور فرمایا کہ خبردار کبھی ایسی حرکت دوبارہ نکرنا کیونکہ شیخ اور خادم انہی کے بیٹے ہیں۔

اسیطرح کا کا صاحب نے کسی مطالبہ کیواسطے خواجہ جلدک اور خواجہ عبد الرحمن کو مارا تھا اور حضرت نے اسیوقت کا کا صاحب کو چشم نمائی کی اور چند روز سامنے آنے نہیں دیا۔

بایزید ثانی

غریب سے ملقب ہونے کی وجہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں لیکن اسکے علاوہ سلطان المشائخ نے اور بھی خطابات سے ممتاز فرمایا۔ ایک دفعہ سلطان المشائخ کے سامنے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں بھی بایزید ثانی رکھتا ہوں۔ خادموں نے عرض کی۔ وہ کون ہے اور کہاں ہے۔ فرمایا جماعت خانے میں ہے۔ اسیوقت اقبال خادم نے جماعت خانے میں جاکر دیکھا کہ کون ہے اور کسکی نسبت یہ خطاب ارشاد ہوا ہے۔ دیکھا کہ شیخ برہان الدین غریب تنہا جماعت خانے میں بیٹھے ہیں۔ اقبال نے کہا کہ شیخ نے آپکی نسبت بایزید ثانی کا خطاب فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم | اسیطرح جب عبادت اور ریاضت سے نور کرامت چہرۂ نورانی پر چمکا سلطان المشائخ نے آپکی شان میں الیوم اکملت لکم دینکم فرمایا۔

قطب

مذکورہ بالا فضائل و خصائل کے قطع نظر شیخ برہان الدین اولیا صاحب بارگاہ لم یزلی کے حاجب اور اپنے زمانے کے قطب تھے۔ اس دلیل سے کہ مولانا فرید الدین عطار صاحب نے تذکرۃ الاولیا میں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو حاجب خدا لکھا ہے اور حاجب خدا قطب عالم ہوتا ہے چونکہ قطب الاقطاب سلطان نظام الدین اولیا صاحب نے شیخ برہان الدین اولیا صاحب کو بایزید ثانی فرمایا اس نظر سے آپ بھی حاجب خدا ہوئے

اور حبیب خدا ہوئے تو قطب عالم ہوئے۔ شمس الدین بن فضل اللہ صاحب نے قطبیت کے متعلق ایک روایت جسکو ہم اس مقام پر نقل کرتے ہین۔ بیان کی ہے جس سے پورا ثبوت پایا جاتا ہے کہ بلا شبہ شیخ برہان الدین قطب عالم تھے۔ وہ لکھتے ہین کہ مین اُس وقت تک حلقہ ارادت مین نہین آیا تھا۔ کہ ایکروز ایک پیر کامل سے ملاقات ہوئی۔ اوس نے مجھسے کہا کہ شمس الدین تو عنقریب قطب عالم کو دیکھیگا۔ اور اوسکی بیعت سے مشرف ہوگا چند روز بعد جب مین بیعت سے سرفراز ہوا۔ وقت کا منتظر تھا کہ اُس فقیر کی بات کو حضرت کو عرض کرون۔ اتفاق سے ایکروز موقع پاکر گذارش کی کہ مقبول الاقطاب حضرت امیر حسن اعلاے سنجری صاحب نے فوائد الفواد کے دیباچہ مین حضرت سلطان المشائخ کو قطب الاقطاب لکھا ہے اور بالاتفاق اقطاب قطب کی جمع ہے تو کیا جہان مین کئی قطب ہوتے ہین۔ فرمایا ہر قوم اور ہر گروہ مین ایک قطب ہے جیسا کہ چالیس ابدال ہین۔ اور جو اُنپر سردار ہے اُسکو قطب الابدال کہتے ہین اور اوتاد ہے چار تن ہین اُنپر جو سردار ہے اُسکو قطب الاوتاد کہتے ہین۔ ایسے ہی نقبا اور اخیار اور نجبا مین بھی ایک قطب ہوتا ہے اور اُنپر جو افسر ہوتا ہے اُسکو قطب الاقطاب کہتے ہین اور جہان کا مدار اُسی پر ہے جیسا کہ برادر امیر حسن اعلاے سنجری نے سلطان المشائخ کو قطب الاقطاب لکھا ہے بے شک ویسا ہی ہے۔

اِس کے بعد اُس فقیر کے حال سے جس نے مجھے قطب عالم کے ملاقات ہونیکی بشارت دی تھی آگاہ فرمایا اور اُسی ضمن مین اشارتاً و کنایتاً اپنی قطبیت کا بھی اظہار فرمایا۔

[illegible]

دولت آباد کے قیام مین جو لوگ ہم صحبت تھے اُنکی ایک فہرست ہمنے پہلے لکھی ہے لیکن دہلی مین جن لوگون سے آپ ہم صحبت تھے وہ عموماً سلطان المشائخ کے مریدان

سے ہیں ۔ امیر حسن علاے سنجری ۔ خواجہ خسرو ۔ مولانا ابراہیم ملفت دار سلطان المشائخ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی ۔ مولانا کمال الدین یعقوب ۔ سید خاموش ۔ خواجہ مبشر ۔ سید حسین ۔ اقبال وغیرہ کو شیخ برہان الدین اولیا صاحب سے کمال اُنس تھا ۔ اسلیئے بہت سا وقت انہی صاحبون کی صحبت مین گذرتا تھا ۔ شیخ نصیر الدین صاحب محمود ملقب چراغ دہلوی ابتدا مین جب اودہ سے دہلی آئے شیخ برہان الدین اولیا صاحب کے مکان پر ٹھہرے ۔ چنانچہ ایکمرتبہ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ محمود کہان رہتے ہو ۔ نصیر الدین صاحب نے کہا کہ شہر مین شیخ برہان الدین کے مکانپر رہتا ہون ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا

مرد سرہ باش ہر کجا خواہی باش

قبول عام

عام وخاص مین مقبول تھے زبان سے اگر کوئی بات نکلجاتی تو ارباب یقین اُسکو اس شعر کا مصداق سمجھتے تھے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

مجید الدین صاحب راوی ہین کہ ایک جوان سپاہی تھا کسی لڑائی اور ہنگامے مین اُسنے بدن پر ہتھیار نہین لگائے تھے اور بغیر تیر و تفنگ وہ معرکۂ کارزار مین بلا خوف وخطر چلا جایا کرتا تھا ۔ لوگون نے اُس سے کہا کہ تو ایسی ناعاقبت اندیشی کیون کرتا ہے اُسنے جواب دیا کہ مین کسی حال مین مرنیوالا نہین ہون ۔ اسلیئے کہ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا ہے کہ جب تک تو بڈھا نہوگا نہ مریگا ۔

علم

علمی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو باطنی علم کے سوا ظاہری علوم پر پورا عبور رکھتا ۔ ابتدا ابتدا مین جب تحصیل علم پر توجہ کی تو پہلے فقہ نافع جو آبائی علم تھا حفظ کیا ۔ ادب وحدیث واصول پر پوری دستگاہ رکھتے تھے ۔ علم وفضل کے کمال سے ایک زبردست صوفی ۔

فاضل اجل۔ گران پایہ عالم متبحر تھا۔

شریعت اور طریقت دونوں پلّے یکساں تھے۔ قرآن اور حدیث سے اگر کوئی کچھ سوال کرتا اسکا جواب بھی اُسی سے دیتے تھے اور سائل کی پوری تسلی اور تشفی ہو جاتی تھی۔ ایک وقت مولانا شمس الدین فضل اللہ نے عرض کی کہ یہ بیچارہ چاہتا ہے کہ اوراد وظائف ترک کر دے۔ فرمایا کیوں۔ عرض کی کہ میں تلاوت کر رہا تھا کہ اس آیت پر پہونچا۔ من عمل صالحًا فلنفسہ ومن اساء فعلیہا ﴿ اس آیت کے حکم پر جو عمل کہ بندہ کرتا ہے اپنے نفس کے لیئے کرتا ہے۔

میں اپنے گندے نفس کیواسطے عمل نہ کرونگا۔ اس تقریر سے پہلے تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ایسا ہی ہے اس کے بعد فرمایا حضرت عزت کلام پاک میں فرماتا ہے (ولربک فاصبر) یہ لام لاجل ہے حضرت عزت اپنے کمال کرم سے فرماتا ہے۔ اپنے پروردگار کے لیے صبر کر۔ اُسکے بعد فرمایا جو کچھ ہاتھ اور زبان سے تعلق رکھتا ہے عمل ہے اور جو دل سے تعلق رکھتا ہے وہ عمل نہیں ہے اور یہ اشتغال بالمدہین روزہ کسی جارحہ سے تعلق نہیں رکھتا ہے لہذا کہا ہے (اَلصَّومُ لِی وَاَنَا اُجزِی بِہٖ) اور حدیث شریف میں آیا ہے (مَن اَخلَصَ لِلّٰہِ اربعین صباحًا اظہر اللہ ینابیع الحکمۃ فی قلبہ) اخلاص دل سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلیئے اخلص للہ کہا اور یہ نہ کہا من صلی للہ اگر کوئی شخص کہے کہ قرآن میں ہے (قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ الخ) اسکا جواب یہ ہے (لا صلوۃ الا بحضور القلب)

تصانیف

اگرچہ معرفت القلوب کے سوا کوئی تصنیف ہماری نظر سے نہیں گذری لیکن ہمنے سُنا ہے کہ تصوف میں اکثر رسالے آپ کے مصنفہ خلد آباد میں ہیں۔

صاحب فتوحِ الٰہیہ لکھتے ہیں کہ علم حقائق اور سلوک میں شیخ برہان الدین کی تصنیف کئی چھوٹے بہت سے رسالے ہیں۔

مکاشفات

درحقیقت اس علم کو علوم نقلیہ اور عقلیہ سے کچھ نسبت نہیں ہے باوجود بسیط ہونیکے صوفیائے کرام کے سوا کسی کی سمجھ میں کم آتا ہے زمانے حال کے فلسفی اور اسلام کو بعض گروہ تو اسکے قائل ہی نہیں ہیں البتہ صوفیہ خیالات کے جو لوگ تبع ہیں وہ اسقدر خوب سمجھتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں علوم ظاہری کی کچھ ہستی نہیں ہے مکاتیب تصوف میں منجملہ اور تعلیم کے اسکی بھی تعلیم دیجاتی ہے مبتدی کو چند قواعد ابتدائی ختم کرنے کے بعد کشفِ قلوب اور کشفِ قبور کے (جو مکاشفات میں پہلا سبق شمار کیا جاتا ہے) ورق الٹنا پڑتے ہیں۔

علوم ظاہری اور مکاشفے کی تعلیم میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس علم کو بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے اور چونکہ اسکی تعلیم سینے سے وابستہ ہے لہذا تعلیم کا مدار صرف اشارت پر ہے دلالت پر نہیں ہے حضرت نظام الدین اولیا صاحب کی تعلیم نے شیخ برہان الدین اولیا صاحب میں یہ جوہر ابتدا ہی سے پیدا کر دئے تھے۔ جوں جوں پیر کے التفات بڑھتے گئے برہان الدین اولیا صاحب کے مراتب فقر طے ہوتے گئے اور مکاشفات بھی بڑھتے گئے۔

شیخ برہان الدین اولیا صاحب کی تاریخ زندگی میں یوں تو مختلف موقعوں پر متعدد مکاشفات ظاہر ہوتے گئے۔ لیکن دولت آباد کے قیام میں اس قسم کے واقعات جنکا شمار مکاشفات میں ہے اکثر پیش آئے ہیں۔ ہم اس موقع پر چند مکاشفے اور کرامتیں نقل کرتے ہیں جس سے

اندازہ ہو جائیگا کہ شیخ برہان الدین اولیا صاحب کا پایہ مکاشفات کسقدر بڑھا ہوا تھا سلسلہ مکاشفات کے لحاظ سے ہم پہلے ایک مکاشفہ دہلی کے قیام کا بیان کرتے ہین اسکے بعد مکاشفات دولت آباد لکھتے ہین۔

خواجہ محمد کاتب و مرید سلطان المشایخ کو اقبال خادم سے کسی بات مین شکر رنجی ہو گئی تھی اور خواجہ صاحب نے اقبال سے بات کرنی چھوڑ دی تھی۔ برہان الدین اولیا نے خواجہ صاحب سے کہا کہ اقبال سے دو ہفتے کے لیئے کیون آزردہ ہو گئے ہو۔ خواجہ صاحب کا بیان ہے کہ چونکہ مجھپر پہلے سے برہان الدین اولیا صاحب کے مکاشفات آشکارا ہو چکے تھے۔ اس لیئے مین نے سمجھا کہ اقبال کو سیطرف کا سفر ہوگا یا سفر آخرت کریگا۔ بخیال مذکورہ مین نے اقبال سے صلح کی اور دل کو غبار کدورت سے صاف کیا۔ پورے پندرہ روز کے بعد اقبال کا انتقال ہوا۔

ایک عورت کنپٹی کے درد سے بیقرار حضرت کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میرے سر مین بہت درد ہے یا سر کو توڑیئے یا دعا کیجیے کہ درد جاتا رہے۔ حضرت نے تبسم کر کے فرمایا کہ جب تک سر نہ ٹوٹیگا درد سر نہ جائیگا۔ وہ عورت مکان کو واپس آئی اور اتفاق سے ناودان کے نیچے بیٹھی۔ یکایک اوپر سے ایک پتھر اسکے سر پر گرا اور خون جاری ہوا۔ درد سر فوراً جاتا رہا۔

مجد الدین صاحب غرایب الکرامات مین لکھتے ہین کہ ایک وقت دو شخص بغرض بیعت حاضر ہوئے۔ حضرت نے ایک کو داخل بیعت کیا اور دوسرے سے کہا کہ جب توہمات دل مین ہین تو بیعت درست نہین ہے اور تاکید کی کہ فقرا کے پاس اس حال سے نہ آنا اور اس قسم کی گستاخی کسی سے نہ کرنا۔ جب دونون رخصت ہوئے۔ مرید نے اُس شخص

سے پوچھا کہ وہ کیا اسرار تھا۔ جو حضرت نے تیری نسبت فرمایا اُس نے کہا کہ بات یہ تھی کہ جسوقت تو مرید ہوتا تھا۔ میرے دل مین طرح طرح کے خیال آرہے تھے کبھی طبیعت چاہتی تھی کہ بیعت کرون اور کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ نہ کرون۔ اُس کے سوا مجھے غسل کی حاجت تھی

شمس خان کا بیان ہے کہ بیعت کے قبل مین بغرض امتحان ایکروز حضرت کی خدمت مین حاضر ہو کر بے ادبانہ چارزانو سامنے بیٹھا اور کسی مشکل مسئلہ مین بحث کرنے لگا۔ بحث کی حالت مین حضرت نے مجھے اپنے نزدیک بٹھلایا۔ ہیبت سے مجھپر لرزہ طاری ہوا۔ جس سے میرا وہ پہلا خیال جاتا رہا۔ باتون باتون مین حضرت نے بارہ سال کی کیفیت جو مجھپر گزر چکی تھی بیان فرمائی اور اس صراحت سے گزشتہ واقعات بیان فرمائے کہ گویا خود وہان موجود تھے بارہ برس کے گزشتہ واقعات مین ایک واقعہ عورت پر مبتلا ہونیکا جسوقت بیان کیا۔ سخت حیرت ہوئی بعد معائنہ مکاشفات داخل بیعت ہوا۔

تاج الدین صاحب کثیر العیال تھے اور آمدنی کم تھی۔ مشکل سے بسر ہوتی۔ ایک روز بر سبیل ذکر حضرت سے تنگی کی شکایت کی حضرت نے فرمایا انشاءاللہ تعالیٰ جلد فراخی ہوگی لیکن مین نہونگا۔ چنانچہ حضرت کے انتقال کے بعد تاج الدین صاحب کی بافراغت بسر ہونے لگی

فخر الدین صدر جہان کا بیان ہے کہ ایکروز مین برہان الدین اولیا صاحب کے پاس آیا اور دل مین تصور کیا کہ اگر حضرت شیخ کامل ہین تو اپنے دست مبارک سے تھوڑی مصری عنایت فرمائین بمجرد خیال حضرت نے خادم سے مصری طلب کی اور اپنے ہاتھ سے مرحمت فرماکے کہا کہ فخر الدین فقیرونکا امتحان نہ کرنا چاہیئے۔

خواجہ رمضان خلف الصدق خواجہ جلال کا بیان ہے کہ ایکوقت میرے والد اور تمام گھر کے لوگ بیمار تھے والد نے میرے ہاتھ سے پانی کا ایک گھڑا حضرت کیخدمت مین

بھیجا اور کہا کہ حضرت سے سب کی بیماری کی کیفیت عرض کرنا۔ جب مین آستانے پر حاضر ہوا۔ پانی کا گھڑا پیش کر کے مریضون کیحالت بیان کی۔ حضرت نے اُس پانی پر کچھ دم کر کے فرمایا کہ لیجا اور فلان شخص کے علاوہ اور سب کو یہ پانی پلانا حسب ارشاد دم کیا ہوا پانی گھر لیجا کر اُس شخص کے سوا جسکو حضرت نے منع کیا تھا سبکو پلایا۔ برکت نفس حضرت جس جس نے پیا صحت پائی اور جسکی نسبت منع فرمایا تھا اُسکا انتقال ہوا۔

خواجہ علیشاہ کہتے ہین کہ مرید ہونے سے چھ ماہ قبل وقتاً فوقتاً میرے دل مین آتا کہ مُلتان جاکر وہان کے کسی مشایخ سے بیعت کرون لیکن ارادہ دل ہی مین رہا اور مُلتان جانے کی نوبت نہ آئی یہانتک کہ ایکروز مولانا زین الدین صاحب کے ارشاد پر بغرض بیعت شیخ برہان الدین اولیا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوکر ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ علیشاہ ملتان کا ارادہ کیون فسخ کیا مین نے عرض کی کہ اِس اندیشے کو بالکل دل سے نکالکر حاضر خدمت ہوا ہون چونکہ آپ کا کرم عام تھا اِسلیئے اُسیوقت حلقۂ غلامی مین داخل کیا۔

تقریر

شیخ برہان الدین اولیا صاحب کے مکاشفات اگر پورے درج کتاب کیئے جائین تو روضۃ الاقطاب کے سوا دوسری جلد تیار ہوسکتی ہے۔ ہمنے چند مکاشفے یہانپر لکھے ہین شایقین اگر کامل مکاشفے دیکھنا چاہین تو غرایب الکرامات اور بقیۃ الغرایب وغیرہ سے دیکھ سکتے ہین شیخ برہان الدین اولیا صاحب کی تقریر نہایت فصیح و بلیغ ہوتی تھی۔ سید محمد صاحب لکھتے ہین کہ فصاحت اور بلاغت اور شیرین کلامی مین شیخ برہان الدین اپنے وقت مین یکتا تھے۔ اگر کوئی شخص چند ساعت اُنکے پاس بیٹھتا عشق آمیز کلام اور دلفریب محاورہ کی صفائی سے فوراً دلگیر ہوجاتا۔

اقوال

حضرت کے مشائخانہ اقوال کثرت سے ہین۔ اگرچہ رکن الدین اور مجد الدین صاحب نے اپنی کتاب نفایس الانفاس اور غرایب الکرامات وغیرہ مین بہت سے اقوال نقل کئے ہین۔ لیکن مولانا عماد الدین صاحب نے اقوال مین خاص ایک رسالہ مرتب کیا ہے جسکا نام احسن الاقوال رکھا ہے اور اسکو (۲۹) باب پر تقسیم کیا ہے ہم اسی سے چند اقوال کا ترجمہ یہان درج کرتے ہین۔

فقیر کو کسی کی امانت قبول نہ کرنی چاہیے اور کسی کی ضمانت نہ ہونی چاہیئے اور قبالہ پر گواہی بھی نہ لکھنی چاہیئے۔

فقیری وہ ہے کہ جو کچھ ہاتھ مین ہو دے۔ اور جو کچھ سر مین ہو دور کرے۔

فقیر کو باریک کپڑا نہ پہننا چاہیئے۔

فقیر کو منکر کی صحبت نہ کرنی چاہیے اسلیئے کہ فقیرون کا تکیہ خدا کے کرم پر ہے۔

اگر مرید پیر کی صحبت سے دور ہوجائے اسکو ہر روز سلوک کے چند جز دیکھنا چاہئیے۔

دنیا آدمی کے سایے کے مانند ہے جب آدمی سایے کیطرف جاتا ہے وہ آگے ہو کر چلتا ہے اور جب وہ اس سے پیٹھ پھیرتا ہے اس کے پیچھے آتا ہے اسیطرح جو شخص دنیا کیطرف پیٹھ دیتا ہے دنیا اسکی طرف اپنا منہ کرتی ہے اور جو شخص دنیا کیطرف اپنا منہ کرتا ہے دنیا اسکی طرف پیٹھ کرتی ہے۔

بطخ جب پانی پیتی ہے اپنا پیر پانی مین تر نہین کرتی۔ بیٹھتی ہے اور پانی پیتی ہے۔ جب مرتی ہے اس کی کھال کو پانی سے پر کرتے ہین۔ اسیطرح آدمی جب تک زندہ ہے چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے پر گرد نہ بیٹھے لیکن جب مرتا ہے اسکو خاک مین ملا دیتے ہین۔

جب کوئی مسافر مقیم کے پاس آئے مقیم کو چاہیئے کہ دو قسم کا گرم پانی پیش کرے ایک گرم پانی ہاتھ اور منہ دھونے کے لیے۔ دوسرے شوربا سے گرم۔

دل ایک ظرف کے مانند ہے جب تک ظرف خالی ہے ہوا سے پُر ہے اور جب کوئی چیز اُس میں بھری جاتی ہے ہوا سے خالی ہو۔ اسیطرح دل دُنیا کی خواہش سے پُر ہو جب محبت اُس میں آتی ہے ہوا سے خالی اور خدا کی محبت سے بھر جاتی ہے۔

سماع میں فکر ہے اور گریہ بھی ہے اور ان دونوں چیزوں کے علاوہ اور جو کچھ ہے وہ فتنہ ہے۔

جو فقیر سماع میں ہاتھ تک ہلائے اوسکو سماع سُننا جایز نہیں ہے۔

سماع سُننے والے کو چاہیئے کہ باوضو رہے اور اُسپر نظر رکھے کہ حق تعالیٰ گانیوالے سے کیا کہلواتا ہے اور دلپر کیا اثر ڈالتا ہے۔

خلق دو طرح پر ہے بعضے صاحب قال ہیں اور بعضے صاحب حال۔ جو صاحب قال ہیں وہ نہیں جانتے کہ حال کیسے آتا ہے۔ لیکن حال بیان میں نہیں آسکتا۔

سماع کے درمیان پانی نہ پینا چاہیئے اور پنکھا نہ کرنا چاہیئے۔

فقیر کو چاہیئے کہ سماع میں ہوشیار رہے تاکہ ہاتھ اور پیر کسی پر نہ لگے اور اگر ہاتھ اور پیر کسی کے لگے کھینچ لے۔

سماع میں لوٹنا نہ چاہیئے۔ اور شور و شغب نہ کرنا چاہیئے اگر کسی کے شور و شغب سے کسی صاحب دل کا وقت غارت ہوا تو اُسکا اثر شور و شغب کرنے والے کو ابتر کرتا ہے

سماع تعین سے نہ سُننا چاہیئے اگر کوئی تعین سے سُنیگا وہ مقام خراب ہوگا۔

اگر جماعت میں کسی کو وجد پیدا نہو تو تواجد کریں کہ وجد اور حال پیدا ہو۔ محبوب الٰہی

سلطان نظام الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ جس کسی کو سماع مین وجد نہو تو چند بار یا واجد کہے حق تعالے اُس مین وجد کا اثر پیدا کرے گا۔

مزار مبارک

شیخ برہان الدین اولیا صاحب کا مزار قصبے کے اندر گوشۂ جنوب اور غرب مین ہے قبر پر گنبد ہے سرہانے دو کتبے بمضمون واحد ایک چوبی تختے پر کندہ ہین تختہ دیوار پر نصب ہے۔ کتبے کے اشعار کسی شاعر کی تصنیف سے ہین معلوم نہین کہ یہ کون صاحب تھے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اشعار کتبہ امیر حسن صاحب اعلائے سنجری دہلوی یا میر حسین صاحب مؤلف ہدایت القلوب کی جودت طبع سے ہین لیکن یہ غلط بلکہ محض غلط ہے کیونکہ امیر حسن اعلائے سنجری کو موت کا پیام گنبد کی تعمیر سے پہلے آچکا تھا اور میر حسن مؤلف ہدایت القلوب کی طبع آزمائی نے بھی کسی حالت مین ایسے اشعار کو جنکی کوئی بیت موزون نہو پسند نہ کیا ہوگا۔ اگر بالفرض آخر الذکر صاحب کی تصنیف سے سمجھے جائین تو کندہ کرنیوالے نے فاش غلطی کی ہے۔ کتبے کے کل اشعار (۲۳) ہین شاعرانہ سقم کیوجہ سے ہم اُن کو درج کتاب کرنا نہین چاہتے اور اُسکی اصلاح پر اُن حضرات کو رغبت دلاتے ہین جو وہان کے متولی یا خادم کہلاتے ہین کیونکہ ایسی بڑی بارگاہ مین جسپر عام نگاہ پڑتی ہو کسی قسم کی غلطی کا ہونا ہمارے نزدیک کسیطرح جایز نہین۔ گنبد کے باہر شرقی دیوار پر گنبد کی تاریخ کندہ ہے۔

تاریخ گنبد

ہین بدار الملک ہند آسودہ سلطان غریب		شاہ دین قطب عالم شیخ برہان غریب

خادم درگاہ سلطان میر کلاں شاہ بخت
کرد وقف بستہ دل بر عہد و پیمان غریب

کردہ از اخلاص و افزون بجو سعی بنا
روضہ رضوان صفت از بہر مہمان غریب

سال مقصد بود و چہل چا۔ دگر کز فضل حق
شد مرتب انجمن [illegible] و ایوان غریب

از سپہ تاریخ شد این نظم مکتوب و نوشت
بندہ برہانی برین مکتوب و عنوان غریب

گنبد کے سامنے چند تختے سنگ سپید کے نصب ہیں۔ ایام عرس میں انپر ایک چھوٹا سا خیمہ لگا دیا جاتا ہے۔

چاندی کی کیلیں

سنگ سپید کے بعض بعض تختون پر چاندی کی کیلون کے نشان ہیں جنکی نسبت یہ مشہور ہے کہ جبتک خدامان درگاہ کو جاگیر رہی یہ کیلیں بڑھ جایا کرتی تھیں۔ خدام درگاہ وقت معینہ پر انہیں کاٹکر درگاہ کے اخراجات اور نیز اپنے مصارف میں لایا کرتے تھے جب سے جاگیر ضبط ہوا۔ کیلیں نکلنا موقوف ہو گئیں۔ صرف نشانات باقی رہ گئے ہیں۔

گنبد کے پائین پچھم مولانا عبد الکریم اور مولانا عبد اللطیف خواہر زادہ حضرت برہان الدین اولیا اور پورب پہلے کاکا شاہ بخت اور اسکے بعد خواجہ قبول۔ خواجہ خیر الدین۔ نواب عبد الرحمن اور خواجہ جلدک کے مزار ہیں۔ گنبد کے پچھم مسجد ہے جسکی ہر سہ محرابوں پر دو نشان

ؔ مسجد کے گنبد کے کلس پر یا اللہ منقش ہے۔

طرف یا محمد اور بیچ مین بسم اللہ الرحمن الرحیم اور درمیان کے دو کھمبون پر یا اللہ اور اندر منبر کے قریب بیچ کی محراب پر یہ آیت پاک کندہ ہے۔

انّ المساجد للہ فلا تدعو مع اللہ احدا

اللہ باقی والکل فانی

یہ مسجد ایک درجے کی ہے۔ موسم برسات اور گرما مین مُصلیون کو تکلیف ہوتی ہے مرزا حسن علی بیگ صاحب سابق امین کوتوالی خلد آباد اور محمد صادق علیخان صاحب امین بلغور نے چندہ جمع کر کے ایک درجہ اور بڑھانا چاہا تھا اور کچھ عمارت تیار بھی ہو گئی تھی۔ لیکن اوّل تو زر چندہ نے کفایت نہ کی دوسرے امین صاحب سابق الذکر کے ناگہانی تبادلے درجہ مذکورہ کی پوری تکمیل نہوئی۔ عمارت تیار شدہ کچھ ایسی نامضبوط تھی کہ ایک ہی سال مین ایک طرف کا حصہ گر گیا۔ اب دو چار صاحب ارادہ کر رہے ہین کہ باقی نو تعمیر شدہ کو گرا کر ٹین کا سائبان بنا دین مسبب الاسباب اُن کے ارادے کو پورا کرے۔

لیکن میری ناقص راے مین بجائے سائبان کے اگر مسجد کی پشت پر ایک درجہ بڑھانے کی کوشش کیجاتی تو بہت مناسب تھا۔ پشت مسجد پر درجہ بڑھانے کی بہت گنجایش ہے البتہ اُس کے لیے خرچ کثیر درکار ہے جو بغیر چندہ بظاہر ناممکن ہے۔ خدام درگاہ اگر مستعد ہون اور کوشش کرین تو اس امر محال کو آسان کر کے دکھا سکتے ہین۔

مسجد کے شمال ایک سہ درہ سنگ سرخ کا حال مین میرے سامنے بنایا گیا ہے گنبد کی پشت پر تھوڑے فاصلے سے پانچ کمانین جنوبی کمانون کے جواب مین بنائی گئی ہین اور ان کمانون کے شمال افتادہ جگہہ ہے جسپر ایک دالان وسعت کے ساتھ بن سکتا ہے۔ اِس خیالی دالان (اُفتادہ جگہہ) کے پورب ایک زینہ خانقاہ پر جانے

کے لیے اور اُسی کے قریب ایک دروازہ دوسرے دالان مین جانیکے واسطے ہے ۔

نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر

مسجد کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا نواب نظام الملک آصفجاہ بہادر اور اُنکی بیگم مسماۃ سیدۃ النسا کے مزار ہین یہ دونون مزار سنگ سرخ کے جالدار احاطے مین ہین پورب پچھم دروازے بھی جالدار ہین ۔ دروازون کی جالی نہایت خوبصورت تراشی گئی ہے ۔

نواب صاحب مرحوم کا نام قمرالدین خان ۔ خطاب نظام الملک آصفجاہ باپ کا نام غازی الدین خان فیروزجنگ بن عابد خان ہے ۔ نواب صاحب سنہ ۱۰۸۲ ہجری مین پیدا ہوئے ۔ ابتدائے عمر سے آخر تک اختر طالع اس صاحب اقبال کا ترقی پر چمکتا رہا ۔ مرحوم ومغفور اورنگ زیب کے عہد حکومت سے محمد شاہ فرمانروائے دہلی تک ہر ایک سلطنت کے رکن رکین اور مدار المہام خلافت رہے سنہ ۱۱۳۲ ہجری مین دکن کی عنانِ حکومت ہاتھ مین لی ۔ قریب تیس سال کے تمامی صوبجات دکن پر حکومت کی ۔ اپنے عہد دولت مین بہت سی فتوحات حاصل کین ۔ دریاے نربدا کے کنارے سے سیت بندر رامیشر تک قبضے مین تھا ۔ ۴ جمادی الآخر سنہ ۱۱۶۱ ہجری روز یکشنبہ آخر وقت عصر برہانپور مین (۸۰) برس کی عمر مین وفات پائی ۔ بڑے صاحبزادے نواب میر احمد خان نظام الملک ناصر جنگ شہید نے نعش خلدآباد مین لاکر شیخ برہان الدین غریب کے پائین دفن کی ۔ مرحوم ومغفور خداترس ۔ دیندار ۔ فقیر دوست ۔ غریب نواز ۔ فیاض ۔ مخیر تھے ۔ اکثر سادات وعلما ومشایخ وفقرا ومساکین ہند

و عرب - ماوراءالنہر - خراسان عجم اور عراق کے دکن مین آکر حسب استعداد فیضیاب ہوا کرتے تھے - اسوقت سرکار عالی دام اقبالہ کی عملداری مین جو سکہ رائج ہے وہ مرحوم ومغفور کا یادگار ہے - نواب صاحب کو اشعار گوئی کا بھی شوق تھا - آصف تخلص کرتے تھے مہمات ملکی کے انصرام کے بعد اشعار کہا کرتے تھے چند اشعار نتائج طبع والا سے نقل کیئے جاتے ہین ؎

تا شہید خنجر مژگان یارم کرده اند		سرمه در چشم قیامت از غبارم کرده اند
	وله	
افسوس که با هیچ بتان نیست گوارا		اے باغ وفا آب و ہوائے کہ تو داری
	وله	
ازخدایم مطلب مطلب دیگر بخیال		اینقدر هست که آهو نگهان رم نکنند

جس سال نواب نظام الملک آصفجاہ مرحوم نے وفات پائی اُسی سال محمد شاہ فرمانروا دہلی اور اعتماد الدولہ قمرالدین خان وزیر اعظم نے بھی انتقال کیا - غلام علی آزاد صاحب نے کیا خوب تاریخ لکھی ہے ؎

سه رکن مملکت ہند از جہان رفتند		فتاد حیف سه دُر یگانه از کف دہر
برائے رحلت ہر سه یافتم تاریخ		نماند شاه زمان با وزیر و آصف دہر ۱۱۶۱ھ
	دیگر	
گشت تاریخ چون کشیدم آه		موت شاه و وزیر و آصفجاه

متوجه بہشت بھی مادہ تاریخ ہے ۱۱۶۶ آه=۶ ۱۱۶۱ھ

۱۱۶۱ھ

نواب صاحب کی ایک بیگم صاحبہ کی قبر نواب صاحب کی قبر کے برابر ہے اور

دو بیگمون کی قبرین قریب ہی حوض سے پورب اور چوتھی کی قبر حوض سے جنوب طرف ہے نواب صاحب کے عرس کا انتظام بلدہ سے ہوتا ہے۔

میر احمد خان نظام الدولہ ناصر جنگ شہید

نواب آصفجاہ بہادر مرحوم کے مزار کے گوشہ جنوب و شرق مین ناصر جنگ شہید کا مزار ہے۔ پہلے احاطے کے سنگ سرخ کے در ہے ہر چہار طرف خوشنما بنائے گئے ہین۔ نواب ناصر جنگ شہید نواب آصفجاہ کے بڑے صاحبزادے تھے نام میر احمد خان خطاب نظام الدولہ ناصر جنگ تھا۔ نواب آصفجاہ کے چند روز بعد باغواے برادر خورد ہمت خان نے پھولسری واقع کرنول ۱۷ ماہ محرم الحرام سنہ ۱۱۶۴ھ مین شہید کیا (آفتاب رفت) شہادت کی تاریخ کا مادہ ہے۔ شہید مرحوم کا بھی عرس اور دیگر لوازمات بلدہ ہی سے علاقہ رکھتے ہین۔ ناصر جنگ شہید کی قبر کے پچھم اونکی بیگم کی قبر ہے۔ جس احاطے مین برہان الدین اولیا صاحب کا گنبد ہے۔ اوسکی شرقی دیوار مین ایک دروازہ ہے۔ آمد و رفت اسی سے ہوتی ہے احاطہ مذکورہ کی جنوبی حد پانچ کمانون سے محدود ہے۔ جس احاطے مین ناصر جنگ شہید کا مزار داخل ہے اوس مین ایک حوض اور نواب آصف جاہ اور نواب ناصر جنگ شہید کی بیگمات اور نامعلوم قبور کے سوا۔ عوض خان۔ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ۔ متوسل خان۔ جمال الدین خان۔ شاہزادہ جنگلی۔ شاہ کریم الدین اور سعید الدین صاحب سوم تعلقدار اورنگ آباد کی قبرین ہین سوم تعلقدار صاحب کی قبر کے سرہانے یہ کتبہ ہے۔

کتبہ بر قبر سعید الدین صاحب

بعد فکر متین تاریخ ہاتف گفت و شد غمگین
از این دنیاے بیحاصل بجنت شد سعید الدین
۱۲۶۲ھ

اس احاطے مین پچھم طرف ایک شکستہ خانقاہ اور ایک مسجد موسومہ شاہ کریم الدین صاحب ہے غالباً یہ وہی کریم الدین صاحب ہونگے جنکا مزار مسجد کے متصل بتایا جاتا ہے - مسجد کی جنوبی دیوار پر کتبہ بخط نسخ کندہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس جامع مسجد کا کتبہ ہے جو دونون روضون کے درمیان تھی -

کتبہ مسجد کریم الدین صاحب

السلطان الاعظم المعظم علاؤ الدنیا والدین احمد شاہ بن احمد شاہ الولی البہمنی بنا مسجد جامع
نزدیک حضرت روضتین متبرکتین نذر کردہ بودند ودر اثنا ان از دار فنا بدار بقا رحلت
کردید .... بحکم .... بندہ درگاہ ....
سلطانی تاریخ غرہ ماہ جمادی الاخری .. اثنین ستین وسبعماتہ مسجد ..... گردید -

خانقاہ کی شمالی اور مسجد برہان الدین اولیا صاحب کی جنوبی دیوار ایک خط مستقیم مین واقع ہوئی ہے - اسی خط مین ایک کھڑکی پشت مسجد پر جانے کے لیئے ہے -

اس حوض والے احاطہ کی شمالی حد پانچ کھانون اور شرقی وجنوبی حد دیوار سے محدود ہے - جنوبی دیوار مین ایک دروازہ دوسرے احاطے مین جانے کیواسطے رکھا گیا ہے - دوسرے احاطے کے جنوب تالاب (حوض خاص) اور اسی احاطے مین خواجہ محمد لشکری صاحب کی قبر ہے -

حوض والے احاطے کی شمالی حد کے نصف حصے مین جو دیوار جانب شرق ہے اُسمین ایک دروازہ ہے - اُسی دروازے سے غیر قوم کے لوگ برہان الدین اولیا صاحب کی زیارت کو آتے ہین اور اُسی دروازے سے پچھم حوض کے قریب نواب آصفجاہ کی بیگمات کے علاوہ شاہزادہ محمد معصوم نبیرۂ خلد مکان کی قبر ہے - شاہزادہ محمد معصوم کی قبر کے پائین سنگ سرخ کی چار دیواری مین کسی شاہزادے اور شاہزادی کی

قبر ہے۔

احاطہ ہاے مذکورہ کے سوا چوتھا احاطہ درِ چاک کی خانقاہ کا ہے۔ دروازے درِ چاک پر کلمۂ طیبہ اور دونون کنواڑون پر نیچے کی طرف یہ بیت کندہ ہے۔ ؎

بہ تعمیر این ہاتف غیب گفت		در باب فیض است تاریخ دان

۱۰۹۹ھ

دروازے درِ چاک کے ہر دو طرف خانقاہ اور ایک ایک حجرہ ہے شمالی حجرے مین درگاہ کی جاگیرات کے کاغذات اور وہ عمامہ جو سلطان المشایخ نظام الدین اولیا صاحب سے شیخ برہان الدین اولیا صاحب کو عطا ہوا تھا اور نیز اور تبرکات اور مزار کے غلافات رہتے ہین اور جنوبی حجرے مین موے مبارک حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے جنکی زیارت ۱۲ ربیع الاول کو ہوتی ہے دروازے درِ چاک والی کمان پر چھوٹا سا گنبد ہے۔

حیات دالان

ان دونون حجرون کے پورب دو دو کمانون کا ایک دالان ہے جنوبی دالان حیات دالان کے نام سے مشہور ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت برہان الدین اولیا صاحب اکثر اسی مین بیٹھے رہا کرتے تھے۔ وہ پتھر بھی اتبک محفوظ ہے جسپر آپ تکیہ لگایا کرتے تھے۔ ان دونون دالانون کے درمیان کا فرش خانقاہ درِ چاک سے پست ہے۔ درِ چاک والی محراب کے نیچے مولسری کا درخت ہے حیات دالان کے پورب پانچ کمانون کا ایک دالان اور اسکے مقابل دو درجے کا دالان چھ چھ کمانون کا ہے۔ ان دالانون کے درمیان کا فرش اوپر کے صحن سے تھوڑا پست ہے۔ دوہرے دالان کی پچھم دیوار مین ایک دروازہ اور پچھلے درجے کی شمالی دیوار مین دو حجرے ہین۔ احاطے کی شرقی حد (۷) کمانون

سے محدود ہے۔

ان احاطوں کے علاوہ پانچواں احاطہ ہے جسکے پچھم طرف حسب مذکورہ بالا (۴) کھائیں۔ جنوب ایک دالان۔ شمالی حد کے نصف سے زیادہ شرقی حصے میں دوہرا دالان اور بقیہ حصے میں ایک دالان چھوٹا اور مختصر سی عمارت اور گوشۂ شمال و غرب میں گنبد موجود ہے اور یہ گنبد چھوٹی گنبد مشہور ہے۔ احاطے کے گوشۂ غرب و جنوب میں ایک بہت بڑا درخت کھرنی کا جسکی جڑ سے ملا ہوا چھوٹا سا چبوترہ ہے اور اسی احاطے کے گوشۂ شرق و جنوب میں حوض اور شمالی حد کے دوہرے دالان کے سامنے مولسری کا درخت ہے۔

نقارخانہ

احاطے کی شرقی حد دوہرے دالان اور ایک گنبد سے گھری ہوئی ہے دوہرے دالان کے اوپر کی منزل نقار خانے سے منسوب ہے۔

نورشاہ میاں صاحب

عرس کے ایام میں اس نقار خانے پر نوبت نقارے ضرورت سے زائد بجتے ہیں۔ نیچے کے درجے میں جسکے متعلق حجرہ ہے۔ نورشاہ میاں صاحب خدا انپر رحمت کرے) رہا کرتے تھے۔

یہ بزرگ ٹونک کے رہنے والے تھے تیس چالیس سال سے اسی دالان میں رہا کرتے تھے۔ مجرد۔ متوکل۔ شب بیدار۔ تہجد گزار تھے ساٹھ پینسٹھ برس کا سن ہوگا۔ احمد اللہ شاہ صاحب کے مرید تھے۔ احمد اللہ شاہ کو فرقان علیشاہ صاحب سے اور فرقان علیشاہ کو محراب علیشاہ سے اور محراب علیشاہ کو مستان شاہ صاحب سے ارادت تھی۔

نورشاہ میاں کے پاس دس بیس طالب علم قرآن مجید پڑھا کرتے تھے شاہ صاحب کے

فیض سے خدا معلوم کے دو چار لڑکے حافظ بھی ہوئے (۲۰) جمادی الاخری سنہ ۱۳۱۹ھ مین وفات پائی مرحوم کی قبر درگاہ سے باہر اُسی دالان کے نیچے ہے جسمین وہ رہا کرتے تھے۔ آخر وقت مین انکے بعض شاگردون نے حق شاگردی خوب ادا کیا اور نہایت محبت اور ہمدردی سے خدمت کی اور وفات کے بعد اچھی طرح کفن دفن کیا خدا اُنکی جزائے خیر دے سالانہ عرس بھی کردیا کرتے ہین۔ بموجب وصیت قبر خام رکھی گئی ہے۔ قبر پر دو چار درخت ریحان کے لگے ہین۔

درگاہ کی مجموعی عمارت بلندی پر ہے۔ اس لیئے شرقی گنبد کے سامنے سنگی فرش سڑک تک نیچے کو اُترتا ہوا بنایا گیا ہے اور اُس فرش کے مقابل سید زین الدین صاحب کی درگاہ کا فرش ہے اور یہی دونون فرش فرشون کے نام سے مشہور ہین۔

نور شاہ میان صاحب کی قبر کے پورب شاہ پاک کا مزار ہے۔ سُنتے ہین کہ یہ صاحب شاہ اورنگ زیب کے زمانے مین تھے۔

اسی تختے زمین پر جسپر دونون مزار بتائے گئے ہین شمال جانب شاہ بہاء الدین عُرف باجن کا مزار ہے۔

ذکر حضرت سید زین الدین صاحب قدس سرہٗ

نام سید داؤد حسین۔ شیخ کی طرف سے زین الدین لقب پدر بزرگوار کا نام خواجہ حسینؒ اور چچا کا نام خواجہ عمرؒ تھا۔ خواجہ حسینؒ اور خواجہ عمرؒ۔ سید محمود شیرازی بن سید محمد روزبہان کے صاحبزادے تھے۔

سید زین الدین صاحب سنہ ۷۰۱ھ ہجری مین ارض فارس کے مشہور شہر شیراز مین پیدا

ہوئے۔ اچھی طرح ہوش و حواس بھی سنبھالنے نہ پائے تھے کہ والدہ ماجدہ نے (جو نہایت زاہد و عابدہ تھیں) انتقال فرمایا۔ آغوش مادر سے جدا ہوتے وقت آنحضرت کی عمر سات برس کی تھی۔ خواجہ حسین صاحب نے پرورش کی۔ کم سنی ہی مین بہ تنہائی توفیق رفیق مولانا نصیر الدین اور شہاب الدین کے ساتھ حج کا ارادہ کیا اور وطن مالوف کو خیرباد کہکر سیدہے عرب پہونچے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

چونکہ پردۂ تقدیر مین آپ کے ابواب کا فتح ہونا حضرت برہان الدین اولیا صاحب کی کلید پر موقوف تھا اس لیئے ملک عرب سے ہندوستان کے دار الخلافت دہلی مین آئے اور کلام پاک کو تھوڑی مدت مین ضبط کرکے تحصیل علم پر توجہ کی اور مولانا کمال الدین سامانہ اور نیز دیگر علماے دہلی سے علم حاصل کرکے سند فضیلت لی۔

جسوقت سلطان محمد تغلق نے دہلی والون کو (دیوگیر) دولت آباد روانہ کیا۔ آپ بھی مولانا کمال الدین سامانہ کے ساتھ دولت آباد آئے۔ دولت آباد مین آپ کے خداداد علم اور لیاقت کی شہرت ہوئی۔ بڑے بڑے علما اور طلبا بغرض استفادہ حاضر خدمت ہونے لگے۔ آپ ہمیشہ ایک مسجد مین تفاسیر قرآنی اور احادیث نبوی کا وعظ اور درس تدریس علوم اور ریاضت و عبادت حی قیوم مین مصروف رہا کرتے تھے۔ لیکن مشایخ صوفیہ سے (کہ معرفت اور حقیقت کے ماہر ہین) احتراز اور پرہیز رکھتے اور انکی نسبت اکثر طنزیہ کلمات فرمایا کرتے تھے۔ اسی زمانے مین شیخ برہان الدین غریب کے مشیخت کے نقارے کی آواز عالم مین گونج رہی تھی اور انکے سرود و سماع کا غلغلہ ملاء اعلیٰ تک پہنچا تھا سید صاحب کے شاگردون مین اکثر شاگرد شیخ برہان الدین غریب کے یہان سماع مین شریک ہوا کرتے تھے اور شیخ کی توجہ سے انپر کیفیت طاری ہوتی تھی۔ سید زین الدین صاحب

مشایخ صوفیہ سے اجتناب

یہ خبرین سُن سُنکر متنفر و متغیر ہوتے رہتے تھے۔ ہمین تو نظر تھی بہت

ایکروز شیخ برہان الدین اولیا صاحب کا ایک مُرید کہ وہ سید زین الدینکا بیٹا تھا۔ ہر سوالکا
بھی تھا کتاب مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے آیا اور بعد فراغ سبق شیخ برہان الدین سے اُٹھا اور
یہان حلقۂ سماع مین شریک ہوا۔ شیخ کی توجہ سے اُسپر کیفیت اور رودن کو استاد کی
یہ خبر سید زین الدین صاحب کو ہوئی۔ دوسرے روز بہتسے یہ نوبت ہوئی کہ دل
سامنے (کہ وہ بھی مشائخ صوفیہ کے بارے مین آپکے ہمخیال تھے) جاہل کو دیکھیگا
بلاکر خوب شرمندہ کیا اور فرمایا کہ تو بھی ناچنے والون کی صحبت مین رہ ہوا ہے بہت پڑھی سی
کہ آج تک جو کچھ تو نے پڑھا اُسکو بالکل برباد کر دیا۔ اچھا مین تجھ عشق ہجران چہ کار آید
سچ سچ بیان کر یہ بتا کہ فضیلت علم اور دانشمندی مین مین بہتر ہوں مکان کی طرف چلے شاگرد
پہلے تو اِس سوال سے چُپ رہا۔ لیکن جب اُستاد کیطرف سے وتعلیم عنایت سے سعادت
اُسنے عرض کی کہ مین جناب کا ادنیٰ خادم ہون میری مجال نہین خانقاہ مین قدم رکھا۔ اور شیخ
برہان الدین اولیا صاحب کی فضیلت سمجھ سکون اور ایک ہزار دم پُھونکا دیا۔ شیخ
سید صاحب نے یہ سُنکر فرمایا۔ افسوس ہے کہ تو میرا شریعت غرا مین جائز نہین ہے
سچ نہین بولتا قسم بخدا جبتک سچ نہ کہیگا۔ خلاصی ممکن نہ خلاف جاتا تھا قسمت باطنی سے
کہ بغیر سچ کہے رہائی نہین ہوسکتی۔ ناچار اُسنے کہا کہ آ
زیادہ ہے۔ لیکن شیخ برہان الدین غریب کو علم باطنی (آسد بجانان یا جان زتن بر آید
ایسا ہے کہ اُسکی گرد آپکے واسطے تک نہین پہنچتی۔ ان کے ساتھ ۷۳۶ھ ہجری مین
زین الدین صاحب کو غصہ آیا اور حجرے کے اندر جاکر
اُس مین بدوبست لغات مشکل اور سوالات لاحل (کرتے اسطرح مشہور کیا ہے کہ حقیقت

ہوتے تھے۔ اچھی طرح تھے اور اس کے جوابات سے اکثر ارباب فضیلت عاجز آگئے تھے اور روزانہ
(جو نہایت ۔ اہم دا ، جاتے تھے کہ جب بیت اللہ جاؤنگا حل کرونگا) لکھے ہوئے تھے لاکر اسکو
کی عبارات بہ ر کو تیرا پیر علوم ظاہری اور باطنی مین فضیلت رکھتا ہے تو ان سوالون کو حل
رفیق مولانا نصیر الدین ۔ ان کے جوابات ادا کرنے کے لیئے چھ ماہ کی مدت دی ہے اگر
کہا کہ سید ہے عرب سے پیرنے جوابات ادا کیئے تو بیشک تیرا پیر افضل ہے ورنہ تجھکو
چونکہ پردہ تقدیر مین آ بندہ علما کی مجلس مین اس قسم کی بیہودہ باتین زبان پر نہ لائے۔
موقوف تھا اس لیئے دب اُن اوراق کو ہاتھ سے لیلیا اور اٹھکر شیخ کے مکان کی طرف
کلام پاک کو تھوڑی دیر چتا جاتا تھا کہ اگر مین پڑھنے کو نہ جاتا تو یہ مشکل پیش نہ آتی۔ اسی اندیشے
اور نیز دیگر علماے اہل ۔ شیخ کی خانقاہ تک پہونچا۔ تھوڑا توقف کیا پھر آگے بڑھا جیسے ہی
جسوقت سلطان محمد تغلق ۔ بہر ٹپری۔ فرمایا جلد آ۔ بہت دیر سے مین تیرا منتظر ہون قبل اس کے
کمال الدین سامانہ کے سا نا غریب نے فرمایا۔ مین نے اُسیوقت سے کہ جسوقت سے سید
لیاقت کی شہرت ہوئی۔ ا مشکل پیش آئی تھی بتائید سبحانی و الہامات ربانی اُن سوالون کو
لگے۔ آپ ہمیشہ ایک مسجد مے رکھا ہے اور ہر مسئلہ کا جواب کئی طرح سے ادا کیا ہے۔ حجرے
اور ریاضت وعبادت حق ٹھ تختے کتبخانے مین رکھے ہین لیجا کر مولانا داؤد حسین کو دے
سے ذکر معرفت و حقیقت یہ سوالون کے جواب ہین۔ مرید کو یہ سنکر نہایت مسرت ہوئی
طنزیہ کلمات فرمایا کرتے تھے یہ کاغذ لیکر دوڑتا ہوا اُستاد کی خدمت مین حاضر ہو کر کمال
نقارے کی آواز عالم مین گو سید صاحب نے شاگرد کے جلد واپس آنے پر تبسم فرمایا
سید صاحب کے شاگرد دو واپس آنا جز اس کے کہ میرے سوالون کے جواب
شریک ہوا کرتے تھے اور شیدا ہ نہین ہے بخیال مذکورہ اُن اوراق پر ایک سرسری نظر

مشایخ صوفیہ سے اجتناب

ڈالی۔ لیکن جب شاگردوں نے بعد سلام یہ کہا کہ آپکے سوالوں کے جواب ہیں تو نظر فرمائیے دیکھا اپنا مسودہ نہیں پایا۔ پس اُن اوراق کو ابتدا سے بغور دیکھنا شروع کیا۔ ہر سوال کا جواب کئی کئی طرح سے پایا جب سب دیکھ چکے۔ انانیت کا پردہ چشم خود بین سے اُٹھا اور چہرۂ مبارک متغیر ہوکر آنکھوں سے آنسوؤں کا تار شروع ہوگیا۔ شاگردوں کو اُستاد کی اِس کیفیت سے حیرت ہوئی لیکن کسیکو دم زدن کی مجال نہ تھی۔ آخر یہ نوبت ہوئی کہ دل قبضۂ اختیار سے باہر ہوگیا۔ سچ ہے جو شخص اپنی نظر سے دوست کے جمال کو دیکھیگا اپنی نیستی کی تاریکی کا عکس اُسکو نظر آئیگا۔ الغرض جب غلبۂ شوق زیادہ ہوا یہ بیت پڑھی ؎

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست اینجا
چون وصل در نگنجد ہجران چہ کار آید

اور اُسیوقت اُٹھکر بحالت شوق شیخ برہان الدین غریب کے مکان کی طرف چلے شاگرد بھی کہ علم کامل رکھتے تھے ہمراہ ہوئے۔ چونکہ دست قدرت اور قلم عنایت نے سعادت کا خط پیشانی پر پہلے سے کھینچ رکھا تھا۔ اِس لیئے جیسے ہی خانقاہ میں قدم رکھا۔ اور شیخ برہان الدین غریب کا سامنا ہوا دوڑ کر پیشانی کو قدوم میمنت لزوم پر جھکا دیا۔ شیخ برہان الدین غریب نے فرمایا کہ ہان ہان داؤد حسین یہ رسم شریعت غرا میں جائز نہیں ہے سید صاحب نے کہا کہ جب تک میں اِس رسم کو شرع کے خلاف جانتا تھا نعمت باطنی سے محروم تھا اور یہ بیت فرمائی ؎

دست از طلب ندارم تا کار من بر آید
یا جان رسد بجانان یا جان ز تن بر آید

اور اُسیوقت شاگردوں کو رخصت کرکے مولانا رکن الدین کے ساتھ سنہ ۷۳۳ ہجری میں بیعت کی۔

مذکورہ بالا بیان پر بعضوں نے تھوڑا حاشیہ چڑھاکر اِسطرح مشہور کیا ہے کہ جسوقت

سید داؤد حسین صاحب و سید زین الدین بحالت وجد تمام شاگردون کے ساتھ
شیخ برہان الدین اولیا صاحب کے مکان کیطرف چلے۔ دل مین تصور کیا کہ اگر شیخ
برہان الدین تھوڑا حلوا دینگے گرم مثل حلوائے مینا بازار اور آب سرد مثل زمزم کے
پلائین تو مین درویش کامل سمجھکر بیعت کرون۔ چلتے وقت شاگردون سے تاکید کر دی کہ
خبردار شیخ برہان الدین کو دیکھکر کوئی امر خلاف شرع نہ کرنا۔ لیکن جسوقت گھاٹ دولت آباد
سے اوپر چڑھے اور نظر غریب نواز پر پڑی بیساختہ سر نیاز کو جھکاتے ہوئے خانقاہ
تک آئے استاد کی اس حرکت سے شاگردون کو ضبط نہو سکا۔ آخر کو ایک نے
عرض کی کہ جناب نے ہم سبکو ایسے افعال سے منع کیا تھا اب آپ خود اس کے
مرتکب ہو رہے ہین اسکا کیا سبب ہے۔ اس سوال سے پہلے تو آپ ساکت رہے
پھر فرمایا تم نہین دیکھتے ہو کہ میرے برابر دونون طرف دو شیر چلے آرہے ہین
اگر مین اسقدر احترام اور ادب نہ کرون تو واللہ اعلم یہ میرا کیا حال کرین آخر کار اسیطرح
شیخ برہان الدین اولیا صاحب کیخدمت مین حاضر ہوکر فرق اقدس کو اقدام مبارک پر
ڈالا اور شیخ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ اے داؤد حسین یہ فعل شریعت
مین جایز نہین ہے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ جب تک مین اس طریقے کو نامشروع
جانتا تھا نعمت باطنی سے محروم تھا اور یہ بیت پڑھی ؎

دست از طلب ندارم تا کار من برآید
یا جان رسد بجانان یا جان ز تن برآید

حضرت برہان الدین اولیا صاحب نے گرد خجالت چہرہ سے پاک کرکے بتعظیم و تکریم
اپنے آگے بٹھایا اور خادم قدیم کاکا شاد بخت سے فرمایا کہ مولانا داؤد حسین صاحب
کے واسطے کوئی چیز لاؤ۔ کاکا صاحب نے عرض کی کہ پیر روشن ضمیر پر ظاہر ہے

کہ اسوقت باورچیخانے مین کوئی چیز نہین ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ فقیرون کے گھر مین ضرور کچھ نہ کچھ ہوگا۔ کاکا صاحب نے جاکر دیکھا کہ باورچیخانے مین ایک طباق پُر از حلوائے گرم اور ایک کوزے مین تھوڑا سا ٹھنڈا پانی رکھا ہوا ہے۔ اُٹھا کر مولانا داؤد حسین صاحب کو لا کر دیا۔ مولانا صاحب نے اُسے کھایا اور پیا دونون کا مزہ جیسا خیال کیا تھا ویسا ہی پایا پس اُسیوقت شاگردون کو رخصت کرکے برفاقت مولانا رکن الدین عماد کاشانی مؤلف نفائس الانفاس سنہ ۷۳۶ ہجری مین بیعت کی۔ بیعت کیوقت شیخ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ اے فرزند شایستہ مرید کر۔ کیونکہ جیسے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا صاحب نے مولانا حسام الدین صاحب کو بیعت سے مشرف کیا۔ فرمایا مرید کی تکمیل مین کوشش کر نہ تکثیر مین۔

خلافت

خلافت

منقول ہے کہ جسوقت حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضؓ صاحب کی وفات کا وقت قریب آیا۔ فرمان اجازت اور دو خرقہ خلافت سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی صاحب کو سرفراز کرکے فرمایا کہ ایک خرقہ تمھارے لیئے ہے اور دوسرا بطریق امانت تمھارے پاس رہیگا جو سلسلہ بسلسلہ سید داؤد حسین کو پہنچیگا چنانچہ خواجہ صاحب نے تاحیات اُسکو اپنے پاس امانت رکھا جب خواجہ صاحب کی رحلت کا زمانہ آیا حسب ارشاد پیر خرقہ امانت مع اپنے خرقہ اور فرمان اجازت کے ساتھ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کے سپرد کیا اور حضرت قطب الدین رح سے خواجہ فرید الدین گنجشکر صاحب کو اور اُن سے شیخ نظام الدین اولیا صاحب کو بتسلسل وہ خرقہ امانت مع خرقہائے پیران طریقت ملتے آئے۔

جسوقت حضرت نظام الدین اولیا صاحب نے شیخ برہان الدین اولیا صاحب کو دولت آباد روانہ کیا۔ خرقہائے پیران طریقت مع خرقہ امانت دیکر ارشاد فرمایا کہ عنقریب مولانا

داؤد حسین شیرازی تمہارے سلسلے مین داخل ہونگے یہ خرقہ امانت اپنے خرقۂ خلافت اور خرقہائے پیران طریقت کیساتھ اُنکو دینا۔

جس وقت مولانا داؤد حسین صاحب بہ رفاقت مولانا رکن الدین عماد کاشانی سنہ ۷۳۲ ہجری مین داخل بیعت ہوئے اور پیرومرشد کی خدمت کا ارادہ کرکے عزلت اور خلوت کے طالب ہوئے۔ شیخ برہان الدین اولیا صاحب نے بعد ترتیب ریاضت و مجاہدت و شغل و اشغال و اذکار داؤد کا خرقہائے خلافت اور نعمت سے جو سلطان المشائخ نظام الدین اولیا صاحب سے مسلسل پہنچے تھے۔ ۱۰ ربیع الاخری ۷۳۳ ہجری مین سرفراز فرمایا۔

پیراہن شریف

مخفی نہ رہے کہ اس خرقے کی نسبت جو اثنا حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمہ صاحب سے سلسلتہ مولانا داؤد حسین رحمۃ تک پہنچا ہے مشہور ہے کہ یہ پیراہن[۱] مبارک جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مشہور روایت سے قطع نظر رکن الدین عماد کاشانی نے شمایل اتقیا مین بحوالہ رسالۂ قوام العقاید خرقہ کے ثبوت مین جو روایت نقل کی ہے۔ ناظرین کے اطمینان کے لیے ہم کتاب کی اصل عبارت کو نقل کر دیتے ہین۔

چون حضرت رسالت صلعم از معراج بازگشت بر در بہشت ایستادہ کردند خلعتے در بر رسول پوشانیدند در خاطر رسول گذشت۔ اگر امتان مرا این خلعت نصیب باشد چہ خوب بود۔ ہمتر جبرئیل آمد وگفت یا محمد صلعم ازین خلعت امتان ترا نصیب باشد ولیکن بدین شرط۔ و آن شرط تعینے کرد چون رسول صلعم پہنا آمد میان یاران این

---

[۱] حضرت سید داؤد حسین صاحب کے گنبد کے گوشۂ شمال و مشرق کے حجرے مین رکھا ہوا ہے ۱۲ ربیع الاول ظہر کی نماز کے بعد زیارت ہوتی ہے۔

حکایت کرد۔ فرمود نمیدانم از شما کہ باشد کہ آن شرط بجا آورد تا من این خلعت بدو دہم امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرضداشت کرد کہ یا رسول اللہ صلعم بمن ارزانی دارید رسول صلعم فرمود اگر بتو دہم چہ کنی۔ او گفت سخاوت و صدق ورزم و تقوی کنم۔ فرمود بنشین۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ خاست او نیز از جنس عدل و داد و جز آن گفت ہمین جواب شد۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ خاست او نیز مشغولیہا و بذل و عطا گفت ہمین جواب شد۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ خاست رسول فرمود تو چہ میکنی۔ گفت این است ستر بندگان خدا سازم و عیب بندگان خدا بپوشم۔ حضرت رسالت صلعم گفت شرط ہمین بود۔ خرقہ بہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ داد۔ بعدہ خرقہ بہ حسن بصری رض رسید و از انجا عن عن بمشائخ رسید الی یومنا۔

خطاب

جس روز سید داؤد حسین رض صاحب خلافت سے سرفراز ہوئے شیخ کیطرف سے زین الدین خطاب ہوا۔

مرصاد العباد کی تعلیم

جب سید زین الدین صاحب شیخ کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوئے اور پردہ خودبینی کا آنکھون سے دور اور غرور کا دھوان دماغ سے جاتا رہا تو ایک روز شیخ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ اے داؤد کیا جاہل رہتے ہو کوئی کتاب پڑھو۔ سید زین الدین صاحب نے عرض کی جس کتاب کا حکم ہو شروع کرون۔ شیخ برہان الدین اولیا صاحب نے فرمایا۔ مرصاد العباد جو سلوک کی کتابون مین عمدہ کتاب ہے لاؤ۔ اگرچہ سید زین الدین صاحب کی نظر سے مرصاد العباد گزر چکی تھی لیکن بحکم شیخ اسکو شروع کیا۔ جب شاگردون کو اس کی خبر ہوئی۔ استاد کی ناسمجھی اور کم حوصلگی پر قیاس کرکے ایک روز ایک شاگرد نے عرض کی کہ مین جناب کے ادنی

شاگردون سے ہون اگر چاہون تو اس کتاب سے بہتر اور عمدہ لکھ سکتا ہون۔ جب میرا یہ حوصلہ ہے تو پھر آپ ایسی کتاب کہ جس کے پڑھنے سے آپ کی کسر شان ہوتی ہے کیون پڑھتے ہین۔

سید زین الدین صاحب شاگرد کے اس کہنے سے بہت ہی غصہ مین آئے اور فرمایا تم سبھون کے دل کی تاریکی نور معرفت سے مبدل نہین ہوئی ہے اور جہالت کا پردہ آنکھون سے دور نہین ہوا ہے۔ مجھے صرف شیخ کی رضا مندی اور حکم کا بجالانا مقصود ہے نہ کتاب کی عبارت آرائی سے غرض ہے جب آپ نے ایکمرتبہ مرصاد العباد اول سے آخر تک دیکھی شاگردون سے فرمایا۔

واللہ یہ وہ مرصاد العباد نہین ہے جو مین نے پہلے دیکھی تھی۔ چند روز بعد حضرت برہان الدین اولیا صاحب نے دوبارہ فرمایا کہ مولانا داؤد کوئی کتاب پڑھو۔ سید صاحب نے عرض کی جس کتاب کا حکم ہو حاضر کرون۔ حضرت نے فرمایا کہ مرصاد العباد پڑھو۔ سید زین الدین صاحب نے دوبارہ مرصاد العباد شروع کی جب اختتام کو پہونچی سید صاحب نے فرمایا کہ یہ وہ مرصاد نہین ہے۔ جو مین نے پہلے پڑھی تھی۔

شیخ جلال کی روایت

اس روایت کے راوی شیخ جلال الدین قدس سرہ فرماتے ہین کہ اسیطرح تین مرتبہ مرصاد پڑھنے کی نوبت آئی اور ہر مرتبہ اسکی لذت دوسری پائی اور ہر بار ختم کتاب پر سید زین الدین صاحب نے یہی فرمایا کہ یہ وہ مرصاد نہین ہے جو مین نے پہلے پڑھی تھی غرضکہ روز بروز پیر کے التفات سے باب ولایت کھلتے اور مدارج سلوک طے ہوتے گئے اور برہان الدین اولیا صاحب کی وفات کے تین روز بعد سجادہ خلافت پر تمکین اور مقتدائے خاص و عام ہوئے۔

سفر دہلی

جسوقت امراے دولت آباد نے سلطان محمد شاہ دہلی سے بغاوت کرکے اسمٰعیل فتح کو تخت سے اُتار دیا اور سلطان محمد اس فساد کے رفع کرنے کیواسطے دولت آباد آیا اور بعد دفع فتنہ و فساد اکثر متوطنان دہلی کو جو دولت آباد مین رہتے تھے دہلی روانہ کیا۔ سید زین الدین صاحب سے بھی چلنے کی درخواست کی۔ سید صاحب جمعہ کو روز سنہ ۷۴۸ ہجری مین لشکر کے ساتھ دہلی روانہ ہوئے۔ امیر حسن مؤلف ہدایت القلوب کا بیان ہے کہ مین اور چند احباب حضرت کو ایلورے تک پہنچانے گئے مین نے دل مین ارادہ کیا کہ اگر حضرت مجھے کوئی کتاب عنایت فرمائینگے تو مین واپس جاؤنگا ورنہ بےشبہ ساتھ جاؤنگا۔ یہ خیال ابھی دفع نہین ہوا تھا۔ کہ سید زین الدین صاحب نے خواجہ شہاب الدین صاحب سے فرمایا کہ رسالہ منہاج العابدین جو تمنے میرے واسطے لکھا ہے ہدیہ کے طور پر۔ میر حسن کو دیدو تاکہ وہ یہان سے واپس جائین اور مطالعہ کرین اسکے بعد ایلورے کی ندی کے کنارے سے نماز ظہر ادا کی اور مین اور بعض خدام مثل شمس الدین فضل اللہ اور فرید عراقی اور مولانا مسعود عرف چھجو رخصت ہوکر واپس آئے اور سید زین الدین صاحب دہلی روانہ ہوئے۔

شیخ نصیر الدین صاحب
چراغ دہلوی سے تجدید بیعت
اور فیض صحبت کا حاصل ہونا

سید صاحب جب دہلی پہونچے تو شیخ نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی اور نیز دیگر خلفائے سلطان المشائخ سے ملاقات ہوئی۔ ایک جماعت کثیر نے بیعت کی منجملہ ان کے شیخ الاسلام صدر الدین مفتی دہلی داخل بیعت ہوئے اور مولانا نور الدین امام نے قرآن مجید کے چند پارون کی قرات تصحیح کی اور امامت پر مامور ہوئے۔ غرہ ربیع الاول سنہ ۷۴۹ ہجری کو سید زین الدین صاحب نے فرمایا کہ دو مہینے ہوئے کہ مین ہر روز ایک کلام اللہ سلطان المشائخ کی روح پر فتوح پر ختم کرتا ہون اور صبح کی نماز کے بعد روضہ مقدسہ پر شاغل رہتا ہون۔ اللہ جل شانہ

کی عنایت اور شیخ الاسلام برہان الدین اولیا صاحب کی دستگیری سے (کہ مجھے اس درگاہ مین سپرد کیا ہے) آج کے روز مین نے بہت سے فضل و کرم مشاہدہ لیئے اور یہ بیت مرقد مطہر سے سُنی ؎

بیا سائے چمن خود کہ جانم از تو آسودہ است
ز حسن مِی بر افروزی خدا حسنت بیفزاید

چند روز بعد سلطان محمد نے حضرت کے روبرو یہ گزارش پیش کی کہ آپ مختار ہین مرضی مبارک مین آئے۔ دہلی مین تشریف رکھیئے۔ حرمین شریفین جایئے۔ یا دولت آباد کا ارادہ فرمایئے اگر دولت آباد کا قصد ہے تو زاد راہ اور سامان سفر مہیا کر دیا جاتا ہے ابھی حضرت کا ارادہ کسی طرف کا نہین ہوا تھا کہ اس عرصے مین سلطان محمد کا انتقال ہوا اور فیروز شاہ تخت پر بیٹھا۔

سلطان فیروز محمد شاہ سے زیادہ درویش دوست اور حضرت سید زین الدین صاحب کا معتقد تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی ۔ ۱۸ صفر ۷۵۲ھ ہجری کو خدمت اقدس مین حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور کسی طرف کا قصد نہ فرمائین اور چندے دہلی کو قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشین۔

سید زین الدین صاحب نے فرمایا کہ اے سلطان فیروز اس بات سے مجھے معاف رکھ مین چاہتا ہون کہ اپنے پیر کے آستانے پر مرون۔ فیروز شاہ نے زیادہ اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور دوسرے روز سفر کا سامان مہیا کر دیا اور کچھ نقد بھی پیش کیا جس وقت سید زین الدین صاحب دہلی سے رخصت ہوئے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی اور بہت سے خلفائے سلطان المشائخ اور امرا و شاہزادگان دہلی حوض شمسی تک پہنچانے آئے۔ شیخ نصیر الدین صاحب نے حوض شمسی کے کنارے قبلہ رو ہو کر

دُعا کی اور سید زین الدین صاحب کے فرق مبارک سے عمامہ اُٹھا کر اپنا عمامہ اُن کے سر پر رکھا اور بہت سے تبرکات سلطان المشائخ کے دیکر رخصت کیا۔

سفر اجودھن
(پاک پٹن)

سید زین الدین صاحب دہلی سے اجودھن (پاک پٹن) تشریف لیگئے جس روز پاک پٹن پہنچے۔ صاحب سجادہ شیخ محمد بن شیخ علاء الدین بن شیخ فرید الدین گنجشکر قدس اللہ اسرارہم بابا صاحب کی بشارت پر استقبال کو نکلے اور باوجودیکہ شیخ محمد صاحب کی عمر (۱۰۰) سال سے تجاوز کر چکی تھی تب بھی سید صاحب کی عظمت اور حرمت بہت کی۔

سید صاحب تین شبانہ روز بابا صاحب کے گنبد کا دروازہ بند کرکے مشغول رہے اور نماز کے وقت کے سوا باہر نہین نکلتے تھے۔ اور رات ودن چار قرآن مجید ختم کرتے تھے تین رات ودن مین بارہ ختم کیے اور قریب ایک مہینے کے اجودھن مین رہے۔ رخصت کیوقت شیخ محمد صاحب نے بابا صاحب کے بعض تبرکات سید صاحب کو دئے اور ایک منزل تک پہنچانے آئے۔

سلطان الہند خواجہ
معین الدین چشتی قدس سرہٗ
کی زیارت اور دولت آباد
کی واپسی۔

سید زین الدین صاحب اجودھن سے واپس ہوکر اجمیر شریف گئے اور خواجہ صاحب کی زیارت سے مشرف ہوکر ایک ہفتہ روضۂ مقدسہ پر خلوت کی اور (۲۸) قرآن مجید ختم کرکے بہت سا فیض مزار مبارک سے حاصل کیا اجمیر شریف مین بھی بہت سے لوگ مرید ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد دکن کا ارادہ کیا اور بعد قطع مراحل وطے منازل قدم فیض توام سے دولت آباد کو رشک بہشت برین بنایا۔ اس مرتبہ خلائق دولت آباد بالکلیہ سید صاحب سے رجوع ہوئی اور کل امرا و سلاطین نے چادر اعتقاد کو اپنے سر پر ڈالا۔

حیدرآباد کا انجام

جسوقت بہرام خان مازندرانی حاکم دولت آباد باغوائے کھنبہ دیو سردار مرہٹہ نے سلطان محمد بہمنی سے بغاوت اختیار کی اور سلطان محمد شاہ لشکر بیشمار اور فوج جرار لیکر قلعہ دولت آباد سے دو کوس کے فاصلے پر بقصد محاصرہ آیا تو اسوقت بہرام خان کی آنکھیں کھلیں ۔ حیرت زدہ لباس بدل حضرت سید زین الدین صاحب کیخدمت میں حاضر ہوکر پہلے یہ اشعار پڑھے ۔

کہ اے از رخت راحت دل پدید زبان تو ہر مشکلے را کلید
چہ تدبیر کان شاہ گردن فراز بیاورد برما چنین ترک وتاز

اسکے بعد سارا واقعہ بیان کرکے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو قلعہ کا دروازہ بند کر لیتا ہوں ۔ یا جیسا میرے حال کے مناسب ارشاد ہوتا ہے ۔ اسپر عمل کرتا ہوں ۔ سید زین الدین صاحب نے فرمایا کہ جب تو فقیر کے پاس آیا ہے اور نیکی وخوبی میں مشورہ چاہتا ہے تو بمقتضائے (المستشار موتمن) جو کچھہ تیرے لیے بہتر ہے کہتا ہوں قلعہ کا دروازہ بند کرکے بیٹھ رہنا انجام بینی سے بالکل بعید ہے ۔ مال اور اسباب کی محبت چھوڑ اور یہان کا رہنا اپنے لیئے ہلاکت کا سبب سمجھہ ۔ اور اسیوقت عیال واطفال کو ہمراہ لیکر گجرات کا راستہ لے ۔ یہ سنتے ہی بہرام خان نے وہین بیٹھے ہوئے سب کو طلب کیا ۔ اسکے متعلقین تو منتظر ہی تھے فوراً گھوڑون پر زین کر اور ضروری سامان اور خاص آدمیون کو ساتھہ لے حضرت کے مکان پر آ گئے ۔ سید زین الدین صاحب نے اپنا ہاتھہ بہرام خان اور کھنبہ دیو کی پیٹھہ پر پھیر کر فرمایا ۔ سوار ہو ۔ خدا کے فضل سے سلامتی شامل حال ہے پس وہ دونون مع اہل وعیال سوار ہوکر گجرات روانہ ہوئے ۔

سلطان محمد کو جب بہرام خان کے فرار ہو جانے کی خبر پہنچی۔ سے شیخ علیخان اور چار سو سوارون سے گجرات تک تعاقب کیا۔ چونکہ سید زین الدین صاحب کی زبان فیض ترجمان سے سلامتی کا لفظ نکل چکا تھا۔ سلطان کو تعاقب سے کوئی فایدہ نہوا اور بہرام خان صحیح و سلامت نکلگیا۔ چونکہ سلطان محمد کو تعاقب سے تکلیف کے سوا کوئی فایدہ نہوا اسوجہ سے غیظ و غضب کے ساتھ دولتآباد واپس آیا اور اسبات نے سید زین الدین صاحب سے علاوہ رنجش سابقہ کے اور زیادہ ملال پیدا کردیا۔ رنجش سابقہ کا یہ سبب تھا کہ آغاز سلطنت مین تمام مشایخین نے حاضرانہ و غایبانہ سلطان محمد سے بیعت کی تھی لیکن حضرت سید زین الدین صاحب نے سلطان محمد کے شراب پینے اور منہیات مین شاغل رہنے سے انکار کیا تھا اور یہ فرمایا تہا کہ ریاست اوس شخص کو زیبا ہے جو شریعت محمدی کا پیرو اور محافظ اور ظاہری و باطنی منہیات سے پرہیز رکھتا ہو۔ غرض سلطان محمد نے بعد واپسی تعاقب دولت آباد مین آتے ہی ایک مصاحب کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ یا تو آپ میری مجلس مین حاضر ہون یا بیعت کا اقرار کرکے خلافت نامہ پر اپنے دستخط ثبت کرین۔

ہدایت القلوب مین میر حسین صاحب لکھتے ہین کہ سلطان محمد نے پہلے مصاحب خاص کو حضرت کی طلب مین بھیجا اور بلا انتظار مصاحب قاضی شہر کو روانہ کیا اور اس سے یہ کہا کہ جسطرح ممکن ہو حضرت کو لا اور بالفرض وہ نہ آئین تو میری خلافت کا اقرار کرکے نوشتہ دستخطی دین۔

حکایت

جب قاضی حضرت کے پاس آیا اور بادشاہ کا پیغام دیا حضرت نے پہلے یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ کسی تقریب مین ایک عالم اور ایک سید اور ایک مخنث کافرون کے ہاتھ مین

گرفتار ہوئے۔ رئیس کفار نے کہا کہ ان تینون کو بتخانے مین لیجاؤ۔ جو شخص اُنمین سے بت کو سجدہ کرے اُسے چھوڑ دو اور بصورت انکار۔ گردن ماردو۔ پہلے عالم کو بتخانے مین لیگئے عالم نے آیۂ کریمہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن پر عمل کرکے سجدہ کیا اسکے بعد سید کو لیگئے سید نے بھی کہا کہ جو حجت عالم کی ہے وہی میری ہے اور بت کو سجدہ کیا۔ جب مخنث کی نوبت آئی تو اُس نے کہا کہ مین نے اپنی تمام عمر اعمال ناشایستہ اور افعال قبیحہ مین گزرانی نہ علم رکھتا ہون نہ سیادت کہ ان دونون مین سے ایک کی پناہ مین کوئی کام کردن اور میرا سرمایہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول کے سوا اور کچھ نہین ہے اگر مین اسکو بھی ہاتھ سے کھو دون تو کل قیامت کے دن میرا کیا حال ہو مین کسی حال مین سجدہ کرنیوالا نہین ہون آخر کو مخنث نے اپنی موت کا اقرار کرکے بت کو سجدہ نہین کیا۔

اس حکایت کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میرا قصہ مخنث کے قصے کے موافق بلکہ اُس سے بڑھا ہوا ہے۔ پس مین سلطان محمد کے ظلمون کا متحمل ہونگا نہ مجلس مین جاؤنگا اور نہ اُسکی خلافت کا اقرار کرکے کوئی تحریر دستخطی دونگا۔ قاضی نے بادشاہ کے پاس آکر تمام قصہ کہ سنایا بادشاہ کے غصے کی آگ اور بھڑکی اور دوبارہ قاضی سے کہا کہ اسیوقت جا اور سید زین الدین سے کہہ کہ میرے شہر مین نہ رہین۔ حضرت نے یہ سنتے ہی بلا توقف مُصلے کندھے پر ڈالا اور حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے روضے کیطرف روانہ ہوئے اور خلد آباد مین آکر شیخ کے پائین عصا گاڑا اور مُصلے بچھا کر بیٹھے۔ اور فرمایا کہ اب مرد چاہیے کہ مجھے یہان سے اُٹھائے۔ سلطان محمد کو جب یہ خبر ہوئی اپنی سخت کلامی اور بے ادبی سے پشیمان ہو کر پہلے زبانی یہ کہلا بھیجا کہ مجھسے جو گستاخی سرزد

ہوئی ہے وہ معاف فرمائی جائے اور اب جناب کسی طرف کا ارادہ نہ فرمائین اُسکے بعد یہ بیت اپنے ہاتھ سے لکھکر صدر الشریف کی معرفت حضرت کے پاس بھیجی ؎

من زان توام تو زان من باش   خوش باشد عشق اتفاقے

سید زین الدین صاحب نے جواب دیا کہ اگر سلطان محمد غازی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت کرے اور اپنے ممالک محروسہ سے شراب کی دوکانین اُٹھائے اور اپنے باپ کے طریقے پر عمل کرے اور خود شراب نہ پیئے اور علما و قضاۃ کو حکم دے کہ امر معروف و نہی وحق و باطل کا وعظ کرین تو زین الدین فقیر سے بڑھکر اُسکا کوئی دوست نہین اور یہ رباعی دستخط خاص سے لکھکر بھیجی ؎

تا من بزیم بہانہ جوئی نکنم
جز نیکدلی و نیک خوئی نکنم
آنہا کہ بجائے من بدیہا کردند
گر دست رسد بجز نکوئی نکنم

سلطان محمد شاہ غازی کے خطاب سے بہت خوش ہوا اور اُسکو شگون نیک سمجھکر اُسیوقت حکم دیا کہ میرے القاب مین غازی کا لفظ زیادہ کر دیا جائے۔ اور اُسیروز حکومت مرہٹہ مسند علیخان کو سپرد کرکے (احسن آباد) گلبرگہ روانہ ہوا اور شراب کی دُکانین اپنے مقبوضہ ملک سے دور کرکے شریعت کے رواج دینے مین مستعد ہوا۔ چورون اور راہزنون اور مفسدون کے دفع کرنے کیواسطے احکام جاری کیئے اور حکم دیا کہ جسقدر راہزن گرفتار ہون بصدور حکم سرکار سر کاٹکر بھیجدیئے جائین۔ چنانچہ حسب الحکم سلطان۔ ملازمین درگاہ نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر چھہ سات ماہ مین تقریباً بیس ہزار چورون کے سر کاٹکر بھیجدیئے حتی کہ کسی مقام پر راہزنون کا اثر باقی نہ رہا۔ کہتے ہین کہ اس کثرت سے چورون کے سر گلبرگہ مین آئے کہ اطراف شہر مین اُن سے کئی چبوترے بنائے گئے۔ سلطان محمد نے قلیل مدت

میں اپنے ملک کو رسوم خرافات سے پاک اور شریعت کو خوب رائج کر دیا اور خود بھی منہیات سے تائب ہو گیا۔ اور یہ کام سلطان محمد نے محض حضرت کی خوشنودی اور رضامندی کیواسطے کیا اور اسیوقت سے سر نیاز کو حضرت کی خدمت میں جھکاتا رہا۔ سید زین الدین صاحب بھی اُسکے اس کام سے خوش ہو کر ہمیشہ فرمان مرحمت سے سرفراز فرماتے رہے۔

برہانپور اور زین آباد کی آبادی

جس وقت نصیر خان فاروقی والیٔ خاندیس نے قلعہ آسیر کو آسا اہیر سے لیا۔ سید زین الدین صاحب اسکی درخواست پر بہ رسم مبارکباد خاندیس روانہ ہوئے۔ اُدھر سے نصیر خان باخدم و حشم استقبال کو آیا اور دریائے تاپتی کے اسطرف جس مقام پر کہ اب زین آباد آباد ہے قدمبوس ہو کر عرض کی کہ قلعہ تک قدم رنجہ فرمائیے۔ سید زین الدین صاحب نے فرمایا کہ شیخ کی اجازت ندی سے اس پار جانیکی نہیں ہے اور وہین قیام کیا۔ نصیر خان سید صاحب کے اجازت سے تاپتی کے اسطرف جس مقام پر کہ اب برہانپور آباد ہے جا کر ٹھہرا۔ ہر روز پانچ وقت سید صاحب کی صحبت بابرکت سے مستفید اور نماز صبح سید صاحب کے پیچھے ادا کرتا رہا دو ہفتہ کے بعد جب سید صاحب نے واپسی کا ارادہ کیا۔ نصیر خان نے عرض کی کہ اس سلطنت کی برکت کے لیے اگر فلان فلان موضع اور پرگنے بطور نذر قبول ہوں تو باعث سرفرازی ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہ فقیروں کو پرگنات اور وظایف سے کیا واسطہ ہے لیکن جب نصیر خان نے بہت ہی منت کی تب فرمایا کہ اگر تیری خوشی اسی میں ہے تو میں اسپر رضامند ہوں کہ جس جگہہ تو ٹھہرا ہے وہاں ایک شہر شیخ برہان الدین اولیا صاحب کے نام سے آباد کر کے اپنا دارالخلافت بنا اور تاپتی کی اسطرف جس مقام پر کہ میں ٹھہرا ہے ایک قصبہ آباد کر کے اُسکا نام زین آباد رکھ تاکہ اس تقریب سے دونون کے نام ہمیشہ قایم رہیں۔ نصیر خان نے خوش ہو کر

اُسیوقت امرا و ارکین کو برہانپور اور زین آباد کی آبادی کی ترغیب دلائی اور سید زین الدین صاحب نے دونون کی بنیادی اینٹ اپنے ہاتھ سے رکھی دوسرے روز سید زین الدین صاحب فاتحہ مبارکباد پڑھکر دولت آباد روانہ ہوگئے اور تھوڑے ہی روز مین یہان کی آبادی اور برہانپور کی آبادی بہت بڑھگئی۔ اور حضرت شیخ برہان الدین اولیا صاحب اور سید زین الدین صاحب کی دعاسے برہانپور بہت بڑا شہر اور سلاطین فاروقیہ کا دارالحکومت بنگیا۔ میر غلام علی صاحب آزاد نے برہانپور کی صفت مین ذیل کی غزل نظم کی ہے۔

غزل میر آزاد در صفت برہانپور

[illegible] بہشت است خاک برہانپور
[illegible] نسیم ہوائے برہانپور

دماغ عالمیان را چہ تازگی بخشید
طراوت چمن دلکشائے برہانپور

سواد اعظم او بسکہ نور افشان است
ز آفتاب زند دم شبہائے برہانپور

بنام اشرف برہان دین غریب نمود
نصیر والی کشور بنائے برہانپور

زہے مقام مقدس کہ اولیا خیز است
کند سپہر طواف فضائے برہانپور

ف برہانپور اور زین آباد کے آبادی کے متعلق ہمنے جو لکھا ہے وہ تاریخ فرشتہ سے لکھا ہے چاہے کوئی کچھ سمجھے لیکن ہمکو ان دونون آبادیون کی نسبت جو شیخین کیطرف منسوب کی گئی ہین کلام نہین البتہ یہ بات حیرت مین ڈالتی ہے کہ محمد قاسم نے جسوقت کے یہ واقعات لکھے ہین وہ سید زین الدین صاحب کی وفات سے ۳۰-۳۵ برس بعد کے ہین کیونکہ سید زین الدین صاحب نے ۷۷۱ھ ہجری مین وفات پائی اور نصیر خان فاروقی کی حکومت کی ابتدا ۸۰۱ھ ہجری سے ہوئی اور اوس کے کئی سال بعد دونون شہر آباد ہوئے۔ واللہ اعلم کہ یہ اختلاف کہانتک صحیح ہے ۱۲

فتاد بس کہ گزر لشکر محمد[1]   غبار خیز بود کوچہائے برہانپور
بسر نیزہ ورق ابر خامہ آمد آد   نمود سبز نہالے تماشائے برہانپور

نصیر خان ملک راجہ کا بیٹا اور خان جہان فاروقی کا پوتا تھا۔ خان جہان سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان محمد تغلق کے دربار مین صاحب اعتبار امرا مین سے تھا۔ خان جہان کے مرنے کے بعد گردش روزگار نے ملک راجہ[2] کو اسوقت پدری منصب پر پہنچنے ندیا اور مدت دراز تک پریشانی اور افلاس مین گزرانی بہزار خرابی اور بصد کوشش فیروزشاہ کے یہان خاصے کے سوارون مین ملازم ہوا۔ چونکہ قلت ماہوار سے بمشکل بسر ہوتی تھی اسلیئے وہ بیکار وقت کو شکار مین صرف کیا کرتا تھا اُسی زمانے مین فیروز شاہ گجرات آیا ہوا تھا۔ اُسکو شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ ایکروز ایک شکار کے پیچھے شکارگاہ سے چودہ پندرہ کوس دور نکل آیا۔ تکان راہ اور صعوبت سفر سے بدحواس ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ بھوک نے غلبہ کیا۔ یکایک دور سے ایک سوار دیکھا کہ دو کتے تازی اور چند شکاری جانور ساتھ لیئے شکار کھیل رہا ہے۔ چونکہ بھوک سے بیتاب تھا اُس سے پوچھا کہ تیرے پاس کھانے کی کوئی شیئے ہے۔ جس کے جواب مین ملک راجہ نے نہایت شستہ تقریر سے کہا کہ ہے۔ اور ماحضر پیش کر کے ایکطرف مؤدب کھڑا ہو گیا۔ فیروز شاہ نے پہلے کھانا کھایا جب حواس درست ہوئے تب اُس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہان رہتا ہے۔ آداب بجالا کے عرض کی کہ مین خان جہان

---

[1] سید محمد صاحب برہانپور کے مشاہیر اولیا سے ہین۔

[2] ہمنے چند بوسیدہ اوراق مین ملک راجہ کو دولت آباد کا تھانیدار لکھا ہوا دیکھا ہے۔ غالباً اوسی زمانے مین سید زین الدین صاحب سے اُنکو بیعت کا شرف ہوا ہوگا۔

فاروقی کا بیٹا ہون اور ملک راجہ میرا نام ہے اور خاص شاہی ملازمون مین ہون فیروز شاہ اول تو خان جہان کو اچھی طرح جانتا تھا دوسرے ملک راجہ کا بھی زیر بار احسان ہوچکا تھا۔ اسلئے حکم دیا کہ دربار عام کیوقت ملک راجہ پیش کیا جائے المختصر ملک راجہ دربار عام مین منصب دو ہزاری سے سرفراز ہوا اور تھالنیر مع مضافات خاندیس کی حکومت کا فرمان عطا ہوا۔ ملک موصوف نے سنہ ۷۷۱ ہجری مین حسن تدبیر اور بزور شمشیر جہاد کرکے خاندیس کے راجاؤن کو مطیع کیا اور رفتہ رفتہ اسقدر قوت بہم پہنچائی کہ پادشاہ ہوگیا۔ چونکہ ملک راجہ حضرت سید زین الدین صاحب کا مرید تھا اور شیخ سے ارادت اور خلافت کا خرقہ پایا تھا۔ اس لیئے مرتے وقت اپنے بڑے بیٹے نصیر خان کو اپنا ولی عہد مقرر کرکے خلافت اور اجازت اسکو سپرد کی۔ خاندان فاروقیہ مین دوسو سال سے کچھ زاید سلطنت قایم رہی اور خرقہ خلافت بطنًا بعد بطنًا جو ولی عہد ہوتا گیا اسکو پہنچتا رہا۔ اس خاندان کا آخر بادشاہ بہادر شاہ گزرا ہے۔

سید زین الدین صاحب کی وفات اور آخر وقت کے حالات

اُلُنگ ترکی لفظ ہے جس کے معنے قلعہ کی دیوار کے ہین روضے (خلد آباد) مین اس نام کا ایک مکان ہے۔ جو درگاہ جدخورد کی پشت پر شمال طرف واقع ہے۔ روضے کے تمامی مسلمان اسکو نہایت مقدس (ہے بھی مقدس) خیال کرتے ہین۔ میرا خیال ہے کہ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی متبرک جانتے ہین۔ اگرچہ روضے کی بعض عمارتون کے مقابل مین اسکی شان و شوکت ایسی نہین جسکی وجہ سے تقدس کا اظہار ہوتا ہو۔ تاہم دوسری عمارتین چاہے کیسی ہی سر بفلک اور نقش و نگار سے آراستہ ہون اس کی عظمت کو

نہین پہنچ سکتین۔ اس سبب سے کہ سید زین الدین صاحب دولت آباد سے آنکو بعد تاحیات اسی مین رہے اور زمانہ دراز تک بابرکت انکے وجود سے یہ مرجع خاص و عام رہا ہے۔

النگ کی موجودہ حالت کسیقدر خراب اور غیر آباد ہے۔ تب بھی اُس بالا خانے کی دیوارین جسپر سید زین الدین صاحب بیٹھا کرتے تھے یادگار باقی ہین۔ یہ ارض مقدس دو احاطون پر منقسم ہے۔ اندر والے احاطے مین دو قبرین ہین جسمین ایک قبر میر حسن صاحب سید زین الدین صاحب کے مرید کی ہے۔

لہ میر حسن صاحب کے حالات کبھی کسی کتاب مین دیکھنے نہین گذرے۔ ان کا ایک واقعہ عجیب و غریب مشہور ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کیلئے ہم اسکو اس مقام پر درج کئے دیتے ہین۔

دہلی کے باشندے۔ ذی علم۔ جوان۔ خوش رو۔ خوش گلو تھے۔ باپ نے ایک حسینہ جمیلہ لڑکی سے نسبت کی۔ اُس لڑکی پر پہلے سے ایک جابر حاکم فریفتہ تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اُسکو اپنے نکاح مین لائے۔ لیکن میر حسن صاحب کے والد نے کچھ ایسی کوشش کی کہ حاکم کو ناکامی اور میر حسن صاحب کو کامیابی ہوگئی۔ اور میر حسن صاحب سے لڑکی کا نکاح ہوگیا۔ نکاح ہوجانے کے بعد حاکم کو جب خبر ہوئی تو اُس نے یہ چاہا کہ میر صاحب آج کی رات اگر اُس سے ہم بستر نہون تو پھر مین کل اپنے مطلب پر کامیاب ہو جاؤنگا۔ ادھر میر صاحب کو اسکی ان فکرون سے خبر ہوگئی اور گھر آکر زیادہ تر اس خیال سے کہ جب حاکم کو میرے ہم بستری کی خبر ہوگئی تو خیال فاسد چھوڑ دیگا دن ہی کو خلوت کی۔ جب یہ سربستہ راز فاش ہوکر اُسکے کانون تک پہنچا۔ تو آتش عشق سے کباب ہوکر میر صاحب کی فکر مین ہوا آخر کو ایک روز کسی مقدمہ مین پھانس کر میر صاحب کا عضو تناسل کٹوا لیا۔ میر صاحب کو جان کے لالے اور لینے کے دینے پڑے۔ شان ایزدی حیات مستعار باقی اور خلد آباد کا خمیر تھا اور ابھی

غلام علی آزاد صاحب نے النگ کی بزرگی اور عظمت کا اعتراف کرکے یہ نقل لکھی ہے۔ ایک وقت ایک فقیر جنگل سے لکڑیوں کا گٹھ لیئے ہوئے خانقاہ میں آ رہا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۱) بہت کچھ دیکھنا باقی تھا۔ چند روز میں اچھے ہوگئے۔ صحت کے بعد غیرت کے مارے دہلی چھوڑ دیا اور سیدھے دولت آباد میں سید زین الدین صاحب کے پاس آئے۔ میر صاحب کو دہلی سے نکلتے ہی حاکم نے اُس عفیفہ کو اپنے گھر زبردستی بلوا لیا۔ قدرت خدا جبر و ستم سے وہ نیک بخت محل میں داخل ہوئی۔ حاکم طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گیا۔ اور مشیت نے اُسکو دہلی میں اپنے ناجائز مطلب پر کامیاب نہونے دیا۔ یہاں میر حسن صاحب سید زین الدین صاحب کی خدمت میں رہنے لگے۔ کبھی کبھی حمد و نعت میں اشعار سنایا کرتے تھے۔ ایک روز ایسے اشعار پر مضمون دلگداز لہجہ سے گائے کہ سید زین الدین کو وجد آگیا اور اُٹھکر ٹہلنے لگے۔ دیر تک ٹہلتے رہے۔ ٹہلتے ٹہلتے ایکبار فرمایا کہ میر حسن کیا چاہتا ہے۔ میر صاحب ساکت رہے۔ دوسرے بار فرمایا کیا چاہتا ہے جب بھی جواب نہ دیا اور گاتے رہے تیسری مرتبہ بلند آواز سے کہا میر حسن کیا چاہتا ہے۔ تو میر صاحب نے عرض کی کہ عرض حاجت در حریم حضرتت محتاج نیست کو راز کس مخفی نماند بر دل دانائے تو۔ اتنا سنتے ہی فرمایا۔ اُٹھ۔ جا اور گوشے میں قدرت خدا کا تماشا دیکھ۔ میر صاحب فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور کنارے پر جاکر مطلوبہ شے پر نظر ڈالی دیکھا کہ ترشی ہوئی چیز اپنے مقام پر موجود ہو ہے کھویا ہوا مال ہاتھ آیا۔ بولا وہ کہ شکر ہے خدایا! بیساختہ دوڑ کر قدمبوس ہوئے اور اسی روز بیعت کی۔ رفتہ رفتہ میر صاحب کے واقعہ کی کیفیت اور سید زین الدین صاحب کی کرامت کی خبر عام ہوگئی۔ حاکم بھی اپنی سیہ کاری پر پشیمان ہو کر دہلی سے دولت آباد آیا اور ایک روز موقع پاکر سید زین الدین صاحب کی خدمت میں اُس عورت کو لیکر حاضر ہوا اور سارا قصہ بیان کرکے عرض کی کہ فی الواقع مجھ سے سخت خطا ہوئی ہے اور مجھ پر ایک دھبہ ایسا لگا ہے کہ وہ کسیطرح مٹ نہیں

گرانی بوجہ اور راہ کی سختی سے تھک کر النگ کی دیوار کے نیچے جب آیا تو گٹھڑ دیوار سے ٹیک خود دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ چند ساعت آرام لیکر خانقاہ میں آیا ہر چند لکڑیاں جلائیں۔ نہ جلیں۔ لوگوں کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی فقیر سے حقیقت دریافت کی اوسنے سارا قصہ بیان کیا۔ النگ کی عظمت میں شبہ نہیں اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ ارباب صفا یقین کر جائے گفتگو نہوگی۔ اس سبب سے کہ قدم گہ درویشان رہا۔ چہ جائیکہ برسوں تک ختم المشائخ ختم الاولیا حضرت سید زین الدین صاحب کا قیام گاہ اور انتقال کے بعد اُسی سر زمین پر آرام گاہ ہوا ہو۔ ہم سے جو کچھ اسکی صفت کیجائے کم ہے۔ لکڑہارے کے قصے پر نظر کرتے ہوئے مسلمانان خلد آباد اپنی میت کو مکان موصوفہ کی شمالی دیوار کی

(بقیہ صفحہ ۱۸۳) سکتا البتہ اگر حضور توجہ فرمائیں تو اُمید ہے کہ میرا دامن اُس سے پاک ہو جاسکے۔ عورت کو بھی پیش کیا اور کہا کہ اسوقت تک میں نے اُسکو ہاتھ نہیں لگایا اور لگاتا کیونکر۔ جس روز سے میرے گھر میں یہ داخل ہوئی ہے۔ مجھے ایک لمحہ آرام نہیں ملا اور اسوقت تک انواع واقسام کے عارضوں سے فرصت نہیں ہوئی بمزید احتیاط عورت سے دریافت کرلیا جائے۔ اب میری آرزو ہے کہ یہ جسکی ملک ہے اُسے دیدیجائے۔ حضرت سید زین الدین صاحب نے میر حسن صاحب کو طلب کرکے فرمایا کہ تیری منکوحہ حاضر اور اسوقت تک وہ مرد غیر سے پاک بچ رہی ہے۔ میر صاحب کو تو دوسری جا عاشق ہوگیا تھا۔ عرض کی کہ اب مجھے اسکی خواہش نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تجھے حاجت نہیں تو طلاق دیدے۔ میر صاحب نے اسیوقت طلاق دی اور بعد مدت عدت وہ عورت اُس حاکم کے نکاح میں آئی اور میان بی بی دونوں حضرت کے مرید ہوئے۔ اور چند روز بعد حضرت کی دعا سے اُس نے صحت کلی پائی۔ میر حسن صاحب کا انتقال سید زین الدین صاحب کے سامنے ہوا اور النگ میں دفن کئے گئے اب وہ میر حسن قدال مشہور ہیں۔

نیچے سے ہوتے ہوئے لیجاتے ہین۔ امید ہے کہ غفور الرحیم ایسی میت کو جو دیوار مبارک کے نیچے سے ہوکر گزرتی ہے۔ آتش دوزخ سے نجات دیگا۔

قیام بالاخانہ وفات سے تین سال قبل سید زین الدین صاحب نے بالاخانے پر مستقل قیام فرمایا اور دو سال پہلے ایکروز چاشت کی نماز پڑھکر خواجہ شہاب الدین کو بلایا اور مصلے سے اٹھکر شرقی دریچے سے باہر کرسی پر تشریف لائے اور جس جگہ کہ اب مزار ہے بتا کر فرمایا کہ یہان سے وہان تک کہ جہان تہخانہ ہے مٹی اٹھا کر صاف کردو۔ یہ جگہ ہم کو پسند آگئی۔

جب مٹی اٹھانے اور عمارت بنانے کا وقت آیا خواجہ شہاب الدین نے عرض کی کہ حضور وہان تک قدم رنجہ فرمائین۔ تشریف لائے اور موقع ملاحظہ فرما کر ارشاد کیا کہ اب یارونکا مرنا جینا اسی مقام پر ہے۔ ؎

خیال در ہمہ عالم بگشت و باز آمد
ز خاک کوی تو بہتر ندید جائے را

علالت ۱۲ ربیع الاول سنہ [illegible] ہجری دوشنبہ کے دن کھانسی۔ زکام اور تپ سے مزاج علیل ہوا۔ ۱۲ روز کامل سخت تکلیف رہی ابتدائے بیماری سے آخر تک پانی کے سوا کوئی چیز نہین کھائی اور ضعف کے باوجود کل نمازین کھڑے ہوکر پڑھتے تھے۔ فرض کے علاوہ کوئی سنت۔ نفل اور مستحب تک فوت نہین ہوئی۔ یہان تک کہ عمامہ کھڑے ہوکر باندھتے تھے ایک خادم نے کہا کہ ایسے وقت مین قیام آپ سے ساقط ہے فرمایا اس حدیث پر مینے عمل کیا ہے۔

من تعمم قاعداً و تسرول قائماً ابتلاه الله تعالے ببلا لا دواء

انہین دنون مین ایک شخص نے کہا کہ روضے کی ہوا بہت سرد ہے اگر حکم ہو تو آپ کو

آپ کے گھر (دولت آباد) سے چلیں اور صحت کے بعد واپس لائیں۔ فرمایا مجھے یہیں چھوڑ دو کہ شیخ کے آستانے پر مروں۔ کیونکہ آخر کو وہیں لائینگے۔ یکشنبہ کے روز صبح کی نماز کے بعد زُاسیرونہ انتقال فرمایا۔ حسب قاعدہ مقررہ ایک مرتبہ شیخ کیواسطے۔ دوسری مرتبہ سلامتی خلق اور تیسری مرتبہ بلاؤں کے دفع ہونے کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنا یہ تین بار سورہ فاتحہ پڑھنا روزانہ معمول تھا۔

نماز ظہر سے پہلے خواجہ شہاب الدین اور حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے بعض خدام جیسے مولانا شمس الدین فضل اللہ مولانا تاج الدین احمد اور خواجہ نصیب اور مولانا نصیر الدین بدہری اور نصیر الدین امام اور بہت سے خدام آنحضرت حاضر تھے خواجہ شہاب الدین نے عرض کی کہ خدام کوئی معروضہ پیش کرنا چاہتے ہیں اگر حکم ہو تو عرض کریں۔ فرمایا جانتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد انگوٹھا آنکھ پر رکھکر پوچھا اذان ہوئی۔ خواجہ شہاب الدین نے کہا وقت آگیا ہے لیکن اذان نہیں ہوئی اسیوقت سب حاضرین کو نماز پڑھنے کی تاکید کی اور خود بھی مصلے پر آ گئے۔ جب سب خدام نماز سے فارغ ہو چکے تو پھر سب کے سب اس غرض سے سامنے حاضر ہوئے کہ شاید حضرت کچھ وصیت کریں۔

دلیل السالکین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس اسوقت دنیاوی اسباب میں صرف ایک ساڑی اور تین موزے ([illegible]) اور تھوڑی سی گلچھڑی تھی اور یہ تینوں چیزیں بھی زمانے میں کسی نے نذر دی تھیں۔ اسکے علاوہ کچھ نہ تھا۔ وصیت کی غرض سے جیسے ہی خدام سامنے آئے۔ خواجہ شہاب الدین سے فرمایا کہ ساڑی فلاں شخص کو اور موزے فلاں شخص کو اور گلچھڑی فلاں محتاج کو دیدو۔ اس کے بعد یہ کہا کہ میں دنیاوی

اسباب اسیقدر تھا اسکو تجرید کیا اب مجرد ہوا غلام سب آزاد اور کتبخانہ وقف ہے اسکے بعد پلنگ پر تشریف لیگئے۔ حاضرین نے گزارش کی کہ وصیت کرنی چاہیئے اور کوئی خلیفہ مقرر کرنا چاہیئے۔ اتنا سنتے ہی منہ پھیر لیا اور قبلہ رو ہوگئے۔

مولانا نصیر الدین پدہری نے جرات کرکے جب دوبارہ یاددہانی کی تو اسوقت ہندی الفاظ مین کہا (منجہ مت بلاؤ) یعنی مجھے مت بلواؤ۔

شمس الدین فضل اللہ نے جب یہ کیفیت دیکھی سب سے کہا چپ رہو۔ چھوڑو یہ موقع نہین ہے۔ غرض آپ نے اپنی جگہہ کسی کو تعین نہین کیا اور خلیفہ نہین بنایا اور اسوقت تحریر کرنے کی اجازت [illegible] پر نہین دی۔ وکفی بالعبد شہیداً

حالت بیماری مین بزرگون اور محرم راز خادمون سے بھی کہا تھا کہ مین خلافت کی لیاقت کسی مین نہین پاتا ہون۔ جب دوسری نماز (عصر) کا وقت آیا۔ اُس وقت تھوڑی دیر غشی طاری رہی۔ وقت تنگ ہونے لگا۔ خواجہ شہاب الدین اور مولانا عزیز الدین امام وغیرہ سرھانے آئے۔ خواجہ صاحب نے پائے مبارک پکڑ کر عرض کی۔ مخدوم نماز کا وقت آگیا ہے نماز کا نام سنتے ہی ہوش مین آئے اور کسی خادم یا تکیہ کے بغیر مدد چارپائی پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد مصلے پر اُتر آئے۔ اور نماز پڑھی اور بعد ادائے فرض سر سجدے مین رکھکر ۲۵ ربیع الاول سنہ ۱۱۶۶ ہجری یکشنبہ کے دن جان شیرین اُس جان آفرین کو سونپی +

إنا للہ و إنا الیہ راجعون۔ خادمون نے دوسرے روز ۲۶ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دفن کیا۔

قطعہ تاریخ وفات حضرت سید زین الدین صاحب قدس سرہٗ از نتیجہ فکر منشی عبد الغنی صاحب صیغہ دار تحصیل خلد آباد متوطن سرائے ٹھین ضلع بارہ بنکی

روز شد تیرہ چو شب در دیدۂ اہل شہود	چاک زد چون گل قبا در باغ گیتی ہر وجود
عالمے را ہمچو سنبل شد پریشانی ازان	شاہ زین الدین صاحب کوچ از دنیا نمود ۷۷۱ھ

ایضاً از رنگین کلام منشی عبد السلام صاحب نقلنویس محکمہ ضلع اورنگ آباد و ساکنہ خلد آباد

چو زین الحق قدوہ یاے عرفان	مرید خاص شاہنشاہ برہان
بحق پیوست تاریخش خرد گفت	ہمہ قطرہ بحق واصل شد انسان ۷۷۱ھ

عرس

ربیع الاول کی اکیس سے عرس ہوتا ہے۔ اکیس چونا۔ بائیس فراشان۔ چوبیس کی شب کو صندل۔ پچیس کی شب چراغان اور چھبیس کی شب کو ختم ہوتا ہے۔ مولود خوانی۔ صندل روشنی۔ قوالی وغیرہ وغیرہ حضرت منتجب الدین اور شیخ برہان الدین اولیا صاحب کے اعراس کے موافق ہوتی ہے۔ زائرین کا مجمع برہان الدین اولیا صاحب کے عرس سے زیادہ اور منتجب الدین صاحب کے عرس سے کم ہوتا ہے۔ زائرون مین البتہ اسقدر زیادتی ہوتی ہے کہ حضرت منتجب الدین صاحب اور شیخ برہان الدین اولیا صاحب کے خلاف دھوم دھڑکا کر دن ہی کو درگاہ مین واپس آتے ہین اور سید

زائرین مین

زین الدین صاحب کے یہان کا غلاف اگرچہ چار پانچ بجے ست کنڈے سے واپس لایا جاتا ہے۔ لیکن اسکو حضرت خواجہ حسین اور خواجہ محمود صاحب کی درگاہ مین (جو قصبہ سے باہر جانب شمال ہے) رکھ دیتے ہین۔ مغرب کے بعد روشنی اور نوبت و نقارے اور ہجوم سے لاتے ہین۔ خلد آباد کے عرسون مین سید زین الدین صاحب کے عراشنون کی رسم آخر بھی باقی ہے۔ اس لیے زایرین اور خدامان درگاہ جات بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ خلد آباد کے تمامی مسلمان مرد اسمین شریک ہوتے ہین۔ شاید فیصدی دس باقی رہجاتے ہون تو رہجاتے ہون۔ ست کنڈے پر ایک دھوم دھام اور رنگون کا اژدحام دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ قطع نظر رنگون کی تقلید کے دنیاوی نظر سے بہت بھلا معلوم ہوتا ہے خصوصًا ایسے وقت مین جبکہ پانی کی کچھ کچھ بارش پڑی ہو کنڈون پر بوڑھے بچے۔ اور جوانون کا بیساختگی سے غوطہ زن ہونا۔ اچھلنا۔ کودنا پھاندنا حیرت انگیز تماشا دکھاتا ہے۔

ختم خواجگان چشت

درگاہ کے حوض والے احاطہ کے تہرے دالان کے سامنے ایک شامیانہ ایستادہ کیا جاتا ہے جس کے نیچے ختم خواجگان چشت اہل بہشت پڑھا جاتا ہے۔

جس شب کو یہ ختم ہوتا ہے اس کے شام سے گیارہ بجے تک نوبت نواز اپنی استادی جتاتے اور ماہرین فن انکی داد دیتے رہتے ہین۔ نوبت موقوف ہوتے ہی شامیانے کے نیچے فرش بچھایا جاتا ہے اور قصبے کے تمامی مسلمان اپنے اپنے ہاتھون مین ملیدی اور شیرینی کی بڑی بڑی رکابیان لیئے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ جاتے

مین فاتحہ شروع ہوتے ہی مالیدے والے اُن چراغون کو جو آٹے کے بنے ہوئے اور انپر گھی اور بتی پڑی ہوئی مالیدے پر رکھے ہوئے ہوتے ہین روشن کرنا شروع کرتے ہین اور ختم تک کسی چراغ کو بجھنے نہین دیتے۔ مالیدے پر چراغون کے علاوہ پھولون یا رنگین دھاگون کی بدہی بھی رہتی ہے۔ فاتحہ ختم ہوتے ہی ہر شخص بدہی کو گلے یا سر مین ڈال لیتا ہے اور شیرینی یا مالیدہ بطور تبرک تھوڑا تھوڑا تقسیم کرتا ہے۔ ادہر یہ تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ دوسری طرف قوالی شروع ہو جاتی ہے گانیوالے اکثر خیرآبادی کے ہوتے ہین جن مین نقتی قوم کا طرز غنیمت ہے دو تین بجے راگ کی مجلس ختم ہوتی ہے اور وسط شامیانے مین ایک منبر شمال رویہ رکھا جاتا ہے۔ اور مجاور یا متولی درگاہ اُسپر بیٹھکر ختم شروع کرتا ہے اس مین کلام نہین کہ یہ ختم اقلیم ہند کے تمام ختمون سے نہایت آداب و القاب اور بہتر طریقہ سے پڑھا جاتا ہے طوالت کے سبب سے ہم اسکو یہان نہین لکھتے ہین۔ شائقین اگر سننے کے آرزومند ہین تو حضرت سید زین الدین صاحب کے عرس پر حاضر ہو کر سن سکتے ہین۔

عام لوگ خاص ہون یا زائر شام ہی سے تھوڑی اجواین دم کرانیکے لیئے اپنے پاس رکھتے ہین۔ ادہر پڑہنے والے نے ختم کیا آدہر اجواین کی پوٹلیان لوگون نے بڑہائین۔ اتنے بڑے مجمع مین بھلا وہ بیچارہ کہان تک دم کریگا۔ اول تو وہ تین چار گھنٹے پڑہتے پڑہتے بدحواس ہو جاتا ہے دوسرے پوٹلیون کی بھرمار چھو چھو کرتے کرتے آدہی جان رہجاتی ہے۔

تیسرے بوڑہے بچے۔ جوانون کی یورش۔ غرض عجیب ہولناک سمان طاری ہو جاتا

ہے۔ زیادہ تر مصیبت یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ وہاں تک نہیں پہونچ سکتے وہ اچواین کو اپنے کپڑے میں باندھکر دور ہی سے منہ پر مارتے ہیں اور کپڑے کے دوسرے سرے کو ہاتھ میں مضبوط پکڑے رہتے ہیں اور جب تک کامل اطمینان اُن پر دم ہونیکا نہیں ہو لیتا ہے۔ برابر پوٹلی پھینکتے رہتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ غنیمت ہوتا ہے کہ ختم شروع ہوتے ہی خداموں میں سے چند جوان موٹے تازے قوی منبر کے گرد حفاظت کے لیئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ حتی الامکان کسی کو نزدیک پھٹکنے نہیں دیتے۔ اگر یہ محافظ اپنی پوری قوت سے کام نہ لیں تو ختم خوان بجائے دم دینے کے اپنا دم خود ہی چھوڑ دیں۔ کچھ یورش کم ہونے کے بعد ہی محافظ خاتم کو حلقے میں لیئے ہوئے اور مجمع ہٹاتے ہوئے بہزار دقت تیسرے دالان کے اس حصے میں جس مقام پر دالان کی تاریخ کندہ ہے لاتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی وہ ریلا ہوتا ہے کہ العظمۃ للہ۔ تھوڑا ہی دم لینے کے بعد اُسیطرح سے قریب کے اُس دالان میں جسکو ہمیشہ آئندہ چلکر کشمیری صاحب کیطرف منسوب کیا ہے لیجاتے ہیں۔ گو فاصلہ ان دونوں دالانوں کا تین چار قدم سے زیادہ نہوگا لیکن جسوقت سے وہاں تک پہنچتے ہیں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے خدا خدا کرکے جب دالان مذکورہ میں پہونچے تب بھی لوگ ہیں کہ کودے پڑتے ہیں۔ اس کے بعد پھر اسکو حضرت سید زین الدین صاحب کے آستانے پر لیجاتے ہیں۔ آستانے پر پہونچتے ہی پناہ کی صورت نظر آتی ہے اور بدیر بیچارے خاتم کے حواس درست ہوتے ہیں۔ صبح کی نماز کے وقت تین چار گھنٹے کے بعد یہ ختم اختتام کو پہنچتا ہے۔ ختم ختم ہوتے ہی موذن نے اذان دی اور نماز جماعت سے

پڑھی گئی - بعد فراغ نماز سب لوگ فاتحہ آخر پڑھکر رخصت ہوتے -

کچھ دنون پیشتر یہ ختم قادر بخش صاحب مجاور اور کریم الدین اور بدرالدین صاحب فارسی نویس اور حافظ زین الدین صاحب متولی یکے بادیگرے پڑھتے رہے اور اب تو کئی سال سے حافظ محمد ارشد بن حافظ زین الدین صاحب متولی پڑھا کرتے ہین - بہت سامعین اگرچہ سلطان بخش مجاور مرحوم سے کلام پڑھا تھا - خود [illegible] ہین سے جنکے بچپن کو ختم پڑھنے کا طریقہ یاد ہے - لیکن جس فصاحت اور بلاغت کے حافظ محمد ارشد صاحب پڑھتے ہین دوسرا نہین پڑھ سکتا - بہ نسبت دوسرون کے اُنکی علمی لیاقت اور یہان کی تاریخی معلومات اچھی ہے - سید زین الدین صاحب کے ارادتمندون مین بہت سے مُرید شمار کیئے جاتے ہین لیکن اُن سب مین میر حسن صاحب مؤلف ہدایت القلوب اور خواجہ عیسٰی رومی اور صدرالدین مفتی اور ملک راجہ والی خاندیس کا نام خصوصیت سے لیا جاتا ہے - تاریخی شہادت سے بھی ان ہی صاحبون کے متعلق مریدی کا ثبوت ملتا ہے - سید زین الدین صاحب کے آخر وقت کے [illegible] دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مرید کو خلافت سے سرفراز نہین کیا لیکن محمد قاسم صاحب نے لکھا ہے کہ ملک راجہ کو اپنی عین حیات مین خلافت عنایت کی - میر حسن صاحب نے سید زین الدین صاحب کے ملفوظات کتاب کی حیثیت مین جمع کر دیئے ہین اور اُس کا نام ہدایت القلوب رکھا ہے ہم اُسی سے چند

---

[1] میر حسن صاحب جنکا مزار لنگ مین ہے اور سید زید یوسف مع برادر مسمی عبداللہ جنکو قبور قاضی کو حوض پر ہین اور غلام حسین صاحب جو پُرانی کچہری مین مدفون ہین اور خان بی بی صاحبہ جنکی قبر گنبد والے احاطہ مین سنگ مرمر کی چار دیواری کے اندر ہے حضرت سید زین الدین صاحب کے مریدون مین مشہور ہین - ۱۲

اقوال یہانپر نقل کرتے ہین۔

اقوال

خداکے طالب دو طرح کے ہین۔ ایک طالب دُنیا۔ دوسرا تارک دنیا۔ جو طالب دنیا ہو اُسکو چاہیے کہ حاجت سے زیادہ نہ لے اور جو پیدا کرے حلال پیدا کرے۔ اگر وہ مجرد ہے تو کسی محتاج کے ساتھ کھاوے قال علیہ السلام طعام الواحد یکفی اثنین۔ اور اگر عیالدار ہے اُسکے موافق حاصل کرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناجات کی اللھم الرزقنی کفافاً۔ اور جو تارک دنیا ہے وہ دو طرح پر ہے ایک ضعیف اور دوسرا قوی۔ ضعیف وہ ہے جب تک طاقت رہے۔ صبر کرے اور جب طاقت نہ رہے اُس سے طلب کرے جو خدا کیواسطے تارک ہوا ہے اور کسی سے اُمید نہین رکھتا ہے۔

قوی وہ ہے کہ خدا سے بھی طلب نہ کرے اور اگر خدا کیطرف سے فتحیابی ہو مبتدی کو ہرگز مناسب نہین کہ لے اور متوسط کو بھی نہ لینا اچھا ہے البتہ کامل کو لینے کی اجازت باذن اللہ یا بامر اللہ یا بہ تعریف اللہ ہوتی ہے۔

فقیر جب تک کم نہ کھائے کم نہ سوئے۔ کم نہ بولے اور مخلوق کا ظلم نہ اُٹھائے کامل نہو دنیا کے کام مین اپنے سے کمتر کی اور دین کے کام مین اپنے سے بہتر کی متابعت کرنی چاہیے۔

نصیحت تین طرح پر ہے۔ نصیحت۔ فضیحت۔ خصومت۔ اگر تنہائی مین کیجائے نصیحت ہے۔ برملا کیجائے فضیحت ہے اور اگر صریح کیجائے خصومت ہے۔

جو لوگ دُنیا کی طلب مین حرص و ہوا کے گرد دوڑتے ہین وہ تیلی کے بیل کے

نا نہین عشاق جنکے پردے اُنکی آنکھون پر پڑے ہوئے ہین وہ ہمیشہ یہین کہ ہمیشہ ایک سا وصل کی ہے جیسا کہ جب اُنکی آنکھون سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے خود کو اُسی جگہہ پر پاتے ہین جہان سے چلے تھے ۔

ایک شخص نے پوچھا کہ کسی شیخ کی مرید ہونے کے بعد پیر کو راہ باطل پر پایا تو وہ مرید دوسرے سے بیعت کر سکتا ہے یا نہین جواب دیا کہ اُسکو فرض ہے کہ دوسرے سے بیعت کرے جیسا کہ کوئی شخص کسی سمت نماز پڑھتا تھا جب اُسکو معلوم ہوا کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو اُسکو اُس طرف نماز پڑھنی جائز نہین ہے ۔

جو شخص زیادہ دانا اور زیادہ توانا ہے وہ ابتلا کے حق مین زیادہ راضی اور زیادہ شاکر ہوتا ہے ۔

از تو مبارک کہ گر با قرب نشینیم
بینی کہ چشم وہم ز نادیدہ بلاے ما
دامن بدست یوسف مصری فشاندہ ایم
اینست بیقراری ما گر شناسے ما
تا چند بیم تحسین دہ یکشم دوست
کس را چہ بار و چون نرسد در قضاے ما

گفتہ بہر نصیب کہ تا حسن کشم
گر تیغ بیش بین زند کبریاے ما

جو قناعت کو ترک کرتا ہے حرص مین مبتلا ہوتا ہے اور شیطان اُسکو سنگ فلاخن بنا کر جیدھر چاہتا ہے ادھر اُڑاتا ہے ۔

کہتے ہین کہ یہ عالم عالم اسباب ہے اور آدمی دو طرح کے ہین بعضے اسباب پر نظر رکھکر کوئی پیشہ یا تجارت کرتے ہین یا جاگیر رکھتے ہین اور سمجھتے ہین کہ اگر

یہہ اسباب نہون تو ہم پریشان اور ہلاک ہوجائین۔ اور اسی اسباب کے حصول مین تمام عمر صرف کردیتے ہین یہ لوگ عوام سے ہین۔

دوسرے اسباب پر نظر نہین کرتے بلکہ مسبب الاسباب کو دیکھتے ہین۔ پس اگرچہ دونون گروہ روزی کو سبب سے کہاتے ہین لیکن جس گروہ کی نظر اسباب پر ہے وہ محجوب ہے۔ اور جسکی نظر مسبب الاسباب پر ہے کوئی سبب اُس کا حجاب نہین ہوتا

درگاہ

سید زین الدین صاحب کی درگاہ کئی احاطون پر تقسیم ہے جس احاطے مین گنبد ہے اُسکا فرش سنگ سُرخ کا ہے۔ گنبد کے اندر شمالی دیوار پر قبر کے سرھانے لکڑی کے تختے پر طغرا خط مین بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اُس کے نیچے اُسی خط مین ہے

این بارگاہ خدایگہ شیخ زین دین است	خورد کہ حقیقت سلطان راستین است

اور اسکے نیچے ۵ اشعار کندہ ہین چونکہ تختہ صندل سے کہرا ہوا ہے اسلئے اشعار کے بعض بعض الفاظ صاف طور سے نکل نہ سکے۔

کتبہ بربالین مزار
حضرت سید زین الد
صاحب قدس سر

این بارگاہ خدایگہ شیخ زین دین است	خورد کہ حقیقت سلطان راستین است
این آستان مطلع ایوان مہر و مہ است	وین گنبد منور شاہنشہ یقین است
شاہنشہی کہ قبلۂ اُمید خلق بود	امروز نیز کعبۂ حاجات مستعین است
ہر حاجتے کہ داری اینجا شود روا	کانجا نہفتہ دولت و اقبال در کمین است
بےغم بود ز دہر و دور روزگار	آنرا کہ خاک روضۂ او صندل جبین است

۶ آن روضہ مبارک برہان اصفیاست	این روضہ شمل مجمع بحرین دو جہین است
۷ رو پاک شود جبہ گناہان درین دو بحر	کانام خضر مقصد موسی ہم اندرین است
۸ ہرگز بدریائے گم نہ کند راہ دین انکہ	دو قطب رہنمائے بیکجائے ہمنشین است
۹ چون ـہ . . . . خواجگان چشت	دین خواجۂ محقق شیراز چون نگین است
۱۰ تاریخ بود ہفتصد و ہشتاد و یک زسال	کین جان خستہ باغم ہجران او قرین است
۱۱ نقشش بہ بیست و پنج شد از اول ربیع	بابست و ششش نقش این گنج در زمین است
۱۲ روز بنائے دہر بوقت آوائے عصر	در سجدہ جان سپرد کہ عشاق راہ این است
۱۳ این روضہ کہ راست شد اندر سحر صیام	دار الامان است بانی این خادم امین است
۱۴ آمین ز استراق شیاطین این سپہر	چون چاوش ستارہ ثاقب شہاب دین است
۱۵ اے معدن کرم نظرے کن روز و شب	حامد . . . وشن در ہجر تو حزین است

گنبد کے سامنے سنگ سپید کے پتھر اور گنبد کے باہر شرقی دیوار میں نو دس فٹ کی بلندی پر اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوفٌ عَلَیہِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ ؕ اور اسکے نیچے گنبد کی تاریخ کندہ ہے۔

تاریخ گنبد

الیداعلی

۱ این قبۂ معظم سلطان اولیا است	کز باب پیمبر و برہان انبیا است
۲ قطب المدار غوث الاسلام زین دین	آن کو بحق خلیفہ برہان اصفیا است
۳ داؤد بن حسین زہے کز طفیل او	اقبال و بخت بندۂ نیکان این سرا است
۴ آئین یار چار شاہست تا خلق روز و شب	آید امیدوار کہ ایوان بار جا است

ـہ بعضون سے اسکو (چون خلیفہ است سلسلۂ خواجگان چشت) پڑھا ہے - ۱۲

وارد چو شد بروضه ازان زینت دہا   خواجہ شہاب آمد و بنیاد با بہاست
از سال نقل خواجہ و بنیاد مقبرہ   ہفتاد و ہفصد و یک بنیان باجراست
واگو . . . . تاریخ عمر شد   نظم بکار ہند کہ عنوان سرکشاست

خواجہ شہاب الدین جنہوں نے گنبد تعمیر کرایا وہی ہین جو سید زین الدین صاحب کے ساتھ وطن سے ہجرت اور بیت المقدس سے دہلی اور دہلی سے دولت آباد آئے تھے۔ افسوس ہے کہ کسی نے انکی قبر کا نشان بھی نہ بتایا۔

گنبد والے احاطے کے ہر چہار گوشون مین چار حجرے لداؤ کے ہین۔ گوشہ شمال اور شرق کے حجرے مین پیراہن شریف اور گوشہ شمال اور غرب اور گوشہ شرق اور جنوب کے حجرون مین درگاہ کا سامان رکھا ہوا ہے۔ چوتھا حجرہ گوشہ جنوب اور غرب مین ہے۔ لیکن اسکا دروازہ خدا جانے کس مصلحت سے دوسرے احاطے مین رکھا گیا ہے۔ اس احاطے مین مولسری کے چار درخت اور ایک بیل چنبیلی اور اسی کے قریب آم اور پشت گنبد پپیلی کا درخت ہے۔

گوشہ جنوب و غرب مین شاہ محمد محی الدین اورنگ زیب کی قبر ہے۔

گنبد کے پائین شرق مین شمس الدین بن فضل اللہ اور مولانا تاج الدین احمد اور مولانا محمد صاحب کے قبور مین۔ جنکا عرس ۲۶ ربیع الاول کو ہوتا ہے ان حضرات کی قبرون کے پورب ایک چار دیواری سنگ مرمر کی ہے۔ اس چار دیواری کا دروازہ جانب جنوب احاطے کے اندر اور ایک دروازہ اور دو کھڑکیان احاطے کی شرقی دیوار مین ہین۔ چار دیواری مین خاتون بی بی صاحبہ بیٹی حضرت سید زین الدین قدس سرہ اور شاہزادہ عظیم الشان بہادر اور انکی بیگم صاحبہ کی قبر ہے۔ عظیم الشان اور انکی

بی بی کی قبر کا تعویذ سنگی ۔ حجرہ کا سبب خادمان بی بی صاحبہ کا عرس شعبان کی اکیس کو ہوتا ہے ۔

حجرہ

سنگ مرمر کی چار دیواری کے شرقی دروازے سے نکلکر دوسرے احاطے مین داخل ہوتے ہین جسکو یہان کے لوگ حجرہ کہتے ہین ۔ اس حجرے کا احاطہ گنبد کے احاطے سے فرو پست ہے ۔ شرقی دروازے سے نکلتے ہی شمالاً و جنوباً عظیم الشان بہادرون کے لڑکون کی قبرین ہین نشانات سے پایا جاتا ہے کہ ان معصوم بچون کی قبرون پر سائبان بنا ہوا تھا ۔

یہ حجرہ تین قطعون پر منقسم ہے ۔ بیچ کا قطعہ اِدھر اُدھر کے قطعون سے بڑا ہے اس قطعہ مین تین تین کمانون کا دوہرا دالان اور اس دوہرے دالان کے شمال و جنوب قریب ہر دو تین تین کمانون کا ایک ایک دالان ہے اور ان شمالی و جنوبی دالانون کے متصل ایک ایک حجرہ ہے جو دوہرے دالان تک کے پچھلے درجے سے ملا ہوا ہے ۔

شمالی قطعہ

اِس قطعہ مین پورب طرف تین کمانون کا دالان غرب رویہ اور اسی مین ایک دروازہ باہر جانے کیلئے ہے ۔ پچھم ایک حجرہ اور حجرے سے ملی ہوئی اس حجرے کی پشت ہے جسمین پیر ان شریف ہے ۔

جنوبی قطعہ

یہ احاطے کا تیسرا قطعہ ہے ۔ پورب طرف تین کمانون کا ایک دالان غرب رویہ اور جنوبی دیوار سے ملا ہوا زینہ اور گوشہ جنوب و غرب مین دروازہ ہے ۔ حجرے کے

ہر سہ اطراف سے اُن دالانون کو جنکے سامنے پردہ دار جعفری ہوتی ہین اور ام ثابت
گنبد والے احاطے کی غربی دیوار مین بھی ایک دروازہ ہے جسکے غرب تسبیح خانہ ہے
چونکہ اسمین ہر روز ختم قرآن پاک ہوتا ہے جسکا ثواب اورنگ زیب کی روح پر
فتوح پہنچایا جاتا ہے اس سبب سے اسکو تسبیح خانہ کہتے ہین۔ تسبیح خانے کی عمارت زیادہ
وسیع نہین ہے شمال مین ایک سہ دری اور غرب رویہ دو سہ دری ہے جسکے شمال
ایک حجرہ بھی ہے۔ شمالی دالان سے غربی دالان بلندی پر ہے جنوب مین
ڈیوڑھی اور گوشۂ جنوب و شرق گنبد والے احاطے مین شاہ اورنگ زیب
کی قبر ہے۔

تسبیح خانہ

ابو المظفر اورنگ زیب غازی انار اللہ برہانہ

اورنگ زیب کی خانہ جنگیان اور فتوحات ملکی اگر بتفصیل لکھی جاتین تو کئی ضخیم جلدین تیار ہو سکتی ہین۔ لیکن ان قسم کے واقعات سے اس کتاب کو کچھ واسطہ نہین ہے۔ اس لیے ہم چند ضروری باتین ترتیب وار قرابت کی وجہ سے قلمبند کرتے ہین۔

۱۵ ذیقعدہ کی گیارہ تاریخ سنہ ۱۰۲۸ ہجری کو گجرات مین پیدا ہوا۔ شاہزادگی کے زمانے مین بیشتر برہانپور اور خاندیس مین رہا کیا۔ چونکہ زمانے دراز تک دکن کی فوج پر سپہ سالاری کرکے متواتر فتوحات حاصل کرتا رہا لہذا وہ سب تمام بھائیون سے زیادہ تجربہ کار اور قاعدہ دان جرنیل ہو گیا تھا۔

۱؎ سنہ پیدائش آفتاب عالمتاب ہے ۱۰۲۸ - ۱۳

وجیہ۔ خوبصورت۔ ہوشیار۔ عقیل۔ شجاع۔ فن سپہگری مین چست۔ متشرع۔ مدبر۔ بیدار مغز۔ متقی۔ پابند مذہب۔ عالم باعمل۔ عامل زبردست۔ ہمیشہ تلاوت قرآن مین مصروف اور مذہب کے فروغ دینے مین دائم ساعی اور مصیبت جھیلنے کا عادی تھا۔ تقریر دلپذیر اور تحریر بہت بانکی ہوتی تھی۔ خاندان مغلیہ پر کیا منحصر ہے۔ ہند کے مسلمان بادشاہون مین اس تدبیر اور جفاکشی اور ہمہ صفت موصوف بادشاہ کم ہوا کیا ہے گزرا ہی نہین ہے۔

ذی قعدہ سنہ ۱۰۶۹ ہجری کی پہلی تاریخ کو چالیس برس کی عمر مین تخت سلطنت پر متمکن[1] ہوا۔ چاہے ایام شاہزادگی مین کوئی وقت عیش سے بسر کیا ہو لیکن تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد تمام عمر لڑنے بھڑنے مین گزری۔

ذیقعدہ سنہ ۱۱۱۸ ہجری کی ۲۸ تاریخ کو پچاس برس دو ماہ ۲۸ روز سلطنت کر بعد احمدنگر مین وفات[2] پائی۔ دوسرے روز شاہزادہ اعظم شاہ نے نعش کو خلد آباد روانہ کیا اور خود بھی ساتھ ہوا۔ امرا مین حمیدالدین خان شاہزادے کو ساتھ تھے۔

مشہور ہے کہ اعظم شاہ نے اپنے باپ کے متواتر عرس بذات خود نہایت شان و شوکت سے کئے اور نواب حمیدالدین خان کئی سال تک قبر پر جاروب کشی کرتے رہے۔

---

[1] ظل حق سے تخت نشینی کا سن نکلتا ہے۔
۱۰۶۹

[2] عالمگیر از جہان رفت۔ نور دہم و رحمت حق۔ جنت نعیم۔ آفتاب عالمتاب۔ رفت از جہان
۱۱۱۸ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹
پادشاہ دلی۔ مغفرتہ۔ سن وفات کے مادے ہین۔
۱۱۱۸

ہمارے سرکار عالی مدظلہ العالی (خدا اُنکی عمر مین برکت دے۔ اور اقبال مین ترقی کرے۔ دشمن پامال۔ بدخواہ سرگردان ہین) کیطرف سے کئی موضع اخراجات عرس اور اخراجات شاہی قایم رکھنے کے لیئے وقف ہین۔ اگرچہ مواضعات خالصے مین شریک ہوگئے ہین لیکن انکا محاصل ماہانہ ملا کرتا ہے۔ روزانہ اخراجات اور مصارف کے حساب و کتاب کے لیئے خاص ایک کچہری قدیم سے ہے جسکا نام بلغور ہے۔ لنگر کے اجمالی واقعات ہمنے پہلے بتلائے ہین۔

اورنگ زیب کی قبر سادی اور خام ہے۔ قبر پر چوبدار ہر وقت احتراماً حاضر رہتے ہین جب کوئی معزز زایر زیارت کو آجاتا ہے تو نقرئی اور طلائی سامان سے جو بلغور مین رہا کرتا ہے قبر کی زینت کردیجاتی ہے معزز زایر کی حاضری کیوقت چوبدارونکا باواز بلند (نگاہ روبرو اور باادب وغیرہ وغیرہ) کہنا اورنگ زیب کی عظمت اور جلال کو ازسرنو یاد دلاتا ہے۔ مین نے جہان تک دیکھا اب بھی اورنگ زیب کی قبر سے (اگرچہ سادہ ہے) وہ ہیبت طاری ہوتی ہے کہ اسوقت کے جلیل القدر بادشاہون مین وہ رعب نہین ہے۔ میرے خیال مین زندگی کے علاوہ مرنے کے بعد بھی جو عزت اور توقیر اورنگ زیب کو ہوئی۔ ہند کے کسی بادشاہ کو یہ بات حاصل نہین ہوئی۔ روزانہ چوبدارون کی حاضری۔ قرآن پاک کا ختم ہونا لنگر کا جاری رہنا۔ یہ سب باتین اُسکے احترام کے لیئے کم نہین ہین۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سب ہمارے حضور پُرنور۔ فیاض زمان۔ حاتم دوران۔ مظفر الملک فتح جنگ ہز ہائینس نواب میر محبوب علیخان بہادر دام اقبالہ کی فیاضی اور سخاوت کا باعث ہے۔ ورنہ دوسرے مقامات پر دوسرے سلاطین کا کوئی پرسان حال نہین ہے۔ خداوندا تو ہمارے آقا کے

ولی نعمت بندگانعالی مد ظلہ العالی کو سلامت رکھ - آمین ؎

دوست شادان مدعی برہم رہین مانند زلف

نقش بند کاف و نون حامی رہے ہر ہر زمان

ہوا مکان کی ڈیوڑھی سے ملا ہوا حضرت امیر حسن مؤلف ہدایت القلوب کا مزار ہے ڈیوڑھی اور میر صاحب کی قبر کے پچھم گنبد خورد ہے - میر صاحب کا عرس ۲۷ ربیع الاول کو ہوتا ہے ڈیوڑھی سے ملا ہوا پورب طرف چھوٹا سا ایک سہ درہ لال پتھر کا ہو گنبد کے احاطے کی جنوبی دیوار مین اندر سے دو راستے اور باہر سے ایک دروازہ مشہور بہ درچاک ہے - درچاک کے آگے تین کمانون کا دالان ہے جسکے باہر بیچ کی کمان پر بسم اللہ الرحمن الرحیم اور کلمہ طیبہ اور سنہ ۱۱۹۲ھ لکھا ہوا ہے غالباً یہ دالان اِسی سن مین تیار ہوا ہوگا - درچاک والے دالان کے ہر دو طرف شرقاً و غرباً دو دالان بنے ہوئے ہین جسمین خدام درگاہ بیٹھے رہا کرتے ہین - خدامون کی زیادہ تر نشست غربی دالان مین رہتی ہے - پورب کے دالان مین ایک عرصے سے حاجی رمضان خان صاحب کشمیری (جنکو تاریخ کے ورق لکھنا چاہیئے اور جنہون نے اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ سیاحی مین گزارا ہے) مقیم ہین - یہ صاحب کشمیر - سری نگر - ضلع زین قدل محلہ دری بل کے رہنے والے ہین - پہلے صاحب ممدوح کا شمار نامی تاجرون مین تھا - گردش فلکی اور دور زمانے سے ایسے اسباب پیش آئے کہ تجارت کا سلسلہ شکست ہوگیا اب تجارت مسدود ہونے پر سیاحی اختیار کی ہے - ایشائی ملکون مین ایسا مقام کم ہوگا جس مقام کی سیر حاجی صاحب نے نہ کی ہو - ملک شام کے اکثر شہرون مین زیادہ قیام رہا ہے - مدینہ طیبہ - بیت اللہ - بیت المقدس - بیت اللحم

۲ کلمہ طیبہ اور مرتب شد در سال ۱۱۰۲ سنہ ہجری

حاجی رمضان خان
کشمیری

بغداد شریف اور نیز دیگر متبرک مقامات سے شرفیاب ہو چکے ہین۔ نہایت سیر چشم۔ مسافر نواز جفاکش۔ مزاج مین صفائی بہت ہے۔ اردو۔ فارسی۔ ترکی۔ پشتو۔ عربی زبانین جانتے ہین کشمیری اورکی زبان ہے۔ وضع اکثر ترکی رکھتے ہین۔

ایک پتھر کا گنبد

یہ دالان جو حاجی صاحب کیطرف منسوب ہے اُسکی شرقی دیوار کے جنوب رُخ ذرا بلندی پر چھوٹے پتھر کا ایک گنبد بنا ہوا ہے اور یہ ہاتھ بھر کا گنبد دہقانی زایرین اور جاہلون کی زیارت کے لیے شاہد معتبر ہے۔ وہان کے لوگ جب خلدآباد کے بزرگون کی زیارت کر کے گھر واپس جاتے ہین تو جو لوگ پہلے یہان کے بزرگون کی زیارتون سے شرفیاب ہو چکے ہین۔ اس نئے زایر سے دریافت کرتے ہین کہ تو نے کن کن مقامات کی زیارت کی اور کون کون سی چیزین دیکھین اگر اس نے اس گنبد کا پتہ دیدیا تو وہ سمجھتے ہین کہ یہ پکا زایر ہے ورنہ اُسکی زیارت کو معتبر نہین خیال کرتے۔ حضرت منتجب الدین صاحب اور حضرت برہان الدین اولیا صاحب کی درگاہ مین بھی اسی قسم کی صناعیان ہین اس لیئے اکثر دہقانی بعد زیارت انکو تلاش کر کے دیکھتے ہین اور خدام درگاہ بتا دیا کرتے ہین۔ درچاک کو ہر سہ دالان کے سامنے بڑا احاطہ ہے۔ اس احاطے کی شمالی حد ہر سہ دالان مذکورہ اور ڈیوڑھی خلدمکان اور سہ درہ سنگ سرخ معروف بہ آبدار خانہ اور گنبد خورد سے محدود ہے۔ گنبد خورد مین ایک دروازہ اندرون احاطہ جانب جنوب اور دوسرا بیرون احاطہ جانب غرب ہے۔ احاطے کے غربی حد پر ایک مسجد دو درجے اور دو منزل کی ہے یہ مسجد اکبر مشہور ہے۔ مسجد اکبر کے پچھلے درجہ کے شمال دو حجرے نیچے اوپر ہین نیچے کے حجرے کا دروازہ گنبد خورد کے غربی دروازے

احاطہ کلان

سکے پائین شمال رویہ اور اوپر کے حجرے کا دروازہ شرق رویہ ہے گنبد خورد کے اندرونی دروازے کے پاس ایک زینہ ہے اُسی سے اوپر والے حجرے مین جاتے ہین۔

مسجد اکبر

یہ مسجد خلدآباد کی تمام مسجدون سے وسیع اور خوبصورت ہے۔ اسکا فرش سیاہ پتھر کے مربع ٹکڑون سے بنایا گیا ہے۔ کمانین اس مین پانچ اور درجے دو ہین چونکہ مسجد کے نیچے ٹھیک ٹھیک اسی قسم کے دو درجے اور ہین لہذا اُس اعتبار سے یہ مسجد دو منزل کی ہے۔

اندرونی بیچون بیچ محراب پر (وکفی واعظًا بالموت اور بسم اللہ الرحمن الرحیم اور آیت پاک ؏ وکل امۃ اجل فاذا جاء اجلہم لایستاخرون ساعۃ ولایستقدمون ؕ سبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی والیہ یرجعون سنہ ۱۰۴۳ھ) کندہ ہے۔

اس کے سوا دوسرا کتبہ نہین ہے۔ مسجد کا صحن مسجد کی حیثیت سے چھوٹا ہے صحن مین ایک دروازہ شرق رویہ نیچے کے درجے مین جانے کے لیئے ہے۔

دروازے کی چھت مسجد سے اندازًا ایک بالشت نیچی ہے۔ دروازے کے شمال وجنوب سیڑھیاں ہین۔ صحن مسجد کے سامنے ایک حوض مربع اور دہ در دہ ہے۔

مسجد کے پچھلے درجے کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا ایک حجرہ ہے جس مین اب ایک سید صاحب رہتے ہین حجرے کے سامنے حجرے ہی کے طول اور عرض کے موافق چبوترہ ہے۔

روضے مین دو مسجدین ہین جن مین جمعہ کی نماز ہوتی ہے - ایک مسجد اکبر اور دوسری حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے گنبد سے پچھم طرف ہے ان مساجد مین کوئی امام مقرر نہین ہے جسکا جی چاہتا ہے آگے کھڑا ہو جاتا ہے خدام درگاہ کو ایسے بار گران اٹھانے کے لیئے انتخاب کر کے کوئی امام اور اسکا ایک نایب مقرر کر کے یہ شکایت دور کر دینی چاہیئے -

احاطے کی جنوبی حد مین سید صاحب کے حجرے سے تہرے والان تک (۱۲) کمانون کی ایک خانقاہ ہے جسکے ساتھ پچھم طرف ایک حجرہ بھی ہے - اس خانقاہ کی کمانون کو اگر پورب سے شمار کرین تو چوتھی کمان اور اگر پچھم کی طرف سے گنین تو آٹھوین کمان کے شمال تھوڑا ابڑھا کر دو منزلہ نقارخانہ بنایا گیا ہے جسپر ہر پنجشنبہ اور ایام عرس مین نوبت بجا کرتی ہے نقارخانے کے سہ درے پر شمال رویہ یہ کتبہ کندہ ہے -

کتبۂ نقارخانہ

زلطف شاہ زین الدین حقانی	آسیہ خانم بہ بیست ور خواجگانی
درین خانقاہ آل ختم رسل	این نقارخانہ بنا ساخت مانی
زہجرت ہزار و دو صد بست بود	بتولیت شیخ ابوالخیر فانی

کمان مذکورہ مین جنوب کیطرف جنوبی احاطے مین جانے کے لیئے ایک دروازہ ہے نقارخانے کی غربی خانقاہون اور حوض کے درمیان نو قبرین ہین اگر قبرون کو پچھم طرف سے شمار کیا جائے تو پہلے غلام حسین صاحب اس کے بعد انکی بیوی اور اس کے بعد سیدانی صاحبہ ہمشیرہ سید منصور صاحب اور اس کے بعد سید منصور صاحب صوبیدار بنگالہ اور انکی بیگم صاحبہ کی قبر ہے - سید منصور صاحب کی

بی بی کی قبر کے بعد صرف دو قبرون کے نشان بنے ہوئے ہین کوئی نعش دفن نہین ہے ان خالی قبرون کے بعد سکندر یار جنگ کی قبر ہے اور اسپر یہ کتبہ ہے عاقبت خانہ نواب سکندر یار جنگ بہادر تاریخ پنجم ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۲۳۳ھ مرتب شد۔ سکندر یار جنگ کی قبر کے پورب کسی خادم کی آرامگاہ ہے۔ خدا ان سب کی مغفرت فرمائے ان قبرون کے پاس آم کا ایک درخت ہے نقار خانہ کے شرقی خانقاہون کے سامنے پانچ قبرین اور کچھ درخت گلاب کے ہین۔

احاطے کی شرقی حد پر تین درجے کا ایک دالان ہے جسمین نو کمانین ہین۔ یہ تہرا دالان مشہور ہے۔ اسکی شمالی دیوار پر غرب رویہ پتھر کے دروازے کے متصل دالان کی تاریخ جلی قلم سے پتھر پر حرفون ابھری کندہ ہے۔ اس تاریخ مین بھی پتھر کے خام ہونے سے وہی نقص پیدا ہو گیا ہے جو ہر جگہ پیدا ہوتا آیا ہے تاریخ کے کل شعر (۶) تھے۔ بڑے غور اور فکر سے چار شعر پڑھے اور پانچوین شعر کا مصرعہ اولی پڑھا گیا ہے۔ جس پتھر پر یہ تاریخ کندہ ہے وہ محفوظ مقام پر نصب نہین کیا گیا ہے۔ اس لیئے بارش کے پانی سے بالکل گل گیا ہے گمان غالب ہے کہ چند ہی روز مین تاریخ کے باقیماندہ اشعار بھی مٹ جائینگے خادمان درگاہ کو تاریخ کے محفوظ اور قایم رکھنے کیواسطے جدید انتظام کرنا چاہیئے۔

تہرے دالان کی تاریخ

شاہ زین الدین چراغ چشتیان	مرقد پاکش غریق نوریان
در حریم روضۂ آن پاک دین	کرد عالی خانقہ معمور وان
شاہ منصور آنکہ با خلق متین	نام نیکش در جہان مشہوریان

بر سر عیش و عشرت تا ابد
چشم از سپہر خرد تاریخ جست
برهرا و دوستان معمور دان
. . . .

عرس مین اسی تہرے دالان کے سامنے شامیانہ نصب کیا جاتا ہے اور اُسی کے نیچے ختم خواجگان چشت ہوتا ہے جسکو ہم اوپر بیان کر آئے ہین مسجد اکبرادی شرقی و جنوبی دالان اور اسی احاطے کا حوض سید منصور صاحب صوبیدار بنگالہ کے بنوائے ہین۔

درگاہ کا جنوبی احاطہ

احاطہ مذکورہ کے علاوہ دوسرا احاطہ جنوب طرف ہے اور عرض و طول مین مذکورہ احاطے سے کم نہین ہے۔ البتہ اس احاطے مین ایک سہ درہ اور گنبد کے سوا اسوقت کوئی عمارت ایسی نہین ہے جو اس احاطے کی برابری کر سکے۔ اندرون احاطہ چند قبور سلاطین فاروقیہ برہانپوری اور خادمان درگاہ کے مزارات اور ایک درخت نیب اور ایک درخت بڑ کا ہے۔

اس احاطے کے گنبد سے نکلکر اگر بازار کا رخ کرین تو آٹھ دس قدم پر سیدانی جیو صاحبہ کے مزار کا چبوترہ ہے۔ چبوترے سے گوشۂ شرق اور جنوب مین دس بیس قدم کے فاصلے پر تحویلدار صاحب کی مسجد اور خاص جنوب (۲۰۰) قدم کے اندازے سے قاضی کے حوض کے قریب حضرت سید زینو یوسف صاحب کی قبر کی چاردیواری ہے چاردیواری مین سید زینو یوسف صاحب کے سوا ان کے بھائی سید عبداللہ بی بی رابعہ صاحبہ ہمشیرہ سید یوسف کی قبر ہے۔ بعضے یہ کہتے ہین کہ یہ مرقد حضرت سید محمد یوسف کی بی بی عصمت النسا کا ہے واللہ اعلم۔

حضرت سید زینو یوسف صاحب

انکا اصلی نام سید یوسف ہے - چہرہ سیاہ فام اور کسیقدر مکروہ تھا - سید زین الدین صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں ہمیشہ رہا کرتے تھے - ان کو اپنی کم روئی اور سیاہ فامی کا ہر وقت خیال رہتا تھا - ایک دفعہ اسی خیال میں حضرت سید زین الدین صاحب کے سامنے حاضر ہوئے کشف باطنی سے حضرت نے انکا خیال دریافت کرکے اور آگے طلب کیا اور دست شفقت پیٹھ پر پھیر کر فرمایا تم میرے یوسف ہو - اسی روز سے آپ کے چہرے کی رنگت صاف ہونے لگی اور رفتہ رفتہ نہایت خوبصورت اور خوشرو ہوگئے اور سید زینو یوسف مشہور ہوئے - اس روایت کے سوا لوگ یہ بھی مشہور کرتے ہیں کہ سید زینو یوسف سید زین الدین صاحب کے بھانجے تھے - درگاہ کی آمد و رفت کا دوسرا دروازہ گنبد خورد سے منسوب ہے گنبد خورد کے اندرونی دروازے پر یا اللہ کندہ ہے -

گنبد خورد کے مغربی دروازے سے سڑک تک سنگی فرش (جیسا کہ حضرت برہان الدین اولیا صاحب کی درگاہ کے بڑے گنبد کے سامنے بنا ہوا ہے) اترتا ہوا ہے فرش کے شمال بہت سی قبریں اور املی کے دو درخت اور جنوب ایک احاطہ ہے جسمیں خواجہ لطف اللہ معروف خواجہ بنگاہ یا خواجہ بنگالہ کا مزار اور مسجد ہے یہ مسجد خلد آباد کی دوسری شکستہ مسجدوں سے زیادہ شکست ہے چھت بالکل گر گئی ہے - دیواروں میں بھی بڑے بڑے رخنے پڑ گئے ہیں - ہمنے سنا ہے کہ خاص مسجد اور خواجہ صاحب کے مزار کی تیل بتی کے واسطے کچھ انعام

خواجہ لطف اللہ
یا خواجہ بنگالہ

بھی ہے۔ واللہ اعلم ہمارا استنا کہانتک صحیح ہے۔ فی الواقع اگر مسجد اور خواجہ صاحب کے عرس وغیرہ کے لیئے کوئی انعام ہے تو صاحب نعمت لائق بازپرس اور قابل نفرین ہے۔

جامع مسجد

اِس مسجد کی پشت پر سڑک سے پچھم جامع مسجد تھی۔ اِسوقت صرف دروازہ کا نشان معلوم ہوتا ہے باقی کا پتہ نہین۔ کچھ عجب شان ایزدی ہے۔ جب سے نمازی کم ہوگئے ہین مسجدین بھی کم ہوتی جاتی ہین۔ خلدآباد خاص مین کم از کم دس پانچ مساجد ایسی ہونگی جنکا صرف نشان باقی ہے۔

ذکر امیر حسن اعلائے سنجری قدس سرہ

میرحسن۔ یا امیر حسن۔ نام نجم الدین۔ باپ کا نام اعلائے سنجری۔ سنجری منسوب بہ سنجر۔ سنجر سیستان کے ایک شہر کا نام ہے۔ اعلائے سنجری سیستان سے دہلی آئے۔ میرحسن صاحب دہلی مین پیدا ہوئے۔ شعرگوئی کے کمال سے ہمعصر شعرا پر سبقت لیگئے سلطان غیاث الدین بلبن اور اُس کے بیٹے محمد سلطان خان شہید کی مدح مین بہت سے قصاید لکھے ہین۔ ہند والون نے ان کو سعدی ہند کہا ہے۔ میرصاحب کے اشعار اگرچہ بادی النظر مین آسان معلوم ہوتے ہین لیکن کہنے مین دشوار ہین۔ اس لیے سہل ممتنع کہے گئے ہین۔ جامی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ غزل گوئی مین میرحسن کا خاص طرز ہے۔ غلام علی آزاد صاحب لکھتے ہین کہ اُنکے اشعار شہرہ آفاق اور نمک ریز جراحت عشاق ہین۔ ملک الشعرا [illegible] کا قول مشہور ہے کہ میرحسن [illegible] اشعار مین ایک انداز اور ادا رکھتا ہے کہ اُس کا

عاشق ہونا چاہیئے۔

شیخ نظام الدین اولیا صاحب کو جب گانا سننے کا شوق ہوتا قوالون سے فرماتے کہ میر حسن کا شعر پڑہو۔ شیخ کی زبان فیض ترجمان سے حکایات اور نقلیات سنکر ایک رسالہ مرتب کیا جسکا نام فوآید الفواد رکھا۔ فوآید الفواد کی عبارت اور اوس کی لطافت اشارات اور کنایات خاص و عام مین مقبول ہین۔ امیر خسرو علیہ الرحمۃ فوآید الفواد کی تصنیف پر رشک کیا کرتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے۔ کاش اگر میری تمام تصنیفات میر حسن سے اور فوآید الفواد میری مصنفہ ہوتی تو کیا اچھا ہوتا ایکدن شیخ نظام الدین اولیا حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کی زیارت کرکے حوض شمسی کے کنارے تشریف لائے۔ شیخ برہان الدین اولیا صاحب بھی ہمراہ تھے۔ میر حسن کو دیکھا کہ احبابون کے ساتھ مینوشی مین مشغول ہین شیخ نظام الدین اولیا صاحب کو دیکھتے ہی روبرو آکر یہ اشعار پڑہے۔ ؎

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم
گر ز صحبتہا اثر بودے کجاست
زہدتان عشق از دلِ ما کم نکرد
عشق مایان بہتر از زہدِ شماست

حضرت نے یہ سنکر فرمایا صحبت حسن نیت سے اثر رکہتی ہے انشاءاللہ بہت جلد وہ وقت آئیگا کہ صحبت کا اثر ہوگا۔ اِدہر حضرت نے یہ فرمایا اُدہر میر صاحب سر برہنہ قدمون پر گرے اور منہیات سے توبہ کرکے مرید ہوئے اُسوقت میر صاحب کی عمر پچاس برس سے تجاوز کر چکی تھی صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہین کہ بہتر سال کی تھی میر صاحب خود فرماتے ہین ؎

اے حسن توبہ آنگہے کردی
کہ ترا قوتِ گناہ نماند

میر صاحب حسن بیمثال اور عقل کمال رکھتے تہے۔ امیر خسرو کو ان سے کمال تعشق تھا ایک روز شیخ نظام الدین اولیا صاحب بازار جارہے تھے۔ امیر خسرو ساتھ تھے میر حسن صاحب روٹی کی ایک دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے جیسے ہی امیر خسرو کی نظر میر صاحب پر پڑی دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ نزدیک جاکر میر صاحب سے پوچھا کہ روٹی کیسے بیچتے ہو۔ جسکے جواب مین میر صاحب نے کہا کہ ایک پلہ مین روٹی رکھتا ہون اور خریدار سے کہتا ہون کہ دوسرے مین روپیہ رکھے جب روپیہ کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے اسوقت خریدار کو رخصت کرتا ہون۔ امیر خسرو صاحب نے کہا کہ اگر خریدار مفلس ہو۔ میر حسن صاحب نے کہا کہ پھر روپیہ کے عوض درد اور نیاز لیتا ہون۔ ادہر میر صاحب کے حسن کلام سے امیر خسرو کو حیرت اور ادہر میر صاحب کو دادِ طلب دامنگیر ہوئی۔ اور اسیوقت دوکان ترک کرکے کمالات ظاہری اور علم کیطرف مشغول ہوئے۔ میر صاحب دوکان چھوڑنے کے بعد شیخ نظام الدین اولیا صاحب کی خدمت مین زیادہ حاضر رہنے لگے چند روزہ کی یکجائی سے امیر خسرو اور میر صاحب کا اتحاد بڑھگیا اور دونون نے ملتان مین محمد سلطان خان شہید پسر غیاث الدین بلبن کی ملازمت کی۔ امیر خسرو مصحف بردارون مین اور میر حسن صاحب دوات بردارون مین نوکر ہوئے۔ جسوقت سلطان خان دہلی آیا۔ یہ بھی ہمراہ آئے۔ رفتہ رفتہ دونون کی محبت کا چرچا ہوا۔ صاحب غرضون نے بادشاہ سے جاکر کہا کہ یہ دونون آپس کی محبت سے سخت بدنام ہو رہے ہین۔ اس قابل نہین ہین کہ شاہ یا شاہزادون کے پاس رہین۔ امیر خسرو نے اسیوقت ایک غزل نظم کی جسکا مطلع یہ ہے ؎

زین دل خود کہ کام کار من برسوائی کشید
خسروا فرمان دل بردن ہمین بار آورد

القصہ سلطان خان شہید نے مصلحت سمجہکر میر صاحب کو امیر خسرو کے پاس جانے سے منع کر دیا۔ چونکہ محبت جانبین کمال کو پہنچ گئی تہی۔ پادشاہ کی ممانعت سے کوئی فایدہ نہوا اور میر صاحب بادشاہ سے نشست ہو کر سیدھے امیر خسرو کے پاس آئے اور یار لوگون نے فوراً بادشاہ کو خبر کی۔ اس مرتبہ بادشاہ نے میر صاحب کو بلاکر چند کوڑے مارے۔ میر صاحب کوڑے کھاکر پھر راست امیر خسرو کے پاس پہنچے۔ جب سلطان خان کو اسکی خبر ہوئی تعجب کیا۔ حاضرین مجلس سے ایک شخص نے جو اس حقیقت سے واقف تھا پادشاہ سے عرض کی کہ امیر خسرو کی محبت مجازی حقیقت سے آراستہ ہو گئی ہے۔ پادشاہ نے امیر خسرو صاحب کو طلب کرکے پوچھا کہ تمہاری محبت خواہش نفسانی سے پاک ہے یا نہین۔ امیر خسرو نے جواب دیا کہ ہم دونون کے درمیان سے دوئی کا پردہ اُٹھہ گیا ہے۔ سلطان شہید نے گواہ طلب کیا۔ امیر خسرو نے آستین سے ہاتہہ کالکر دکھایا اور کہا ؎ گواہ عاشق صادق در آستین باشد ؏ سلطان خان شہید نے دیکھا کہ امیر خسرو کے ہاتہہ پر کوڑون کے نشان ہین متحیر ہوا۔ امیر خسرو نے اُسیوقت یہ رباعی پڑہی ؎

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست
تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست
اجزاے وجودم ہمگی دوست گرفت
نامیست مرا بر من و باقی ہمہ اوست

وفات

میر صاحب نے ۲۹ صفر[1] سنہ ۷۳۸ ہجری مین وفات پائی مادۂ تاریخ مخدوم اولیا ۷۳۸ ہے حصار سے باہر گوشۂ جنوب و غرب مین تخمیناً (۵۰۰) قدم کے فاصلے پر دفن کئے گئے۔ میر صاحب مین علاوہ اور کمالات کے ظرافت اور خوش طبعی بہت تھی ایک وقت سخت بیمار ہوئے اور مرض یہانتک بڑھ گیا کہ لوگون کو زندگی سے مایوسی ہوگئی۔ اکثر علما اور فضلا اور امیر خسرو اور منصور صاحب دیکھنے آئے اور پوچھا کہ ما را اے شناسید ما کیانیم اور پھر ما کیانیم کی جگہہ ماچہ کسانیم کہا۔ میر صاحب نے آنکھہ کھولکر کہا بندہ بسخن اولیم سبھون نے ہنسکر کہا۔ کہ میر صاحب نے ایسے وقت مین بھی ظرافت نہین چھوڑی۔ دکن کے لوگ میر حسن صاحب کو حسن شیر کہتے ہین۔ غلام علی آزاد صاحب لکھتے ہین کہ حسن شیر حسن شاعر کا تصحیف ہے مشہور ہے کہ شیر ہر رات کو ان کے مزار پہ حاضر ہوا کرتا ہے۔

مزار پر ہر پنجشنبہ کو حاجتمندونکا ہجوم ہوتا ہے۔ کند ذہن طلبہ آستانے پر شکر چاٹتے ہین۔ فی الواقع غبی طبیعت کے ذہن کو جودت حاصل ہوتی ہے اور مستجاب الدعوات حضرت کی دعا سے ذہن کشادہ کرتا ہے۔

میر صاحب کی قبر جس احاطے مین ہے اُس کے علاوہ دو احاطے اُس کے متعلق اور بھی ہین۔ میر صاحب کی قبر کے پائین بہت سی قبرین ہین اور خاص قبر سے ملی ہوئی پورب طرف دوسری جو قبر ہے اُسکی نسبت عوام مین مشہور ہے کہ امیر

---

[1] عبد الصمد بن افضل محمد خواہرزادۂ شیخ فیضی اور شیخ ابو الفضل اخبار الاصفیا مین لکھتے ہین کہ میر حسن کا انتقال سنہ ۷۳۷ ہجری مین ہوا۔

میر صاحب کا کتب خانہ ہے۔ لیکن یہ خلاف قیاس بات سمجھہ مین نہین آتی۔

میر صاحب کا عرس (۲۹) صفر کو حد خورد اور حد کلان کی طرف سے ہوا کرتا ہے قبر کے گوشۂ جنوب و غرب مین ایک کھلا ہوا حجرہ ہے جسمین غلام علی آزاد صاحب کی قبر ہے احاطے کلان مین پچھم طرف مسجد اور شرق مین آمد و رفت کا بڑا دروازہ اور دروازے سے جنوب شمال اور غرب رویہ زائرین کے ٹھہرنے کے لیے خانقاہ بنی ہوئی ہے۔ احاطے مذکورہ کی شمالی دیوار مین بھی ایک دروازہ ہے۔ بڑے دروازے پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

کتبہ بر دروازہ درگاہ حضرت میر حسن صاحب بنجری

اللہم صل علی محمد و علی آل محمد

کتبہ محمد یحیی خادم تعمیر برادر اچھو ٭ از حسن عمل نمود عابد برپا ٭ دروازہ تازہ طور محراب نما
۱۱۹۴

اس احاطے کی مسجد درستی اور صفائی کے قابل ہے چھت کے بیچ کا حصہ گر گیا ہے فرش مین جگہہ جگہہ گڈھے پڑ گئے ہین۔ پشت کی دیوار مین بڑی بڑی درزین آگئی ہین۔ اگر جلد مرمت نہو گی تو پھر از سر نو اسکی تعمیر کرنا پڑیگی۔ فی الحال تھوڑے سے خرچ مین باسانی شکست و ریخت ہو سکتی ہے۔

تیسرا احاطہ مسجد سے جنوب طرف ہے جسمین میر مسعود عرف میر چھجو کی قبر ہے بعضے انکو میر حسن صاحب کا بھائی اور بعضے ہمشیرہ زادہ سمجھتے ہین۔

درگاہ کے احاطے سے شمال طرف ذرا پستی مین چھوٹا سا ایک تالاب ہے مذکورہ عمارت اور یہ تالاب غلام علی آزاد کی تعمیر سے مشہور ہے۔ موسم بارش مین احاطے کے اطراف کی سبزی اور تالاب کی لبریزی سے ایک خاص کیفیت ہوتی ہے تالاب کا پچھم رخ چونے اور پتھر سے بندھا ہوا ہے۔ چونکہ تالاب مین مٹی بھر گئی ہے

اسلیئے پانی کم آتا ہے اور برسات کے بعد جلد خشک ہو جاتا ہے۔

درگاہ سے پچھم اندازاً تین سو گز کے فاصلے سے ایک ٹیکری پر میر آخون صاحب کا مزار اور جنوب تقریباً ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر بی بی عایشہ صاحبہ کی قبر ہے فوایدالفواد کے سوا میر صاحب کی تصانیف[سے] نظم و نثر سے بہت ہین۔ ہم یہان صرف ایک غزل درج کرتے ہین۔

غزل

اے ماہ خوبان یک شبے باخویش مہمان کن مرا
در آفتاب روئے خود چون صبح خندان کن مرا
دارم دلے آتشکدہ آخر خلیل من توئی
برمن فروزان یکدمے آتش گلستان کن مرا
افگند زلف کافرت اشکالہا در دین من
یکبار بنما روئے خود از سر مسلمان کن مرا
در کنج فرقت سالہا او دہ سان نالیدہ ام
بر تخت وصلت اے پری یکشب سلیمان کن مرا
از زہد خشک خویشتن ہستم بر آن اول قدم
زان مے کہ چشمت مست شد امروز غلطان کن مرا
گہ بار گاہے عربدہ چندین چہ زارم میکشی
لب بالب من بندہ نہ جان کندن آسان کن مرا
مسکین حسن میگویدت اے وقت مشتاق تو خوش

[سے] میر صاحب کا قلمی دیوان خلدآباد مین ایک صاحب کے پاس موجود ہے موقع ہوا تو انشاءاللہ مین اسکو طبع کراکے شائقین کے ملاحظہ مین پیش کرونگا۔ ۱۲

گر من ز ایشان نیستم در کار ایشان کن مرا

ذکر حضرت امیر خسرو قدس سرہ

اگرچہ سلطان الشعرا برہان الفضلا حضرت امیر خسرو کا ذکر اس کتاب مین لکھنا اسوجہ سے کہ اس مین روضے ہی کے بزرگون کے حالات ہین) چندان ضرور نہ تھا لیکن میر صاحب کے واقعات چونکہ پہلے قلمبند ہو چکے ہین اور میر صاحب اور امیر خسرو کے اتحاد قلبی کی کیفیت بتلائی گئی ہے لہذا اسی مناسبت سے ہم بہت ہی اختصار کے ساتھہ اُن کے حالات تحریر کرتے ہین۔ اصلی نام ابوالحسن۔ خسرو تخلص باپکا نام امیر سیف الدین تھا۔ امیر سیف الدین بلخ ہزارہ کے امیرزادون سے تھے اور چنگیز خان کے زمانے مین ہندوستان آئے۔ امیر خسرو مومن آباد معروف بہ پٹیالی مین جو دریائے گنگ کے کنارے ہے پیدا ہوئے۔ ان کے والدین نے جسوقت شیخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی سے بیعت کی۔

اُس وقت ان کی عمر آٹھہ برس اور جب امیر سیف الدین پچاسی برس کی عمر مین ایک معرکے مین کفارون کے ہاتھ سے شہید ہوئے اُسوقت نو برس کا سن تھا باپ کی شہادت مین جو مرثیہ نظم کیا ہے بہت ہی دردانگیز ہے۔ ہم صرف مطلع لکھتے ہین۔ ؎

سیف از سرم گزشت و دل من دو نیم شد
دریائے خون روان شد و در یتیم شد

ان کے نانا عماد الملک نے جو دلیاسے کہاملین سے تھے اور جنکی عمر ایکسو تیرہ سال کی تھی انکی پرورش کی

امیر خسرو صاحب کا زیادہ تر وقت اگرچہ امرا اور بادشاہون کی صحبت مین گزرتا تہا لیکن دلی رجحان مشایخ صوفیہ کیطرف تھا اور اسی سبب سے شیخ نظام الدین اولیا صاحب سے کمال اعتقاد تھا حضرت نظام الدین اولیا صاحب کو بھی امیر خسرو سے بڑھکر کوئی یار وفادار اور محرم اسرار اور محبوب مطلوب نہ تھا۔ شیخ نظام الدین اولیا صاحب ان کو اکثر ترک اللہ کے خطاب سے یاد فرماتے تہے چنانچہ خسرو کی ان ابیات سے ظاہر ہوتا ہے ؎

برزبانت چون خطاب بندہ ترک اللہ رفت — دست ترک اللہ بگیر و ہم بالطفش سپار
چون من مسکین ترا دارم ہمینم بس بود — شیخ من بس مہربان و خالقم آمرزگار

چونکہ حسن اور لطافت اور موسیقی مین اپنا نظیر نہین رکھتے تہے اسوجہ سے بعض اوقات ترک اللہ کے سوا مفتاح السماع بھی کہکر پکارا کرتے تہے۔

شب بیدار۔ تہجد گذار تہے۔ چالیس سال صایم الدہر رہے۔ شیخ کے ساتھہ ہی حج بھی کیا۔ صاحب سفینۃ الاولیا لکہتے ہین کہ امیر خسرو کے سینۂ بے کینہ کے سوز اور آتش عشق نے ان کے دل مین اسطرح جگہ کی تہی کہ ہمیشہ پیراہن قلب پر جلا ہوا رہتا تہا۔ جب کبھی نیا کپڑا زیب تن فرماتے قلب پر جل جاتا تھا۔ نظام الدین اولیا صاحب کے خلفا مین جو شان ان کی اور جسقدر ان پر شیخ کی توجہ تھی کسی پر نہ تھی۔ بارہا نظام الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ اے ترک اللہ مین اپنے وجود سے رنجیدہ ہوتا ہون لیکن تجہسے نہین ہوتا ہون۔

ایکمرتبہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی لعاب دہن کی خواہش کی۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ دولت سعدی شیرازی کے حصہ کی تھی۔ امیر خسرو نے شیخ سے بات

عرض کی۔ شیخ نے اپنا لعاب دہن منہ مین ڈالا۔ اُسکی برکت یہان تک ظاہر ہوئی کہ ہندی تصانیف کے سوا (۹۲) یا (۹۹) کتابین نظم اور نثر اُنکی مصنفہ ہین۔ اشعار کا شمار پانچ لاکہہ سے کم اور چار لاکہہ سے زیادہ ہے۔ شعر گوئی مین اِسقدر ملکہ تھا کہ مثنوی مطلع الانوار جو مخزن الاسرار مصنفہ شیخ نظامی گنجوی کے جواب مین لکہی ہے دو ہفتہ مین تمام کی اور یہ شیرین کلامی صرف شیخ کے لعاب دہن سے حاصل ہوئی۔ جسوقت شیخ نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ مین ڈالا اُسیوقت یہ بیت پڑھی ؎

زلفت زمہر دو جانب خونریز عاشقان است
چیزے نمی توان گفت روئے تو درمیان است

عشا کی نماز کے بعد حضرت نظام الدین اولیا صاحب کی خدمت مین روزانہ حاضر ہوتے اور جو کچہہ کہنا ہوتا کہتے اور جس کسی کو حضرت سے کچہہ دریافت کرنا ہوتا ان کے ذریعہ سے دریافت کرتا۔

ایکمرتبہ شیخ سے عرض کی کہ مین نہین چاہتا کہ قیامت کے دن مجھے خسرو کے نام سے پکارین۔ کیونکہ یہ متکبرونکا نام ہے۔ نظام الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ قیامت مین تجھے محمد کاسہ لیس کہکر پکارینگے۔

امیر خسرو صاحب اُستادان ماضیہ کی نسبت اکثر طعنہ آمیز کلمات کہا کرتے تھے اور شیخ نظام الدین اولیا صاحب ہمیشہ منع کیا کرتے تھے۔ جسوقت حضرت نظامی علیہ الرحمۃ کے خمسے کا جواب لکہا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا عرض کی کہ مین آپ کی پناہ مین ہون۔ انشاءاللہ کوئی صدمہ نہین پہنچ سکتا۔ اتفاقاً اُسی خمسے کی ایک بیت کے جواب مین جسوقت یہ بیت کہی ؎

کوکبۂ خسرویم شد بلند
غلغلہ در گور نظامی فگند

غرض ایک جنگ کفار سے درپیش ہوئی - امیر خسرو صاحب نے شیخ نظام الدین اولیا اور شیخ فرید گنجشکر صاحب کو یاد کیا۔ اُسیوقت ایک ہاتھہ ظاہر ہوا اور اُس نے تلوار کا وار اپنے پر لیا۔ تلوار ہاتھہ کی آستین کاٹتے ہوئے قریب کے ایک درخت پر جا پڑی۔ اِس واقعہ کے بعد ہی امیر خسرو صاحب شیخ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور کیفیت عرض کرنی چاہی۔ شیخ نظام الدین اولیا صاحب نے اِنکے کہنے سے پہلے ہی کٹی ہوئی آستین دکھلائی۔ امیر خسرو صاحب نے سرنیاز قدمونپر رکھدیا۔ شیخ نظام الدین اولیا صاحب نے اُسیوقت یہ ابیات پڑہے ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست
ملکیت ملک سخن از خسرو ماست
این خسرو ما ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدا ناصرِ خسرو ماست

پیر پرستی مین اپنے دوسرے پیر بھائیون کی نسبت فضیلت رکھتے تھے ہر وقت اپنی جان و مال فدا کر دینے کو تیار رہتے تہے۔

ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیا صاحب کے پاس ایک سایل آیا اُسوقت کچھہ حاضر نہ تھا حضرت نے فرمایا کہ آج جو فتوح حاصل ہوگا وہ تجھے ملیگا اتفاق سے اُسروز کچھہ نہ آیا۔ حضرت نے دوسرے روز کا وعدہ فرمایا۔ دوسرے روز بھی کچھ نہ آیا حضرت نے تیسرے دن کا وعدہ کیا۔ شان ایزدی پھر بھی کچھہ نہ آیا۔ حضرت نے اپنے نعلین اسکو دیدیا۔ وہ فقیر باعتقاد تمام انکو لیئے دہلی سے روانہ ہوا۔ راستے مین امیر خسرو صاحب سے جو کسی مہم سے واپس آرہے تھے۔ ملاقات ہوئی شیخ کی خیریت دریافت کرکے اُس سے کہا کہ مجھکو تجھہ سے پیر روشن ضمیر کی بو آتی

ہے شاید کوئی تبرک تیرے پاس ہے فقیر نے کہا کہ ہان حضرت نے نعلین مبارک مرحمت فرماتے ہین۔ امیر خسرو صاحب نے پانچ لاکھ اشرفی دیکر انکو سے لیا اور سر پر رکھکر شیخ کے روبرو حاضر ہوئے۔ نظام الدین اولیا صاحب نے فرمایا کہ اے خسرو تو نے یہ نعلین پانچ لاکھ اشرفی کو ارزان خریدے۔ امیر خسرو صاحب نے کہا کہ فقیر نے صرف پانچ لاکھ پر اکتفا کی ورنہ اگر وہ تمام مال و جان اس کے عوض طلب کرتا بیشک دیدیتا۔

ایکبار انہون شیخ سے عرض کی کہ میری خواہش ہے کہ آپکے بعد مین بھی دُنیا مین نہون اور میری قبر آپ کے پہلو مین ہو۔

جب شیخ نظام الدین اولیا صاحب کے وصال کا زمانہ قریب آیا۔ ایکروز فرمایا کہ خسرو میرے بعد دنیا مین کم رہیگا۔ جب وہ مرے تو اُسکو میرے پہلو مین دفن کرنا کیونکہ وہ میرا محرم راز ہے۔ مین بے اُسکے بہشت مین قدم نہ رکھونگا۔ اگر یہ جایز ہوتا کہ دو شخص ایک قبر مین دفن ہون تو مین وصیت کر جاتا کہ خسرو کو میری قبر مین دفن کرنا تاکہ ہم دونون ایک جگہہ رہین۔ جسوقت سلطان المشایخ کا وصال ہوا خواجہ خسرو بادشاہ کے ساتھ بنگالے مین تھے۔ وفات کی خبر سنتے ہی سارا اسباب خدا کی راہ مین دیدیا۔ اور ملازمت چھوڑ کر دہلی آئے۔ اور سیاہ لباس پہنکر شیخ کی قبر کے پائین چھہ ماہ رنج والم مین گذارے۔ بیسوین ذیقعدہ ۷۲۵ھ ہجری روز جمعہ و بروایت دیگر ۱۷ یا ۱۸ شوال ۷۲۵ھ ہجری کو وفات پائی اور شیخ کی قبر کے پائین دفن ہوئے۔ انتقال کے بعد وصیت کے بموجب لوگون نے شیخ کے پہلو مین دفن کرنا چاہا۔ ایک امیر نے کہ وہ بھی شیخ نظام الدین اولیا صاحب کا مرید

[illegible] مانع ہوا اور کہا کہ اگر خواجہ صاحب کی قبر شیخ کی قبر کے برابر ہو گئی تو زائرین کو شبہہ پیدا ہوگا۔ اس لیئے شیخ کی قبر کے چبوترے کے پائین مدفون ہوئے۔ وفات کے وقت خواجہ صاحب کی عمر (۷۴) سال کی تھی۔

تاریخ وفات امیر خسرو علیہ الرحمۃ از نتائج فکر مولانا غلام علی پدر [illegible]

میر خسرو خسرو ملک سخن	آن محیط فضل دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین	نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل بستان سرائے داد و دین	طوطی شکر مقال بے زوال
از پئے تاریخ سال فوت او	چون نہادم سر بزانوئے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او ۷۲۵	دیگرے شد طوطئ شکر مقال ۷۲۵

خواجہ صاحب کے قصاید اور اشعار ہندی و فارسی اور غزلیات زبان زد خاص و عام ہین حاجت تحریر نہین۔

ذکر غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ

حاجی غلام علی متخلص بہ آزاد بلگرامی محلہ میدان پورہ کے رہنے والے تھے۔ بلگرام صوبہ اودہ مین زرخیز اور مردم خیز قصبہ ہے۔ حاجی صاحب ۲۵ صفر روز یکشنبہ سنہ ۱۱۱۶ھ مین پیدا ہوئے۔ انکا نسب حضرت عیسیٰ موتم الاشبال بن زید شہید بن حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہم سے ملتا ہے آپ ایک جگہہ خود فرماتے ہین سلہ

گرچہ باشد موتم الاشبال عیسیٰ جد من	لیکے جان بخش شہیدانم باید و نفس

سلہ اسکا حاشیہ صفحہ ۲۲۲ پر ملاحظہ ہو ۱۲

دوسری جگہ یہ کہتے ہیں

مرا بہ تیغ ستم کشت و گفت از ناز
چراغ دودۂ زید شہید روشن شد

کتب درسیہ میر طفیل محمد اور کتب احادیث و لغت و سیر نبوی اور فن ادب مولانا عبد الجلیل اور علم عروض و قافیہ سید محمد صاحب خلف الصدق مولانا عبد الجلیل بلگرامی سے سیکھا۔ سید لطف اللہ معروف بہ شاہ لدھا بلگرامی سے بیعت کی۔ مدت العمر میں تین سفر پیش آئے۔ پہلے بغرض ملازمت دہلی گئے اور دو سال کے بعد واپس آئے دوسرے بار سیستان پہونچے ۱۱۴۲ ہجری میں لاہور ہوتے ہوئے الہ آباد اور الہ آباد سے بلگرام آئے تیسری مرتبہ حرمین محترمین کا ارادہ کیا اور ۳ رجب ۱۱۵۰ ہجری کو گھر سے نکلے اور خشکی و تری کی مسافت طے کرکے مکہ معظمہ پہونچے۔ چونکہ حج کا زمانہ دور تھا۔ اسلیئے تین روز کے بعد مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرفیاب ہوکر مولانا شیخنا محمد حیات السندی المدنی الحنفی سے صحیح بخاری پڑھی اور صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث کی اجازت لی۔ جب حج کا وقت آیا مکہ معظمہ آئے۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد شیخ عبد الوہاب طنطاوی المصری المکی سے فوائد علم حاصل کرکے دوسرے سال ۱۱۵۲ ہجری میں بندر سورت سے دیار دکن میں آئے اور آخر تک اورنگ آباد ہی میں رہے اور انتقال کے بعد میر حسن علائے سنجری کے مزار سے گوشۂ غرب و جنوب کے ایک حجرے میں

---

[۱] حاشیہ متعلق صفحہ ۲۲۱ - موتم الاشبال شیر کے بچوں کے یتیم کرنیوالیکو کہتے ہیں چونکہ حضرت علی بن زید اکثر شیر کا شکار کرتے تھے۔ اسلیئے موتم الاشبال کے لقب سے ملقب ہوئے ۱۲

دفن کئے گئے۔ حاجی صاحب اعلیٰ درجہ کے مصنفوں میں شمار کئے گئے ہیں ان کی نظم و نثر میں خاص صفت یہ ہے کہ شاعرانہ لغویات اور بیہودہ خیالات سے خالی اور عمدہ تشبیہات اور دلچسپ استعارات سے پر ہے۔ ان کی خوش مقالی اور نازک خیالی کلام کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ عربی کے متعدد دیوان ہیں۔ فارسی کا ضخیم دیوان میں نے خود دیکھا ہے۔ غزلان الہند۔ شرح قطعات نعمت خان عالی اور خلدآباد کو بزرگوں کے حالات میں روضۃ الاولیا اور بیش بہا تصانیف ہیں تذکرۃ الشعرا مسمی بسرو آزاد اور شجرۃ المرجان قابل دید ہیں۔

غزل آزاد

برآرد بسم اللہ تیغ خوش مقالی را — مسخر کن سواد اعظم نازک خیالی را
خیال نازک از جوش نزاکت راند دل باشد — نباشد جز کرامت فہم کردن فکر عالی را
چو آن زلفے کہ بعد از شانہ کردن یار بربندد — بجمعیت رساند صبر من آشفتہ حالی را
نگاہے ہست چشم یار را با چشم گریانم — کہ مستان دوست میدارند ابر برشکالی را
چہ روح افزاست آب زندگی در حالت طفلی — کہ باشد یک دو روزی بوئے خوش ظرف سفالی را
ز چشم انتظار خاکساران نقش گل دارد — بہار کوئے جانان داغ دارد فرش قالی را

دل ویرانہ آزاد را آباد کن یارب
پریزادے کرم فرمائے این بیت الخالی را

رباعی

اے پرتو جلوۂ تو آشکار وجود — مسعود تو آنچہ ہست زیب شہود
ذات تو غفور محض و من جملہ گناہ — تقصیر معاف عفو باید فرمود

دیگر

سلطان رسل شمع شبستان یقین
پروانهٔ او چراغ ماه و پروین
نخل قد او درین چمن سایه نگند
بر فرق جهانیان نه بر روی زمین

دیگر

هر چند نه برگے نه نوائے دارم
ورنه او به خمول جائے دارم
اما ز محبت رسول الثقلین
در سینه بهشت دلکشائے دارم

دیگر

دوشینه بخواب حشر دیدم برپا
دربان ارم ستاده در دست عصا
رفتم که اجازت طلبم گفت که
گفتم که غلام علی ام گفت بیا

قطعه

اے صبا دہ بزار پیر غم شبی
خاک آن روضه کم از عنبر تر نه شناسی
کرده ام خوب تماشا چمن طایف را
نرسد هیچ گل او به گل عباسی

تاریخ تذکرة الشعرا مسمی بسرو آزاد

خوشا مشاطهٔ کلک هنرمند
بر خسار ورق مالیده غازه
شنو از قمریان غیب تاریخ
نشاند آزاد سرو سبز تازه
۱۱۶۶

ذکر بی بی عائشہ صاحبہ قدس سرہا

بی بی صاحبہ کے حالات فتوح الاولیا کے سوا دوسری کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرے۔ مولف فتوح الاولیا نے صاف الفاظ میں بی بی صاحبہ کا نہ سلسلہ نسبی بتلایا ہے اور نہ یہہ لکہا ہے کہ وہ دولت آباد کب اور کسکے ساتھہ تشریف لائیں آنے کے نسبت لوگوں کا یہ قیاس ہے کہ حضرت منتجب الدین صاحب کے ساتھہ آئی ہونگی کیونکہ برہان الدین غریب جسوقت دولت آباد آئے وہ وہاں موجود تہیں اسی طرح نسب کے بارے میں فتوح الاولیا ہی کے اس بیان پر (جسوقت برہان الدین غریب دہلی سے دکن آنے لگے حضرت شیخ الاسلام نظام الدین اولیا صاحب نے منجملہ نصایح اور ہدایات کے ایک نصیحت یہہ بہی کی تہی کہ میرے پیرزادی صاحبہ (بی بی عائشہ) کی خدمت سے جو دولت آباد میں مقیم ہیں غافل نہ رہنا) ہر شخص کا خیال ہے کہ حضرت بابا فرید صاحب کی صاحبزادی تہیں۔

لیکن بابا صاحب کے تذکرے میں جسقدر کتابیں دیکہنے میں آئیں کسی میں بی بی صاحبہ کا ذکر نہیں دیکہا گیا۔ بابا صاحب کثیر العیال ضرور تہے۔ ممکن ہے کہ انکی کسی صاحبزادی کا نام عائشہ ہو۔ مولف فتوح الاولیا نے لکہا ہے تو کسی تاریخ ہی سے لکہا ہوگا۔ بہرحال دولت آباد اور روضے میں بی بی صاحبہ بابا صاحب کی بیٹی مشہور ہیں۔ بی بی صاحبہ کے نسب وغیرہ کے علاوہ اونکے ابتدائی حالات سے بہی ہماری واقفیت محدود ہے اسلئے ہم صرف دولت آباد کے قیام کے واقعات لکہتے ہیں۔ اور فتوح الاولیا کی عبارت کا ترجمہ کیے دیتے ہیں۔

برہان الدین غریب جسوقت دولت آباد تشریف لائے شیخ کے حکم پر پیرزادیصاحبہ
دبی بی صاحبہ کی خدمت لازم سمجھکر ہمیشہ جمعہ کی نماز کے بعد حاضر ہوا کرتے اور بی بی صاحبہ
کو پیر صاحب کے مانند تصور فرما کر خدمتگزاری کا حق جیسا کہ چاہیئے بجا لاتے اور
ہمیشہ اونکے حال سے باخبر رہتے تھے۔

بی بی صاحبہ کی ایک صاحبزادی چودہ سالہ تھیں جو عفت اور عصمت سے آراستہ
اور صلاح و تقویٰ سے پیراستہ صایم الدہر اور قایم اللیل اور ہمیشہ خود کو سیاہ لباس
سے چھپائے ہوئے رہتی تھیں۔

ایک روز حضرت برہان الدین غریب بی بی صاحبہ کے خدمت میں بیٹھے ہوئے
تھے اور صاحبزادی صاحبہ بھی حاضر تھیں حضرت نے اونکو دیکھکر تبسم کیا
بی بی صاحبہ نے حضرت کو مسکراتے دیکھکر باغراض تمام ملتانی زبان میں کہا

اساں دے دہئے کے ڈسن جي ضرورت کیڑہي آہے
میری لڑکی کے دیکھنے کی ضرورت کیا ہے۔

بی بی صاحبہ کے اس فرمانے سے حضرت کے بدن میں لرزہ پڑگیا اور عاجزی
وانکسار سے عرض کی کہ شیخ نظام الدین جناب کی درگاہ فلک پایگاہ کے
خادم اور میں اوس جناب کی بارگاہ کا ادنی غلام ہوں میری کیا قدرت کہ
اپنی صاحبہ کیطرف کبھی دوسری نظر سے دیکھکر تبسم کروں۔ اسوقت میرے
مسکرانے کا سبب یہ ہے کہ صاحبزادیصاحبہ کے شکم مبارک مین ایک ولی ہے
جو مجھے سلام کرتا ہے لیکن حیرت یہ ہے کہ یہ ولی پردہ شکم سے کیطرح
دنیا مین ظہور کریگا۔ کیونکہ صاحبزادیصاحبہ کا ارادہ نکاح کرنیکا نہیں ہے۔ شاید

صفت عیسوی رکھتا ہوگا کہ بے باپ کے پیدا ہوگا۔

اس بات نے بی بی صاحبہ کو حضرت سے زیادہ متحیر کر دیا اور بی بی صاحبہ نے اوسیوقت حضرت سے کہا کہ آپ استخارہ کر کے دیکھیے کہ اس لڑکی کو شوہر نصیب ہوگا یا نہیں برہان الدین غریب صاحب نے آیندہ جمعہ کا وعدہ کیا لیکن صاحبزادی صاحبہ نے کہا کہ میں خود ہی آج شب کو استخارہ دیکھکر کل جواب دونگی۔ دوسرے دن صبح نماز کے بعد والدہ صاحبہ سے کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب ایک شخص صحیح النسب اس شکل و صورت کا آئے گا اور اوس سے میرا نکاح ہوگا۔ چند ہی روز گزرنے پائے تھے کہ ایک بزرگ اوسی ہیئت کے جیسا کہ صاحبزادی صاحبہ نے نشان دیا تھا دو تین خادموں کیا ہمہ تشریف لائے اور نکاح کا پیغام دیا۔

بی بی صاحبہ نے ایک کہنہ بوریا اندر سے اونکے بیٹھنے کو بھیجدیا اور کہلا بھیجا کہ تھوڑا توقف فرمائے۔ اور اسیوقت حضرت برہان الدین غریب کو طلب کر کے سب کیفیت بیان کی حضرت نے فراست باطنی سے اونکو پہچان کر بایکدیگر مصافحہ کیا اور شرائط آداب بجا لا کر بہ تعظیم تمام بٹھایا اسکے بعد بی بی صاحبہ کے پاس آکر نکاح کا وقت مقرر کیا۔

یہ سب کچھ تو ہو گیا لیکن یہاں پر بی بی صاحبہ کے زہد اور اتقا اور توکل نے گھر میں سوائے ایک کہنہ بوریا (جسکو باہر بھیجدیا تھا) اور اون کپڑوں سے سوا جو ماں بیٹیوں کے بدن پر تھے دوسرا کوئی سامان نہ رکھا تھا۔ اسی سبب سے بی بی صاحبہ نے صاحبزادی صاحبہ کا لباس اوتار کر دھونے کے لئے حضرت کو دیا۔

حضرت برہان الدین غریب لباس کو لئے ہوئے دیولے جا رہے تھے کہ سبب شدت سے سر برآگئے اور حقیقت حالت آگاہ ہوا حضرت کو واپس لائی اور جب مقدور سبھوں نے نکاح کا سامان اور دعوت کا اسباب مہیا کر کے علمائے شہر کو بلا کر نیک ساعت میں صاحب زادی صاحبہ کا نکاح اوس فتیٰ کے ساتھ جنکا نام سید ضیاء الدین تھا پڑھایا۔

نکاح سے تین روز بعد صاحبزادی صاحبہ نے شوہر سے کہا کہ آپکی رضا اور خوشی کے سبب میرے تین روز کے نوافل فوت ہوئے اب اگر مرضی مبارک ہو تو کوئی لونڈی باتمیز اور صاحب جمال تلاش کر کے خدمت میں پیش کروں اور میں جس شغل میں تھی اوسی میں اپنی اوقات عزیز کو بسر کروں۔ سید ضیاء الدین صاحب نے فرمایا۔ میں خود چاہتا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں سفر کروں اور ہر شہر اور دیار میں خداے تعالیٰ کی صنعت کا تماشہ دیکھوں اور علم دین کی تحصیل اور اپنے نفس کی تہذیب میں مشغول رہوں۔ میرے رہنے کی جو غرض اور برہان الدین غریب صاحب نے جسکی بشارت دی تھی اوسکے ظہور کا وجود ہو چکا ہے صاحبزادی صاحبہ نے کہا کہ میں حافظ قران ہوں اور یہ لڑکا جسکی ولادت کا اظہار آپ کر رہے ہیں اور حضرت برہان الدین غریب صاحب نے پہلے سے کہا ہے جب تک حافظ نہو گا۔ پیدا نہو گا۔ مبادا قران پاک کے ضبط ہونے میں مدت معینہ سے زیادہ زمانہ گزر جائے تو لوگ متہم کرینگے اسواسطے اپنے ہمسایوں کو بلا کر اس راز سے آگاہ کر کے راہ سفر اختیار کیجیے۔ سید ضیاء الدین صاحب نے محلے والوں کو طلب کر کے راز سربستہ کا اظہار کیا او قبل تولد مولود کے مولود کا

نام سید علاء الدین رکھکر سفر کیا۔

شہر والونکو سید ضیاء الدین کے چلے جانے پر سخت افسوس ہوا۔ سید صاحب نے چلتے وقت اپنے فرزند رشید (سید علاء الدین) کی نسبت یہ بھی فرمایا کہ یہ لڑکا موحد اور محقق ہوگا اور ہمیشہ یاد خدا اور اسرار الٰہی میں مستغرق رہیگا۔ نو ماہ بعد سید علاء الدین پیدا ہوئے مادر مہربان کو فرزند دلبند کے جمال جہان آرا دیکھنے سے کمال مسرت ہوئی جب سید علاء الدین صاحب کے عقیقے کا وقت آیا ایک مجلس عظیم آراستہ ہوئی۔ ارادتمندوں نے مبارکبادی کے طریقے پر جو کچھ ہوسکا پیش کیا۔ لیکن حضرت برہان الدین غریب نے عرض کی کہ میں دنیاوی اسباب اور سامان سے بالکل بے نوا اور مفلس ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ پیش کروں۔ بی بی صاحبہ نے ازراہ خوش طبعی فرمایا کہ جب آپ ملک دکن کے صاحب ولایت ہیں تو بینوائی اور مفلسی کو اپنی طرف کیوں نسبت کرتے ہیں۔ حضرت نے علاقہ مونگی پٹن اور خاندیس کو بطور مبارکبادی پیش کرکے کہا کہ اس علاقہ میں فیض بخشی اور دین محمدی کی رہنمائی آپ کے مدد باطنی سے ہوگی چنانچہ اسوقت تک سید علاء الدین کا فیض علاقہائے مذکورہ میں جاری ہے۔

جب سید علاء الدین صاحب عنفوان جوانی میں پہنچے ایک حسینہ رنڈی کی پاک محبت میں مبتلا ہوئے۔ ایک وقت شب جمعہ کو چند پہر اسکے مکان پر پہنچے اوس رنڈی کی نایکہ نے کہا کہ خدا کی پناہ ہم لوگ شب و روز فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں لیکن اس مبارک رات کو ضرور توبہ کرتے ہیں۔ یہ کیسے مسلمان ہیں کہ شب جمعہ کو بھی گزرے ہوئے گناہوں کی سیاہی کو استغفار کے پانی سے

نہیں وہ بوتے۔ اتنا سنتے ہی سید صاحب کے دل پر ایسا اثر ہوا اور خدا کی ہیبت اسقدر طاری ہوئی کہ بدن پر لرزہ پڑا اور اسیوقت کہا کہ قسم ہے اُس وحدہ لا شریک لہ کی کہ جسکے قبضہ قدرت میں میری اور سب کی جان ہے اب دوبارہ اپنے کام کیطرف متوجہ اور خدا و رسول کی اطاعت کے سوا دوسرے طرف مشغول نہونگا۔ گہر میں واپس آکر اوسیوقت اعتکاف میں بیٹھ گئے زمانہ دراز تک افطار کیوقت نصف کہجور اور ایک گہونٹ پانی پر اکتفا کی۔ چند سال کے بعد والدہ ماجدہ نے اعتکاف سے باہر نکالا جسوقت اعتکاف سے باہر آئے محویت غالب تہی اور بدن میں پوست و استخوان کے سوا گوشت نہ تہا۔

جب لوگوں نے سید صاحب کی ریاضت اور مجاہدہ دیکہا بیعت کے ارادہ سے حاضر ہونے لگے۔ جب ارادتمندونکا زیادہ ہجوم ہونے لگا اور لوگ مجبور کرنے لگے تب سید صاحب نے سبہوں سے کہا کہ جوقت مجہے حضرت ولایت مآب خواجہ رکن الدین چشتی قدس سرہ سے خرقہ خلافت پہنچیگا جس کسی کا حصہ میرے سلسلہ میں ہوگا اسکو داخل بیعت کرونگا چند روز بعد ایک شخص بلند قد قوی ہیکل پہلوانوں کے لباس میں ایک ہاتہہ میں کمان دوسرے میں پتہر کا بڑا گولہ لئے ہوئے دولت آباد آیا۔ یہ شخص ہر شہر و دیار کے مشایخ کبار کے دروازے پر جاتا اور خود کو اس لباس میں چہپائے ہوئے مرشد کامل کی تلاش کرتا تہا خود بہی نہایت متقی اور پرہیزگار تہا۔

ایک روز بازی کرتا ہوا سید علاء الدین صاحب کے دروازے پر آیا سید صاحب

نے فوراً پہچان لیا کہ یہ طالب خدا ہے اور اپنے کو بازیگروں کے لباس میں چھپا کر مرشد کامل کی تلاش اور راہ خدا کی جستجو کرتا ہے ہنسکر فرمایا کہ اے سید نظام الدین ادریس تو طالب خدا ہوکر اپنی اوقات عزیز کو اس طرح ضایع کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی سید نظام الدین ادریس نے جو کچھ ہاتھ میں تھا پھینکدیا اور سر نیاز کو قدموں پر جھکا کر عرض کی کہ میں زمانہ دراز سے اسی تمنا میں پھر رہا ہوں کہ جو شخص مجھے پہچانے اور طالب صادق جانے تو میں اوس سے بیعت کر لوں۔ اور علم حقیقت اوسکے آستانہ فیض کاشانہ سے حاصل کروں الحمد اللہ کہ مدت کے بعد گوہر مقصود ہاتھ آیا اور میں اپنی مراد کو پہونچا۔ امیدوار ہوں کہ اب آپ مجھے حلقہ غلامی میں داخل فرمائے۔ سید علاء الدینصاحب اوسوقت تک کسی سلسلہ میں داخل نہیں ہوے تھے اسلئے سید نظام الدین ادریس کو چند ریاضت اور مجاہدے میں مشغول رکھا جب الہام غیبی اور اشارہ باطنی پیر کے طرف سے القا ہوا۔ سید نظام الدین کو خرقہ خلافت اور فرمان اجازت لانے کیواسطے خواجہ رکن الدین صاحب کے پاس گجرات روانہ کیا۔ جب سید نظام الدین ادریس نے چند منزلیں طے کیں ایک شخص صوفی لباس راہ میں ملا۔ اور انہوں نے بحکم آیہ کریمہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ اس سے مصافحہ کیا اور چند ساعت ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھکر جو کھانا ساتھہ تھا کھایا۔ اوس شخص نے نظام الدین صاحب کو یگانگی میں سچا پاکر سفر کا سبب دریافت کیا نظام الدینصاحب نے کہا کہ میں سید علاء الدین صاحب ضیا کے خادموں میں ہوں اور انہوں نے مجھے خواجہ رکن الدینصاحب

کے پاس خرقہ خلافت لینے کو بھیجا ہے۔ صوفی صاحب نے کہا کہ میں خود خواجہ رکن الدین کیطرف سے خرقہ خلافت لیکر سید علاء الدین صاحب کے نزدیک جا رہا ہوں۔ آپ دولت آباد واپس چلیئے۔ سید نظام الدینصاحب نے کہا کہ اگرچہ میرا مقصود اسی خرقہ خلافت سے ہے اور میں اسی لیئے احمد آباد جاتا ہوں لیکن سید علاء الدینصاحب نے (کہ راز دانایان الہی سے ہیں اور جنہوں نے شکم مادر سے حضرت برہان الدین غریب کو سلام کیا ہے) کیا ابتک نہیں سمجھا کہ آپ خرقہ خلافت لائے ہیں۔ انکی خبر انہیں ضرور ہوگی۔ اور اس راز سے باخبر ہونے کے باوجود مجھے احمد آباد روانہ کیا۔ یہ بات مصلحت سے خالی نہیں ہے اسکے قطع نظر مجھکو پیر کی اطاعت اور حکم کی تابعداری لازم ہے۔ یہ کہکر احمد آباد کا راستہ لیا اور چند روز بعد خواجہ رکن الدین صاحب کے آستانہ پر حاضر ہوکر قدمبوسی حاصل کی۔

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ بابا نظام الدین میں نے تیرے پیر کیواسطے نعمت اور خلافت اپنے ایک مرید صادق الاعتقاد کے ہاتھ روانہ کیا ہے اب تو کیوں آیا ہے اسکے بعد دوسرا خرقہ خلافت سید نظام الدینصاحب کو مرحمت فرمایا چند روز تک نظام الدینصاحب نے خواجہ صاحب کی صحبت بابرکت سے استفادہ حاصل کیا۔ ایک روز فرصت کیوقت سید صاحب نے عرض کی کہ میری سعادت اور سرفرازی اسمیں ہے کہ خرقہ خلافت جو مرحمت ہوا ہے اپنے پیر کے پاس امانت پہونچاؤں اور اونہیں کے ہاتھ سے پہنوں۔ خواجہ صاحب کو یہ بات بہت پسند ہوئی ا۔ سید صاحب کی محبت اور اعتقاد سے خوش

ہو کر دوسرا خرقہ سید علاء الدینصاحب کیواسطے سید صاحب کو دے کر بہت سی نصیحتوں سے مشرف فرما کے رخصت کیا۔ سید صاحب بعجلت تمام روانہ ہوئے اور دو روزہ راستہ کو ایک روز میں طئے کر کے سید علاء الدین کیخدمت میں حاضر ہو کر خرقہ خلافت جو ساتھہ لائے تھے پیش کیا اور کل نصیحتیں کہ خواجہ صاحب نے کی تھیں۔ شیخ کے سامنے بیان کیں۔ سید علاء الدینصاحب نے سید نظام الدین ادریس کو خرقہ خلافت اور خلعت ابدی اور نعمت سرمدی سے ممتاز فرمایا۔ سید علاء الدینصاحب کو علوم ظاہری و باطنی میں کمال تصرف تھا جن لوگوں کو تصوف اور سلوک میں کوئی مشکل پیش آتی تھی آپ سے حل کرتے تھے۔ آپکے خلفائے گرامی میں چار صاحب نامی گزرے ہیں ایک سید نظام الدینصاحب ادریس ہیں کہ مونگی پٹن کی ولایت اونکے تصرف میں ہے اور وہیں اونکی قبر ہے۔ دوسرے حضرت شاہ نعمان چشتی ہیں کہ اونکی قبر قلعہ آسیر میں ہے اور ولایت خاندیس اونکے زیر تصرف ہے۔ تیسرے حضرت شیخ فرید پنہاری۔ چوتھے حضرت خواجہ حسین صاحب جنکی قبر دولت آباد میں ہے۔ جو وقت سید علاء الدینصاحب کی رحلت کا وقت آیا فرمایا کہ اگرچہ خلفا بہت ہیں لیکن جس کسیکو نظام الدین ادریس قبول کرے خلافت اور نعمت اوسپر مقرر ہو گی اوسکے بعد خرقہ خلافت سید نظام الدین صاحب کو دیا اور نصیحت اور وصیت فرما کے رحلت فرمائی۔ اسمیں اختلاف ہے کہ سید علاء الدینصاحب کی قبر کہاں ہے۔ اکثرونکا خیال ہے کہ رونہ پراڑہ میں ہے اور اوس علاقہ میں وہ ٹھلا دلیصاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ بعضے

کہتے ہیں کہ دولت آباد میں دفن ہیں۔ واللہ اعلم۔ بی بی عائشہ صاحبہ کا مزار میر حسن صاحب اعلا سجزی دہلوی کے مزار سے جانب جنوب ہے یہ مزار بھی یہاں کے دوسرے بعض مزاروں کی طرح شکستہ ہو گیا تھا۔ نواب بشیر نواز جنگ صاحب صوبہ دار صوبہ اورنگ آباد نے اپنے ذاتی خرچ سے درست کر دیا ہے چونکہ کام نہایت مضبوطی سے کیا گیا ہے اسلئے چند نسلوں پائداری کی امید ہے۔ بی بی عائشہ اور انکی صاحبزادی کا عرس شعبان کی ششم تاریخ کو ہوتا ہے۔

ذکر حضرت ضیاء الدین ثانی معروف بہ قاضی ضیاء الدین صاحب قدس سرہ

قاضی صاحب عالم باعمل شارعان شرع مبین کے پیشوا اور علمائے دین متین کے مقتدا۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیا صاحب کے ہمعصر اور بنام ضیاء الدین سنامی مشہور تھے۔ علمائے دہلی انکا بہت احترام کرتے تھے۔ شریعت میں بڑے درجہ کا غلو اور بدعت سے انتہا کا اجتناب تھا۔ اور اسی سبب سے وہ کبھی حضرت نظام الدین اولیا صاحب کی مجلس سماع میں شریک نہیں ہوئے بلکہ سخت مخالف اور اس فکر میں رہا کرتے تھے کہ سلطان المشائخ کے یہاں کی مجلس سماع ہمیشہ کیلئے موقوف ہو جائے۔ ایک وقت علماء دہلی سے کہا کہ میں نظام الدین اولیا سے علمی بحث پر غالب آسکتا ہوں لیکن کرامات میں بس نہیں ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اہل شریعت اہل کرامات سے بہتر ہوں۔ علما سے مشورہ کر کے مباحثہ کیواسطے شیخ رکن الدین صاحب کو

ملتان سے طلب کیا شیخ رکن الدین صاحب جو بوقت ملتان کے باکمالوں میں شمار کئے جاتے تھے جب دہلی آئے تو قاضی صاحب نے کہا کہ میں سلطان المشائخ نظام الدین اولیا صاحب کا حال خوب جانتا ہوں آپ اون سے بحث کرکے سماع بند کر دیجئے۔ اتفاق سے ایکروز حضرت نظام الدین اولیا اور بہت سے بزرگوار دہلی ایک مجلس میں موجود تھے قاضی ضیاء الدین اور شیخ رکن الدین بھی آگئے نظام الدین اولیا صاحب نے شیخ رکن الدین سے مخاطب ہوکر کہا کہ چشتیوں کی مجلس بے سرود و سماع خشک ہے اگر آپ کہیں تو قوال طلب کئے جائیں شیخ رکن الدین صاحب نے اجازت دی اور قوالوں نے حاضر ہوکر سماع شروع کیا تہوڑی دیر میں سلطان المشائخ نظام الدین اولیا صاحب کو وجد ہوا اور بیساختہ اٹہہ کھڑے ہوئے شیخ رکن الدین صاحب نے سلطان المشائخ کی آستین پکڑ لی۔ سلطان المشائخ نے شیخ کیطرف نظر کی شیخ نے کہا بیٹھ جائیے شرع اجازت نہیں دیتی ہے سلطان المشائخ بیٹھ گئے۔ دوسرے بار پھر وجد ہوا شیخ نے بمرتبہ اول بٹھلا دیا۔ تیسرے بار زیادہ غلبہ ہوا اور رکن الدین صاحب کو کچھ کہنے اور بٹھلانے کی جرات نہوئی بلکہ دست بستہ کھڑے ہوگئے قاضی صاحب یہہ کیفیت دیکھہ کر مجلس سے بھاگ کھڑے ہوئے برخاست مجلس کے بعد شیخ رکن الدین قاضی صاحب کے پاس آئے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ رکن الدین تمنے یہ کیا غضب کیا۔ شیخ نظام الدین کو چھوڑ دیا اور خود ہاتھ باندہکر کھڑے ہوگئے۔ شیخ رکن الدین صاحب نے جواب دیا کہ میں اونکو ہرگز نہ چھوڑتا اور محفل سماع ہمیشہ کے لئے بند کرا دیتا۔ لیکن اول مرتبہ جب انکو وجد ہوا تو اونکا پیر فلک چہارم پر دیکھا اور جب دوسرے بار وجد ہوا تو فلک ہفتم پر پہلے بار اول میرا ہاتھ اون کے ہاتھہ تک پہونچا۔ میں نے آستین پکڑ کر بٹھلا دیا۔

دوسرے مرتبہ صرف دامن تک پہنچا لیکن تیسرے مرتبہ جب زیادہ غلبہ ہوا تمام حجاب طے ہو گئے۔ میں نے قصد کیا کہ بجھلا دوں یکا ایک ایک آگ نمودار ہوئی اگر میں بجھلانے کا ارادہ کرتا بیشک جل جاتا۔ قاضی صاحب کو جیسا سماع سے پرہیز تھا اونکے بعض احباب کو بھی ویسا ہی اجتناب تھا چنانچہ مولانا وجیہ الدین پایلی جب تک سلطان المشایخ نظام الدین اولیا صاحب کے مرید نہیں ہوئے تھے سماع سے متنفر رہتے تھے۔

ایکمرتبہ مولانا وجیہ الدین حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کی زیارت کرکے واپس آرہے تھے کہ رستہ میں ایک مقام پر نظام الدین اولیا صاحب سماع سنتے ہوئے آرہے تھے۔ وجیہ الدینصاحب نے ایک کنارے سے نکلجانیکا ارادہ کیا راستہ تنگ تھا نہ آسکے نہ واپس ہوسکے اور اسی عرصے میں سلطان المشایخ وجد کی حالت میں وجیہ الدینصاحب کے قریب آگئے اور ایکبارگی اونکو گودمیں اوٹھاکر فرمایا کہ مولانا مردوں کے دایرے میں آئے۔ اتنا سنتے ہی مولانا کو وجد ہوا۔ اور سلطان المشایخ کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے اور گھر پہنچکر بیعت کی۔

جب یہ خبر قاضی صاحب کو پہونچی دوڑتے ہوئے مولانا وجیہ الدینصاحب کے پاس آئے اور کہا کہ وجیہ الدین تمہیں کیا ہوا۔ سلطان المشایخ کے حلقہ سماع میں شریک ہوئے اور مرید بھی ہوئے۔ مولانا وجیہ الدین نے جوابدیا کہ کیا کہوں جب سلطان المشایخ نے مجھسے معانقہ کیا عجیب عالم مشاہدہ ہوا یعنی اوس حالت میں مینے دیکھا کہ سلطان المشایخ خانہ کعبہ کا طواف کررہے ہیں۔ اور ساتھ ہی میں بھی شریک ہوں جب یہ کرامت آشکارہ ہوئی اوسوقت مرید ہوا قاضی صاحب کے بہت سے یار اونکے ہم خیال

اور شریعت پر مستقیم تھے لیکن جو بات کہ قاضی صاحب کو حاصل تھی اوسکا عشر عشیر بھی اوس زمانہ کے علما میں نہ تھا۔ دوسرے علما کا قدم کبھی نہ کبھی موقع پر جادہ شریعت سے باہر نکلجاتا تھا۔ قاضی صاحب نے آخر وقت تک پوری پابندی کی وہ شریعت کے مقابل میں اپنی جان کو عزیز نہین سمجھتے تھے اونکی ثابت قدمی کا پورا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ اونھوں نے اپنے چاروں بیٹوں کو شریعت پر نثار کردیا اور صبر و شکر کے سوائے کوئی کلمہ خلاف زبان سے نہیں نکالا۔ ایکدفعہ دہلی میں ایک فقیر آیا شبانہ روز آگ روشن کرکے اوسی میں بیٹھا رہا کرتا تھا قاضی صاحب کو جب خبر ہوئی بڑے بیٹے سے کہا بیٹا جاو اس فقیر سے کہو کہ یہ امر خلاف شرع ہے۔ آگ سے باہر نکل آ۔ حسب الحکم پدر بزرگوار وہ تشریف لیگئے۔ اور فقیر سے کہا کہ آگ سے باہر آ۔ فقیر نے نگاہ گرم سے اونکے طرف دیکھا دیکھتے ہی وہ جان بحق ہوگئے۔ قاضی صاحب کو جب خبر ہوئی فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ میرے بیٹے نے راہ خدا میں جان دی۔ دوسرے کو بھیجا اوسکے ساتھ بھی معاملہ پیش آیا۔ علی ہذا تیسرے چوتھے کی یہی نوبت ہوئی۔ اور ہر چہار بیٹوں کی مرنے پر قاضی صاحب نے دوگانہ اور شکریہ ادا کیا۔ جب کوئی لڑکا باقی نرہا تب خود نے ارادہ کیا۔ کتاب ہاتھ میں لے فقیر کے پاس تشریف لیگئے۔ اور اوس سے کہا کہ اے شخص آگ سے نکل آ کہ امر سراسر خلاف شرع ہے۔ فقیر نے حسب عادت اونکے طرف دیکھا کچھ اثر نہوا قاضی صاحب نے دوبارہ امر معروف کیا فقیر نے پہلے سے زیادہ نگاہ گرم سے دیکھا۔ لیکن پھر بھی کچھ ضرر نہوا۔ قاضی صاحب نے سہ بارہ ہدایت فرمائی اور فقیر نے سہ بارہ اپنی نگاہ کو اور تیز کیا لیکن ہر مرتبہ

اڑوائی ودہم ایک بال ہی بیکا ہوا۔ اور کوئی نقصان قاضی صاحب کو نہیں پہنچا۔ عفریت نے جب دیکھا کہ میری نظر قاضی صاحب پر کچھ اثر نہیں کرتی آگے ہو باہر نکل قدموں پر گر پڑا۔ اور کہا کہ آجتک میں نے آپ جیسا کسی کو شریعت پر سچا اور ثابت قدم نہیں پایا۔ میں کئی مرتبہ آپ پر تیز بلکہ تیز تر نظر اس وجہ سے ڈالی کہ ہلاک کر دوں لیکن آپ کا ایک بال بھی شریعت کے خلاف نہ تھا اسلئے کوئی نقصان نہ ہوا۔ نظر ڈالنے کے بعد میں نے ایک تیر سے مارنا چاہا لیکن آپکے تن مبارک پر شریعت کی زرہ اسقدر ہموار اور مضبوط تھی کہ وہ میرا تیر پار نہ ہوگا یہ کہکر وہاں سے غایب ہوگیا۔

قاضی ضیاءالدین صاحب حقیقت میں پورے متشرع تھے اونہوں نے صرف شریعت کے وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام سے پڑھنا چھوڑ دیا۔ بدعتوں کے خیال سے دہلی کو خیرباد کہا دوبارہ نہ جانا تھا نہ گئے۔

حضرت خضر علیہ السلام روزانہ قاضی صاحب کو پڑھانے آیا کرتے تھے اتفاق سے دو دن تشریف نہیں لائے۔ تیسرے دن جب آئے قاضی صاحب نے پوچھا کہ دو روز سے آپ کہاں تھے۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ سلطان المشایخ کے یہاں سماع میں شریک تھا اس وجہ سے نہ آسکا آج بھی سماع ہے جلد سبق لے لیجئے۔ تاکہ میں وہاں شریک ہوں۔ قاضی صاحب نے جب یہ بات سنی بپاس ادب صرف اسقدر کہا کہ سماع شریعت میں ممنوع ہے اور دل میں کہا کہ جب ان کا یہ حال ہے تو بہتر یہی ہے کہ میں اس شہر دہلی ۲ کو چھوڑ کر دوسری جگہہ چلا جاؤں اور

اوسیوقت دہلی سے بیت اللہ کا ارادہ کر دیا۔ حرمین شریفین کی زیارت
کر کے جب گجرات واپس آئے تو دریافت کیا کہ شیخ نظام الدین دہلوی
زندہ ہیں لوگوں نے کہا کہ ہاں زندہ ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ
جب تک وہ بقید حیات ہیں۔ دہلی نہ جاونگا۔ گجرات سے دولت آباد
آئے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی۔ اسوقت دولت آباد میں حضرت
برہان الدین اولیا صاحب کے کمال اور فقر کا آوازہ بلند تہا اور انکے
یہاں سماع کی محفل گرم رہتی تہی۔ چند روز کے بعد قاضی صاحب کا
مزاج سخت علیل ہوا۔ اور آخر وقت قریب آگیا۔ شیخ برہان الدین
اولیا صاحب عیادت کو گئے۔ شاگردوں نے اطلاع کی۔ قاضی صاحب نے
کہا کہ شیخ برہان الدین شیخ نظام الدین کے خلفا سے ہیں چونکہ وہ
گانا سنتے ہیں لہذا جو شخص ناشروع ہے مرنے کے وقت میں اوسکا
منہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ شاگردوں نے کہا کہ کچھ مضایقہ نہیں ہے۔ اگر
آپ ان کو اندر آنے کی اجازت دیں اور خود اون کے طرف پشت
کر کے بیٹھیں اور اون کا منہ نہ دیکھیں۔ اس اصرار پر قاضی
صاحب نے شیخ برہان الدین اولیا صاحب کو اندر آنے کی اجازت
دی۔ لیکن جب تک برہان الدین اولیا صاحب بیٹھے رہے قاضی
صاحب اون کے طرف پیٹھ پہیرے رہے تہوڑی دیر کے بعد
قاضی صاحب نے برہان الدین اولیا صاحب کو رخصت کر دیا۔
اسقدر روایت تو ہم نے ملفوظ میں دیکھی ہے۔ لیکن بعض معمر خدام

بیان کرتے ہیں کہ سید زین الدین صاحب کے ملفوظ مین جو ضایع ہوگیا ہے۔ ہم نے خود لکہا دیکہا ہی کہ جب شیخ برہان الدین اولیا صاحب قاضی صاحب کی عیادت کو آئے اور اونکو اطلاع ہوئی۔ تو فرمایا کہ شیخ برہان الدین سے کہو کہ مین بدعتیون سے نہین ملتا ہوں جس کے جواب میں برہان الدین اولیا صاحب نے کہلا بہیجا کہ میں توبہ کر کے آیا ہوں یہ سنتے ہی قاضی صاحب نے اپنا عمامہ شاگردون کو دیکر فرمایا کہ اسکو پانداز کر دو اور کہو کہ اسپر تشریف لائین شیخ برہان الدین اولیا صاحب عمامہ کو بوسہ دیتے ہوئے اندر تشریف لائے اور قاضی صاحب نے بہت تواضع اور اخلاق سے اونکو بٹہایا اور چند ساعت بعد اونکو رخصت کیا سبحان اللہ کیسے خوبی کے بزرگ تھے۔ وہ اپنے راستہ پر اور یہ اپنے طریقت پر قایم تہے۔ اس زمانہ کے علما اور فقرا میں کوسوں وہ بات کہاں۔ اگر فی زماننا ایسی کوئی بات وقوع مین آئے تو ایک دوسرے کو کافر اور دوسرا تیسرے کو جاہل بلکہ اجہل سمجہنے لگے۔ قاضی صاحب کا مزار قصبہ سے گوشہ جنوب و غرب میں تخمیناً دو سو گز کے فاصلہ پر کالی مسجد کے پورب ہے۔ قبر پر گنبد ہے۔ گنبد کے اندرونی حصہ میں آیت الکرسی اور چند اسمائے الہی کندہ ہیں۔ جس زمین پر قاضی صاحب کا گنبد اور کالی مسجد ہے اوس کا تعلق حضرت جلال الدین صاحب گنجروان کی جاگیر سے ہے ۲۹ ذیقعدہ کو

خدامان درگاہ حضرت جلال الدین صاحب گنج رواں کیطرف سے کچھ یوہیں سا عرس ہو جایا کرتا ہے یوں تو قاضی صاحب کے گنبد کے سامنے بہت سی قبریں ہیں لیکن دو قبریں میر آبرو اور میر گرد کے نام سے مشہور ہیں عوام الناس یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں نظام الدین اولیا صاحب کے قوال تھے۔

کالی مسجد

اس مسجد کی ساخت تو صاف بتا رہی ہے کہ کبھی وقت میں ہندوں کا دیول ہوگا۔ مسلمانوں نے اپنے فتوحات کے زمانہ میں منبر رکھکر مسجد قرار دیدیا۔ یہ عجیب بات دیکھی گئی کہ قدیم زمانہ کے جس قدر دیول اس ملک میں ہیں وہ سب قطب نما اور قبلہ نما بنے ہوئے ہیں اور یہی باعث ہے کہ مسلمانوں کو اون پر قبضہ پانے سے مسجد بنانے میں کوئی صورت بدلنا نہیں پڑی صرف منبر رکھنے سے بآسانی مسجد قرار پاگئی مسجد کا صحن اچھا ہے لیکن چار دیواری نہ ہونے سے جانور وغیرہ مسجد کو پلید کیا کرتے ہیں۔ دولت آباد کے قلعہ والی مسجد کی طرح اگر اس کی حفاظت کی کوئی صورت ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا۔

ذکر بابو جلال صاحب قدس سرہٗ

یہ وہی بزرگ ہیں جنکی نسبت سید محمد سامانی نے اپنی کتاب سیر محمدی

میں لکھا ہے کہ شیخ بابو جلال مرد بزرگ اور صاحب نسبت تھے سماع کا بہت شوق تھا اور بیشتر وقت اوسی میں گزرتا تھا۔ سماع میں بیخود اور منہ سے کف جاری رہتا تھا۔ بیخودی میں زبان سے جو نکل جاتا اکثر اوسیکا ظہور ہوتا۔ سید یوسف معروف بہ سید راجا جب دولت آباد آئے انکی ملاقات کو گئے۔ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز صاحب بھی کہ اوسوقت ان کی عمر چار برس کی تھی ہمراہ تھے۔ بابو صاحب نے سید محمد صاحب کے نسبت بہت کچھ فرمایا جو حکم خدا سے وہی ظہور ہوا جیسا فرمایا تھا۔ مستجاب الدعواتی کے خیال سے اکثر حاجتمند اون کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ بابو صاحب کی قبر پر گنبد ہے گنبد کا ایک گوشہ گر گیا ہے۔ قاضی ضیاء الدین صاحب کے عرس کے ساتھ ۲۹ ذی قعدہ کو معمولی عرس ہو جایا کرتا ہے۔ بابو صاحب کا گنبد قاضی صاحب کے گنبد سے جانب جنوب اندازاً (۱۰۰) گز کے فاصلہ پر ہے۔ دولت آباد کے قیام میں بابو صاحب کا مکان سفاری دروازے کے قریب تھا۔

ذکر شاہ خاکسار صاحب قدس سرہٗ

ان کا وطن بیجاپور تھا۔ وطن چھوڑ کر خلدآباد میں قیام فرمایا۔ نسباً سید اور طریقتاً مجذوب تھے ارادت کا سلسلہ گیلان کے اوس سلسلہ سے کہ اسوقت دنیائے اسلام کے تین حصہ اس کے

حلقہ بگوشوں میں اسطرح سے ملتا ہے۔

شاہ خاکسار[۱] صاحب۔ شاہ مصاحب[۲] صاحب۔ شاہ منتخب الدین[۳] صاحب شاہ رکن الدین[۴] صاحب نوری۔ شاہ شان اللہ[۵] صاحب۔ شاہ صمد الدین[۶] صاحب شاہ بدر الدین[۷] صاحب حقانی۔ شاہ عبد الوہاب[۸] صاحب محرم راز شاہ عبد الرحمن[۹] صاحب شاہ کونین۔ شاہ نسیم اللہ[۱۰] صاحب دوست شاہ سید زین العابدین[۱۱] صاحب سید شاہ عبد الرزاق[۱۲] صاحب حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی۔ غوث الثقلانی حضرت سید شاہ عبد القادر[۱۳] محی الدین گیلانی قدس سرہ۔ شاہ صاحب کے فقر اور کمال کے لوگ بہت معترف اور معتقد تھے۔ ابو المظفر شاہ اورنگ زیب کے شباب سلطنت میں وفات پائی۔ اور اسی تکیہ میں مدفون ہوئے جس میں رہتے تھے۔ یہ کوہستانی مقام جہاں پر شاہ صاحب مدفون ہیں۔ خلد آباد سے گوشہ جنوب و غرب میں اندازاً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے اس مقام پر کوئی قصر عالی شان یا دنیا کا خدم و حشم یا امیرانہ جاہ و جلال نہیں ہے۔ صرف دو گنبد ہیں جنکی عظمت و شان دنیا کے شاہانہ عظمت و جلال سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ دونوں گنبد ایک مستطیل ٹیکڑی پر شرقاً و غرباً واقع ہیں اور باعتبار وضع اور عظمت کے خلد آباد کے اور گنبدوں سے چھوٹے ہیں۔ شاہ خاکسار صاحب کا مزار پچھم والے گنبد میں ہے۔ ان گنبدوں کو اونچی اونچی پہاڑی ٹیکڑیاں چار طرف سے اپنے دامنوں میں لئے ہوئے ہیں

اور یہ پہاڑیاں خلدآباد کی تمام پہاڑیوں سے ہر موسم میں شاداب رہتی ہیں۔ خصوصاً موسم برسات میں چٹانوں پہ ہری ہری گھانس جسکو قدرتی مخملی فرش کہنا چاہیئے بہت بھلی معلوم ہوتی ہے -

مشہور ہے کہ شاہ صاحب نے مرتے وقت اپنے ایک ارادتمند سے وصیت کی کہ مجھے بغیر غسل دفن کرنا - جب وصال ہوا لوگوں نے غسل دینا چاہا - جس سے وصیت کی تھی وہ مانع ہوا اور شاہ صاحب کی وصیت بیان کی آخرکار یہ قرار پایا کہ جسم کا کوئی عضو دہو کر دیکھ لیا جائے اگر کچھ آشکارا ہو تو خیر ورنہ غسل دے کر دفن کردیں - غرض ایک ہاتھ کی انگلی دہوئے پانی ڈالتے ہی وہ راکھ ہو کر گر گئی جس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے خود کو اپنی زندگی ہی میں موتوقبل ان تموتو ؎ خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی ؎ کا مصداق بنا رکہا تہا اور ظاہر و باطن خاک ہو گئے تھے - پس اوسیوقت بغیر غسل دفن کر دیا - شاہ صاحب کے گنبد سے پورب ملا ہوا دوسرا گنبد اون کے بہانجے حافظ عبدالحلیم صاحب کا ہے اور دونوں گنبدوں کے درمیانی دیوار میں ایک دریچہ ہے جس سے ایک گنبد سے دوسرے میں جا سکتے ہیں - عبدالحلیم صاحب کے گنبد سے پورب تھوڑا ہٹکر حضرت کے دوسرے بہانجے شاہ عبدالملک صاحب کا مزار ہے - عبدالملک صاحب کا مزار سنگی چبوترے پر بنا ہوا ہے اور اوسکے چاروں گوشوں پر ڈیڑہ ڈیڑہ گز لمبی دیوار ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اسپر بھی گنبد تعمیر ہو رہا تھا جو کسی وجہ سے ناتمام رہگیا یا بنا ہوا تہا

گردش زمانے سے گرگیا۔ دونوں گنبدوںکے اطراف بہت سے قبور ہیں عبدالملک
صاحب کی قبر کے گوشہ شرق و شمال میں باولی اور خاکسار صاحب کے گنبد سے
پچھم ایک حوض اور اوس سے پچھم مسجد اور مسجد سے شمال خانقاہ ہے مجاور درگاہ
اسی میں رہتا ہے شاہ صاحب کا عرس رجب کی چھبیس کو ہوتا ہے عرس کے اخراجات
کے واسطے اراضی کے چند نمبر ان ہی پہاڑوں میں اور کچھ زمین موضع الیس گاؤن
تعلقہ خلد آباد میں ہے اسکے علاوہ گنبد کے اطراف کے پہاڑونکا محصول چونچرائی
سے وصول ہوتا ہے مصارف عرس کے واسطے ہے مسجد کے پشت پر چند قدم
کے فاصلہ پر ایک ٹیکڑی پر دودھاری صاحب کا مزار ہے معلوم نہیں کہ یہ
کون اور کس خاندان سے تھے۔

جس ٹیکڑی پر شاہ خاکسار صاحب اور عبدالحلیم صاحب کے گنبد ہیں اوسکے شمال
ایک تالاب ہے جو خاکسار صاحب کیطرف منسوب ہے۔ یہ تالاب تین طرف پہاڑیوں سے
محدود ہے۔ شرقی حد پر جس طرف سے پانی نکلتا ہے ایک چوڑی دیوار بنا دی گئی
ہے بارش میں جبکہ یہ حوض لبریز ہو جاتا ہے عجب بہار پیدا کرتا ہے۔ اطراف
سبزہ درمیان میں پانی گویا سبز چوکھٹے میں آئینہ معلوم ہوتا ہے۔

ان پہاڑوں میں پچھم کی پہاڑی سریا کنڈ کے نام سے مشہور ہے
جس پر ایک چھوٹا سا حوض اور اوسی کے متصل قدیم مکانوں کے آثار
ہیں۔

سریا کنڈ سے نیچے پورب اوتر کر عام تالاب اور اوس کے نیچے جامن تالاب
اور اوس سے نیچے کورا تالاب اور کورے تالاب سے نیچے تالاب خاکسار

کورے تالاب اور خاکسار تالاب کے مابین ذرا جنوب رویہ ہوئے - تھوڑی زمین مزروعہ ہے یہ زمین تالاب خاکسار کے سیراب اور سیری سے پر کر دینے کو بخوبی کافی ہے - مذکورۂ بالا تالابوں مین خاکسار [illegible] کے تالاب کی حالت کسی قدر اچھی ہے - باقی سب شکستہ ہین -

تالاب خاکسار سے دو نہرین قصبہ تک لائی گئی ہین - شاید ایک نہر شکستہ ہو جانے سے دوسری تیار کرائی گئی ہو - تالاب خاکسار کی شرقی حد پر غرب رویہ یہ کتبہ کندہ ہے - اہتمام اعظم بلند تا قیامت قایم بود سنہ ۱۱۱۴ ہجری -

تبہ بردیوار تالاب خاکسار

بلحاظ سنہ یہ زمانہ شاہ اورنگ زیب کا ہے اور اسی وجہ سے ہم کو اس کے یقین مین کلام نہیں کہ یہ نہر اور تالاب شاہ مغفور کے عہد دولت مین تیار ہوا ہو -

خلد آباد کی آبادی میں کوئین اور باولیاں گنتی کی ہیں - اور چونکہ یہ قصبہ پہاڑ کی چوٹی پر ہے اس لئے اون شماری باولیوں مین زندہ چشمہ نہیں ہے - صرف بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے جو چند روز کے لئے کافی ہوتا ہے - باولیون کے خشک ہونے پر چھوٹے چھوٹے تالابون سے جو اندرون اور بیرون قصبہ واقع

اندرونی تالاب سے حوض خاص اور بیرونی سے پانگرہ مراد ہے - حوض خاص کا پانی قدرے نمکین اور پانگرے کا شیرین ہوتا ہے -

واقع ہیں کام لیا جاتا ہے۔ جب یہ تالاب جواب دیدیتے ہیں:
تب تالاب خاکسار سے مدد لی جاتی ہے۔

لیکن ہم ایک عرصہ سے دیکھ رہے ہیں کہ بوجہ عدم مرمت نہر تالاب کا پانی ضائع ہو جاتا ہے اور بیچارے قصبہ والے پانی ہوتے ہوئے تشنہ لب رہتے ہیں۔

کسی زمانہ میں اس تالاب سے جو پانی قصبہ میں آتا تھا وہ کئی جگہہ تقسیم ہوتا تھا۔ قاضی محلہ۔ چھوٹی درگاہ۔ بڑی درگاہ۔ بازار سرا اور کچہری بلغور کے سوا باغ خان جہان اور باغ بنی بیگم صاحبہ کی سیرابی اس سے ہوا کرتی تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی دو چار چھوٹے چھوٹے حوض جو بند اور لاپتہ پڑے ہیں تالاب خاکسار سے چلتے تھے۔

آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ منجانب سرکار سال بسال نہر کی درستی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن خدا جانے کس منحوس ساعت کام شروع کیا جاتا ہے کہ قصبہ والوں کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

سید عبدالغفار صاحب سابق تحصیلدار خلد آباد نے اپنے زمانہ تحصیلداری میں پانی کے لئے قابل تحسین کوشش کی اور اونہیں کی جد وجہد کا نتیجہ ہے کہ تالاب حوض خاص خوب لبریز ہو جاتا ہے اور جب تک اوس میں پانی رہتا ہے۔ لوگوں کو آرام ملتا ہے۔

لیکن اون کی کوشش جس قدر بیرونجات میں رہی

اگر کورٹ تالاب پر ہوتی تو آیندہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوتی۔

اے خدا کا شکر ہے کہ کورٹ تالاب اور جامن تالاب کے درستی کی
خبر جو برسوں سے سنی جا رہی تھی اسکو نواب بشیر نواز جنگ صاحب
کی توجہ نے صحیح ثابت کر دیا۔ اور بہت ہی استحکام کے ساتھ داروغہ
بدیع الدین صاحب کے ذریعہ سے دونوں کی درست ہو گئی ہے۔ کاش
اگر نہر بھی اسکے ساتھ درست ہو جاتی تو پھر خلد آباد والون کو پانی کی شکایت
باقی نہ رہتی۔

ذکر حضرت جلال یا شاہ جلال الدین صاحب گنجروان قدس سرہ

نام جلال الدین۔ لقب گنجروان۔ بہت بڑے صاحب جلال اور خاصان خدا سے تھے روضے کے تمامی بزرگون سے پہلے آپ ہی اس دیار مین تشریف لائے ملفوظات تاخت ہونے سے ان کے حالات مفقود ہو گئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے صاحب عشق ربانی نے ایک واسطہ سید احمد نسوی علوی کا بتلایا ہے۔

اکثرون کو اسکا دہوکا ہوتا ہے کہ شاہ جلال الدین گنجروان وہی شاہ جلال الدین ہین جو تبریزی مشہور ہین۔ اور جنکا ذکر کتب معتبرہ مین بہت جگہہ آیا ہے اور جنہون نے شیخ نجم الدین صغرا شیخ الاسلام دہلی کے تقاضے سے دہلی چھوڑ دی تھی لیکن ایسا سمجھنا غلطی ہے۔ کیونکہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار مین شیخ جلال الدین تبریزی کی قبر بنگالے مین بتلائی ہے اور شیخ غوثی حسن نے گلزار ابرار مین اور ابوالفضل نے اکبرنامے مین لکہا ہے کہ جلال الدین تبریزی کا مزار بندر دیو محل واقع بنگالہ مین ہے۔

شیخ جلال الدین نے (۲۶) ذیقعدہ سنہ ۶۴۴ھ مین وفات پائی۔ لفظ متقدمین ۶۴۴ مادۂ تاریخ ہے۔ ان کا مزار شاہ خاکسار صاحب کی درگاہ سے گوشۂ شرق اور جنوب مین اندازاً آدہے میل اور روضے سے جنوب دو میل کے فاصلے سے پہاڑی پر ہے درگاہ کے دو احاطے ہین۔

جس احاطے مین گنبد ہے اسکی شمالی اور شرقی حد دیوار سے محدود ہے شرقی حد مین صرف دروازہ درچاک ہے غربی حد کے وسطی حصے مین مسجد اور مسجد کے شمال

کھڑکی ہے - جنوبی طرف میں چند کمانوں کی ایک خانقاہ اور ایک حجرہ ہے احاطہ بہت سی حجروں سے معمور ہے - مسجد کے متصل حضرت کے بھانجے شیخ احمد اور شیخ محمود اور گنبد سے باہر شرقی دیوار سے ملے ہوئے پیر ترابی تیغی حضرت - اور گنبد اور دکھن والے دروازے سے قریب سید جعفر احمد - سید احمد - سید کبیر اور کھڑکی سے باہر پیر کا رفقاے حضرت آسودہ ہیں - ان سب کا عرس ذیقعدہ کی (۲۹) کو ہوتا ہے - عبدالرشید - عبداللطیف - عبدالمجید - عبدالکریم صاحب خدامان حضرت کے بھی مزارات اسی احاطے میں ہیں اور خدامان درگاہ ہذا خود کو ان ہی حضرات کی نسل سے شمار کرتے ہیں -

ایک پتھر کی مسجد

گنبد سے پورب ایک پتھر قبلہ نما پونے دو گز لانبا اور ایک گز چھہ گرہ کے قریب چوڑا نصب ہے - مشہور ہے کہ شاہ جلال الدین صاحب نے پہلے پہل اسی جگہہ نماز پڑھی ہے اور اسی سبب سے یہ مسجد خورد مشہور ہے -

گنبد کی مغربی دیوار میں باہر طرف مسجد کے مقابل بسم اللہ الرحمن الرحیم اور ناد علی اور اسکے بعد کلمہ طیبہ اور اللّٰہم صل علی محمد و علی آل محمد فی الاولین و الآخرین و فی الملاء الاعلی الی یوم الدین - اور تھوڑی سی عبارت فارسی میں کندہ ہے - پڑھی نہیں جاتی - مسجد کی جنوبی دیوار میں شرق رویہ یہ تاریخ کندہ ہے -

تاریخ مسجد حضرت شاہ جلال الدین صاحب قدس سرہ

. . . . روضۂ پاک منور را — گر خاکش آبروئے اہل دین است
جلال الحق کہ بحر معرفت را — زر لباسے تقش موج من است

کشائیم لب پس از مدح بزرگان بادِ صافت شیخے کز حق آئین است
ب . . . . . . اورنگ غازی که بر خاکِ درش مہ را جبین است
بزر خویش موسیٰ خان بنا کرد چنین مسجد که بروئے آفرین است
ز دل کردم طلب چون سال تاریخ ہمین خلق کز طبعش متین است
پے از جابابِ مُغنی زیر و بم گفت[1] نشان بے زوال کعبه این است
۱۰۷۶

گنبد کے آگے پیچھے دو درخت ایک ہی پھل پتی کے ہین - آگے کا درخت پیچھے کے درخت سے چھوٹا ہے ان دونون کے پھل عقیمہ عورت کیلئے بشرطیکہ وہ بزرگون کے تصرفات کی معتقد ہو تاج الملوک کے طلسمی درخت اور گوزآونا دانداپیا) بربہاوی کے گنگلے سے زیادہ با اثر ہین اکثر حاجتمند عورتین ان پھلون کو لیجایا کرتی ہین - پھل کھانے کے جو شرائط ہین وہ خدام بتادیا کرتے ہین - ان باکرامت درختون کے سوا اور بہت سے درخت احاطے مین ہین -

دوسرا احاطہ

یہ احاطہ گنبد والے احاطے سے عرض و طول مین زیادہ ہے - اسکی جنوبی و غربی حدود مین خانقاہین ہین اور شمال و شرق مین دیوار - شرقی دیوار کے بیچ دروازہ اور شمال مین ایک دروازہ اور وسط مین ایک نقارخانہ اور اُس سے ملا ہوا جنوب طرف ایک گنبد ہے - جس مین سید کمال - سید فیاض - سید جمال - قاضیان دولت آباد کے قبور ہین - بیر وغیرہ کے درخت اِس احاطے مین بھی ہین -

---

[1] یہ مصرعہ اور اسی تاریخ کی دوسری بیت کا مصرعہ ثانی جو ان پڑھے نہین گئے بلا لحاظ معنے جیسے تھے لکھدئے گئے ۱۲

دونون احاطون کی خانقاہین اگرچہ بظاہر شکستہ نہین ہین۔ لیکن بارش کے موسم مین اسقدر ٹپکتی ہین کہ بیٹھنے کو جگہ نہین ملتی۔ خدامان درگاہ کو اور سب کامون سے پہلے اسطرف توجہ کرنی چاہیئے اور پہلے گنبد والے احاطے کی خانقاہین درست کرنی چاہیئے کیونکہ وہ زیادہ شکستہ ہین۔ اگر مرمت مین ذرا بھی غفلت ہوئی تو یقینی کل عمارت جلد گر جائیگی اور پھر بنانا طول ہوگا۔

تالاب پجروان

درگاہ سے جنوب درگاہ ہی کی دیوار کے نیچے بہت بڑا پختہ تالاب ہے عوام مین یہ پریونکا تالاب مشہور ہے چونکہ تالاب مذکور ہر چہار طرف سے پتھر تراش کر بنایا گیا ہے۔ صرف جانب غرب تھوڑے حصے مین پہاڑ ہے۔ اس تالاب کی برآورد کا اگر اندازہ کیا جائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ کئی لاکھ مین تیار ہوا ہوگا۔ چارون طرف سیڑھیان ہین۔ اسکا عمق اس غضب کا ہے کہ پہاڑ یا درگاہ کی خانقاہون مین بیٹھکر دیکھنے سے آنکھون کو خیرگی اور دلپر خوف طاری ہوتا ہے۔ جب یہ کبھی پانی سے لبریز ہوتا ہوگا تماشاگاہ عالم اور دلفریب نظارہ ہوگا۔ تالاب کی جنوبی دیوار نیچے سے شکستہ ہے اسوجہ سے سو حصے مین ایک حصہ بھی پانی نہین ٹھہرتا ہے۔ اور موسم گرما مین تو بالکل خشک ہو جاتا ہے۔

عرس

شاہ جلال الدین صاحب قدس سرہ کے عرس کی ابتدا ذیقعدہ کی (۲۳) سے ہوتی ہے ۲۳-چونا-۲۴ نشان-۲۵ صندل ۲۶ چراغان ۲۷ بدھاوا اور ۲۹ کو میلا ہوتا ہے۔ آغاز عرس سے آخر تک عورتون کا ہجوم زیادہ رہتا ہے مصارف عرس کیلئے دو موضع مولی بچین اور نادر آباد و جاگیر ہین یہ موضعے یہان کے دوسرے مواضعات سے زرخیز ہین۔

ذکر حاجی نظام صاحب پیش امام قدس سرہ

حاجی صاحب کا مزار کاغذی پورے میں اب بھی ہے انکے حالات دستیاب کرنے میں کمی نہیں ہوئی کاغذی پورے کے سربرآوردہ لوگوں سے متعدد موقعے دیافت کی آئے لیکن کسی نے زبانی روایت کے سوا تاریخی شہادت سے کوئی واقعہ بیان نہیں کیا انکی بزرگی اور ولایت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ چودہ سو اولیاؤں کے امام تھے اور حضرت برہان الدین غریب اور حضرت منتجب الدین صاحب کی ساتھ والی جماعت انکی مقتدی تھی کو اپنا محمد جانتی تھی۔

حاجی صاحب کی قبر پر گنبد اور اوسکے اطراف چاردیواری اور چار دیواری ہی کی اندر پچہم طرف اسی زمانہ کی مسجد ہے یہ مسجد شکستہ ہو چلی تھی حالیں درست کیگئی ہے شکستہ و ریخت کرنے والوں نے یہ جرات کی ہے کہ مسجد کے قدیم کتبہ کا پتھر نکال کر علاحدہ رکھدیا ہے اور اوسکے بجائے دوسرا کتبہ نظم کرکے نصب کردیا۔ منتظمان و مہتممان مساجد کاغذی پورے کا فرض ہے کہ وہ اوس کتبہ کو جس مقام پر کہ پہلے لگا ہوا تھا لگا دیں۔

کتبہ قدیم مسجد حاجی نظام صاحب پیش امام

بنا شد این مسجد در عہد خلافت خداوند دارا زمین برگزیدہ رب العالمین المؤید بتائید الرحمن ابو المجاہد محمد بن تغلق شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بہ فرمایش بندہ درگاہ ملک الامرا اختیار الدولہ والدین الغ و اختیار قتلغ سلطان المخاطب بہ نصیر الملک دام اللہ دولتہ - فی رابع عشرین ربیع الاول ثلثہ و ثلثین و سبعمایہ

گنبد سے جنوب احاطہ کا دروازہ ہے اسپر نقارخانہ ہے جسپر صبح و شام نوبت بجا کرتی ہے حاجی صاحب کے علاوہ کاغذی پورے اور اوسکے حدود میں اور بھی بزرگوارونکی مزارات ہیں

اور وہ سید برہان الدین غریب کے اصحاب مشہور ہیں فہرست ذیل سے اونکے اسمائے گرامی معلوم ہونگے

فہرست اسمائے بزرگان کاغذی پورہ

نمبر	نام	تاریخ عرس	مدفن
۱	سید کامل صاحب قدس سرہ	۰	متصل حوض رنبود
۲	سید کالے 〃	۱۲ ربیع الثانی	لب سڑک
۳	اوستاد وزیر 〃	۱۶ شعبان	قصاب واڑہ
۴	پیر بالک 〃	۲۴ ربیع الثانی	بازار
۵	موسیٰ سیلانی 〃	۱۴ محرم	زیر درخت املی
۶	حاجی چندو 〃	۳ ربیع الثانی	لب سڑک گنبد خورد
۷	شاہ جلال الدین بخاری صاحب قدس سرہٗ	〃	متصل گنبد حاجی چندو صاحب
۸	سید امام 〃	۲۴ 〃	متصل درخت بڑ
۹	علی ولی 〃	〃 〃	زیر درخت بڑ
۱۰	دولت شاہ درباری 〃	〃 〃	اندرون حصار بستہ قدیم دولت آباد
۱۱	حافظ جلال 〃	〃 〃	چبوترہ سنگ بستہ 〃 〃
۱۲	شاہ کھڑک 〃	〃 〃	زیر سلامی گھاٹی
۱۳	پیر غرق 〃	〃 〃	〃 〃
۱۴	شاہ نور محرابی 〃	〃 〃	تالاب سلطان گڑہ

خلد آباد کے اطراف بہت سی قدرتی سیر کے مقام اور انسانی کمالات کے نمونے ہیں۔ ایلورہ اور شاہ خاکسار صاحب شاہ جلال الدین صاحب گنجرواں اور پیر مبارک صاحب کارواں کی درگاہوں کے علاوہ حوض قتلغ اور درہ آب پاش نہایت پر لطف اور پر فضا ہے ایلورہ اور درگاہوں کی کیفیت ہم اوپر لکھہ آئے ہیں اب درہ آب پاش اور حوض قتلغ کے مختصر واقعات بتلاکر کتاب کو ختم کرتے ہیں۔

دولت خان ناظر کی مسجد

یوناس نگری

درگاہ سے باہر گوشۂ شرق و شمال کے ایک ٹیکری پر ایک مسجد ہے یہ مسجد دولت خان ناظر کی (جسکی قبر سونا باولی کے قریب کے گنبد و دفین ہے) بنوائی ہے - مسجد کے شمال پورب ہٹتا ہوا دوسرا ٹیکرا ہے جسکے اوپر اور نیز اطراف قدیم مکانوں کے آثار اور کئی ایک تہ خانے (بلدہ) یوناس راجہ کے یادگار ہیں اور اس ٹیکرے سے پورب زمین کا تھوڑا قطعہ موسیٰ خانی کے نام سے مشہور ہے - یہ موسیٰ خان وہی ہیں - جنہوں نے شیخ جلال الدین صاحب کے گنبد سے پچھم مسجد تعمیر کی ہے - شیخ جلال الدینصاحب کی درگاہ سے کاغذی پورے اور نادر آباد تک زمین کا کل تختہ یوناس نگری کے نام سے مشہور ہے - اس قطعہ کے سوا تالاب شاہ خاکسار صاحب کے شمالی پہاڑ کے شرق جانب صدہا مکانوں کے نشان موجود ہیں - گمان غالب ہے کہ قلعہ دولت آباد اور غارہائے ایلورہ کی تعمیر کے وقت یہاں کے مذکورہ مقامات مسلسل آباد ہوں گے - اور گنجرواں صاحب کا تالاب بھی اوسیوقت بنایا گیا ہوگا -

ذکر حضرت پیر مبارک صاحب کاروان قدس سرہ

ان حضرت کے نسبت ہم اسیقدر کہہ سکتے ہیں کہ چشتیہ ہیں اور حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے مرید مشہور ہیں - پانچویں شوال ۷۳۴ہجری میں وفات پائے کاغذی پورے سے پچھم سات آٹھ سو گز کے فاصلے پر اور شاہ جلال الدین صاحب کی درگاہ سے گوشۂ شرق و جنوب میں آدھے میل پر درگاہ ہے - قبر پر چار دیواری

ہے۔ جس ٹیکرے پہ پیر مبارک صاحب کا مزار ہے اس سے جنوب بلند ٹیکری پر لاڈلے صاحب انصاری کی قبر ہے۔ قبر خام ہے۔ ان سب کا عرس پانچویں شوال کو ہوتا ہے۔ عرس میں زیادہ ہجوم اژدحام نہیں ہوتا ہے چار بجے شام سے مغرب تک لوگ رہتے ہیں۔ روضے والوں کے علاوہ کاغذی پورے کے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں۔ عورتوں کا داخلہ بالکل نہیں ہے۔ ایام عرس کے سوا دوسرے اوقات میں بھی عورتیں درگاہ میں حاضر ہونے کو خوف کرتی ہیں۔

پیر مبارک صاحب کے مزار پہ جو لوگ نیاز کرتے ہیں وہ اکثر ستھریاں پکاتے ہیں۔ پکانے والے سب مرد ہوتے ہیں۔ اور تا وقتیکہ فاتحہ سے فراغت نہیں ہو جاتی ہے۔ عورتوں کو اسکا کھانا یا ہاتھ لگانا کیا اس طرف نظر تک نہیں کرتیں۔ عورتوں کا گریز اور پرہیز میرے نزدیک بہت اچھا ہے۔ کاش اگر حضرت شاہ جلال الدین صاحب گنج رواں کا میلا بھی عورتوں سے پاک کر دیا جاتا تو بہت اچھا ہوتا۔

روضے والے ستھریوں کو چکولیاں بھی کہتے ہیں۔ آٹے کو گوندھ کر چھوٹی چھوٹی ٹکیاں بناتے ہیں۔ شیریں پکانا منظور ہو تو قوام میں ورنہ گوشت میں مصالح وغیرہ ڈال کر چڑھا دیتے ہیں۔ جب وہ نیم پختہ ہو جاتا ہے تو وہی ٹکیاں اس میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ستھریاں بہت ہی لذیذ ہوتی ہیں۔

حوض قتلغ

یہ حوض کاغذی پورے سے پورب اور خلد آباد سے گوشۂ جنوب اور شرق مین اندازاً ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ہے سلطان محمد تغلق شاہ کے استاد قتلغخان نے اِس کی بنیاد ڈالی قتلغخان کا باپ ملک برہان الدین دولت آباد کا حاکم تھا سلطان محمد تغلق نے تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی قتلغخان کو دولت آباد کا صوبیدار بنایا۔ قتلغخان نے تامدت حکومت رعایائے دولت آباد کو بہت خوش رکھا اور بہت سے کار شایان کئے اور نہایت خیر خواہی اور دیانت و امانت سے بسر کی صوبۂ مالوہ اور بیدر کے صوبیدارونکو بغاوت کے سلسلے مین قید کرکے دہلی بھیجدیا۔ صاحب غرضون کے کہنے سے پادشاہ نے قتلغخان کو طلب کرکے اُس کے بجائے اُس کے بھائی نظام الدین المخاطب بعالم الملک کو دولت آباد بھیجا۔ قتلغخان اُسوقت حوض کی تعمیر مین تھا بادشاہ کے فرمان پر دہلی چلا گیا اور باقی کام اپنے بھائی کی نگرانی مین چھوڑا جسکو نظام الدین نے پورا کیا اس یادگار مین کوئی عمارت ایسی نہین جو قابل شہرت ہو لیکن قدرتی صناعی نے اُسکو شہرت دیدی ہے حقیقت مین یہ حوض نہین طویل اور عریض ایک تالاب ہے۔ تین طرف سے پہاڑی ٹیکریان لگی ہوئی ہین کچھ مغربی اور پورا جنوبی حصہ سنگی پختہ دیوار سے بنایا گیا ہے۔ دیوار کے سوا مغربی حصے مین سیڑھیان ہین جنوبی ہی دیوار کے شرق پانی نکلنے کا راستہ بنایا گیا ہے۔ حوض کا پانی وہ آبپاش سے گزرتا ہوا قلعہ دولت آباد کے ہاتھی حوض مین پہنچتا ہے۔ حوض کے جنوب دیوار سے قریب دو منزلہ مکان قتلغخان کا یادگار ہے۔ افسوس زمانے نے اُسکے ساتھ دشمنی کی ہے

اور اسکو پھر طبعی تک پہنچنے نہ دیا۔ اوپر کا حصہ گر گیا۔ نیچے کا جسقدر باقی ہے اسکی حالت اور بھی خراب ہے اگر چند روز کسی نے اوہر توجہ نکی تو عمارت کا نشان بھی نہ معلوم ہوگا حوض کے قریب ترتیب دو چار درخت آم کے ہیں موسم گرما میں ان کے سایہ سے شکاریوں اور تماشائیوں کو آرام ملتا ہے۔ حوض میں مرغابیاں کثرت سے رہتی ہیں جنکے سبب جب دیکھیے دو چار کالے گورے بندوق چھتیائے کنارے بیٹھے رہتے ہیں۔ کثرت استعمال سے اس حوض کو لوگ حوض قتلق اور حوض قتلو کہنے لگے ہیں۔

درۂ آب پاش

حوض قتلغ کے جنوب اور دولت آباد کی شمالی گھاٹی کے دامن میں پورب طرف وسیع اور عمیق ہے قدرت نے اسکو مثلث متساوی الساقین قطع میں وضع کیا ہے شرقاً غرباً دونوں طرف دو پہاڑیاں اور جنوب یعنی قاعدے کی طرف چونے اور پتھر سے چوڑی دیوار بنائی گئی ہے۔

درے کے جنوب جنگلی درختوں کے سوا پر اسقدر نہ تھے۔ یہ بہت سے درخت ہیں یہ مرغزار دل برداشتہ اور وحشت زدہ کیواسطے فرحت افزا اور ازحد دلکشا ہے۔ دلکشائی میں خلد آباد کی دوسری سیرگاہیں اسکا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور دلچسپی کے لیے اس سے بہتر مقام نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ ہے کہ جسطرح ملک دکن میں خلد آباد بے نظیر ہے اسیطرح شاہ خاکسار صاحب کے پہاڑوں سے حوض قتلغ اور درۂ آب پاش تک باعتبار لطافت آب و ہوا اور نیز بنظر تفریح و سیر و شکار یہ مقامات بے مثل ہیں۔ زیادہ تر خوبی یہ ہے کہ مقامات مذکورہ خلد آباد سے مسافت بھی نہیں رکھتے۔ میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہیں۔ پیدل

یہ مقام دولت آباد سے قریب ہے ۱۲

جانیسے کسی قسم کا مکان نہین ہوتا ہر قسم کی سواریان بھی وہان پہونچ سکتی ہین۔ غرض یہ تمام کوہستان ہر فصل مین خزان سے پاک سر سبز اور شاداب رہتا ہے خصوصاً موسم بارش مین بلا تشبیہ نمونہ جنت نظر آتا ہے حاجی محمد جان قدسی کہتے ہین ؎

در ایام خورداد واردی بهشت   زند دولت آباد دم از بهشت
زدوبها صبا رفته گرد ملال   هوائے بهشت است یا برشکال
در و دشتش از سبزه فیروزه فام   حصارش ز سنگ زبرجد تمام
ندیده کسے جز درین مرغزار   بقلب الاسد ابتدائے بهار
نه از سیل دیوار باغش خراب   نه بر نخل مومش ستم ز آفتاب
جوانند پیران این سرزمین   نه سرما نه گرما بهشت است این
ز رشک هوا پائے صحت به گل   طبیبان ز بیکاری اینجا خجل
دل غنچه اش نشکند از صبا   باین تند مستی که دیده هوا
حصارش کند بر سر چرخ ناز   که طاؤس عرش است پر کرده باز
مرا این قطعه را بود یا در میان   که رفت از زمین سبزه بر آسمان
درین ملک مردم خوش آسوده اند   هوا نیست گوئی که فرموده اند
نیابند برگے درین بوستان   که گردو زبان ، بنام خزان
گلے غنچه نگذاشت فیض سحاب   درین بوستان جز گل آفتاب
گر از گریه خالی کند ابر دل   عجب گر رود پائے موری به گل
ببارد اگر ابر سالے تمام   درین خاک گل را ندانند نام
بهار از پئے زینت هر چمن   برد مایه از برشکال دکن

ز تخم گشته بازارها سبزپوش   دکانها دکان زبرجد فروش
چو بیشه بمجنون اندانسته خود   که هرگز کسے را تصرف نه کرد

زمین دکن سر نیارد فرود
ز فیروزه رنگی بچرخ کبود

درہ آب پاش سے قلعہ دولت آباد بہت قریب ہے - اسی سلسلے مین ہمنے وہان کے مشہور مشہور واقعات اور بزرگون کے حالات لکھنے کا ارادہ کیا تھا - بلال الدین صاحب نائب دارو غہ قلعہ دولت آباد نے ہمارے پاس وہان کے بزرگون کی ایک فہرست بھی بھیجی تھی - لیکن بعض اسباب پیش آنے سے چونکہ اس آخر کے ارادے مین کامیابی نہوئی . اگر زمانے نے مساعدت کی اور زندگی نے ساتھ دیا اور سرمایہ بہم ہوا تو انشاء اللہ تعالی دولت آباد کے بزرگون کے واقعات ترتیب دیکر ناظرین کے سامنے پیش کرینگے -

قلعہ دولت آباد کے سربرآوردہ ملازمین مین سید رکن الدین صاحب دارو غہ (قلعدار) اور شیخ بلال الدین نائب دارو غہ اور نور خانصاحب اور محمد حسن صاحب جمعدار بہت خوبی کے صاحب ہین دولت آباد اور نیز قلعہ کے موجودہ حالات مین ان سبکی معلومات اچھی ہے - اگر خدا نے مجھے اپنے ارادے مین کامیاب کیا تو ان سب سے کافی مدد ملیگی -

تمت بالخیر

کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی
HYBERABAD STATE LIBRARY

داخلہ نمبر	۱۳۶۳۹
فن نمبر	ط ۵
کتاب نمبر	

CHECKED - 1969

NOT TO BE ISSUED

اِعلان

اِس کتاب کے تمام حقوق محفوظ ہین

کوئی صاحب چھاپنے کا قصد نہ فرمائین اور

جسقدر جلدین مطلوب ہون رونق علی صدر

مدرس مدرسۂ خلد آباد ضلع اورنگ آباد سے

طلب فرمائین۔ فقط

خاکسار

رونق علی صدر مدرس مدرسۂ خلد آباد عرف روضہ